جُوڑے کا پھُول
محی الدین نواب

دیباچہ

کھلتا گلاب حسیں ترین ہے
اور خوف سے پھوٹتی امید روشن ترین
شبنم سے دھلا گلاب حسیں ترین ہے
اور آنسوؤں سے دھلا پیار حسیں ترین
(سر والٹر سکاٹ)

زندگی کی حقیقت جو اوپر بیان کی گئی' اس سے ہر وہ دل واقف ہے جس نے کبھی محبت کی ہے۔ اور حقیقی معنوں میں اسے سمجھ بھی وہی سکتا ہے جس نے محبت کی' جو محبت کر رہا ہے اور جو محبت کرنا چاہتا ہے۔

پھول محبت کا استعارہ ہیں۔ ان میں مبدء فیاض نے ان میں کچھ ایسی کشش بھر دی ہے کہ دیکھنے والے کا دل بے اختیار ان کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے۔ آپ خود دل پر ہاتھ رکھ کر بتایئے کہ جب آپ کبھی کیاریوں میں قطار اندر قطار جگمگاتے گلاب کے سرخ سرخ انگارے یا بیلوں سے جھولتی یاسمین کی لڑیاں دیکھتے ہیں تو آپ کے دل پر کیا عالم گزرتا ہے۔

پھول کئی طرح کے ہوتے ہیں وہ پھول جو ہار بنا کر کامیابی حاصل کرنے والے کے گلے میں ڈالے جاتے ہیں پھول جو گجرا بنا کر بالوں میں سجائے جاتے ہیں اور کلائیوں میں پہنائے جاتے ہیں۔ پھول جو سہاگ کی سیج کی چادر بنتے ہیں اور کچھ پھول جو چادر بنا کر پیاروں کی قبر پر چڑھائے جاتے ہیں۔ پھول بھی انسانوں کی طرح ہوتے ہیں۔ کچھ کے نصیب میں شب عروسی کی رنگینیاں آتی ہیں اور کچھ کے حصے میں شام غریباں کا سوگ۔

پھولوں کی اپنی ایک زبان ہوتی ہے۔ سرخ پھول محبت کا اظہار ہیں اور زرد پھول

اُداسی کا مظہر۔ سفید پھول خیر سگالی کا جذبہ ظاہر کرتے ہیں۔ تر و تازہ پھول امید دلاتے ہیں اور سوکھے پھول قنوطیت اور مایوسی کے علم بردار۔ عاشق اپنی محبوبہ کو پھول سے تشبیہہ دیتے ہیں اور اپنے ٹوٹے دل کو شاخ سے گرا پھول قرار دیتے ہیں۔ پھول شاخ پر بھلا لگتا ہے لیکن انسان بڑا خود غرض ہے۔ وہ اپنے گھر کی آرائش کے لئے پھولوں کو بے گھر کر دیتا ہے، یعنی انہیں ٹہنی سے نوچ کر اپنے گلدان میں سجا لیتا ہے اور یوں اس کی مختصر سی زندگی کو اور مختصر کر دیتا ہے۔ اپنا بدن سجانے کے لئے ان کا جسم ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے اور پھر اگلی صبح انہیں یوں اتار پھینکتا ہے جیسے بیکار بوجھ سے نجات حاصل کی جائے۔ یہ سب اپنی جگہ، لیکن یہ بھی ماننا ہی پڑے گا کلائیوں میں مہکتے گجرے اور جوڑے میں سجے پھول کی بہار ہی کچھ اور ہوتی ہے۔

جوڑے میں سجا پھول! جوڑے کا پھول!

وہ پھول جسے عاشق بڑے پیار سے محبوبہ کے جوڑے میں سجاتا ہے اور یوں اپنی محبت پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہے۔ محبت کی زندگی کا حسین ترین لمحہ وہ ہوتا ہے جب چاہنے والا اپنی چاہت کے کانوں میں میٹھی میٹھی سرگوشیوں کا رس انڈیلتا، اپنی چاہتوں کا یقین دلاتے ہوئے اسے محبت کا پہلا تحفہ دیتا ہے۔ اور جوڑے میں سجے ایک پھول سے بہتر تحفہ اور کیا ہوگا، جو بے مول ہو کر بھی انمول ہوتا ہے، کہ اسے دست قدرت نے خود تخلیق کیا ہے!

"جوڑے کا پھول" محبت کے اسی لمحے کی داستان ہے، جب دو دل پہلی دفعہ جذبہ محبت سے آشنا ہوئے اور ہم آہنگ ہو کر دھڑکنے لگے۔ اور پھر جب محبوب نے محبوبہ کو محبت کا پہلا تحفہ دینا چاہا تو مجبوریاں ان کی راہ میں حائل ہو گئیں۔ حالات کی تند آندھی انہیں اُڑا کر ایک دوسرے سے بہت دور لے گئی اور جوڑے کا پھول اس انتظار میں پڑا سوکھتا رہا کہ کب کوئی آئے اور کب عنبریں زلفیں اس کا مقدر بنیں۔

ایسا کیوں ہوتا ہے کہ جب کسی کا دل میرے سینے میں دھڑکنے لگے اور میرا خون کسی اور کی رگوں میں گردش کرنے لگے تو حالات ہمیں جُدا کر دیتے ہیں۔ شاید یہ قدرت کا قانون ہے کہ جو چیز نکتہ عروج پر پہنچ جائے وہ نیچے کا سفر شروع کر دیتی ہے۔ جب پھل پک جاتا ہے تو شاخ سے ٹوٹ کر گر پڑتا ہے۔

"جوڑے کا پھول" میں آپ کو محبت کے کئی رنگ نظر آئیں گے۔ پہلی نظر کی محبت، بچپن کی محبت، وہ محبت جو نفرت میں بدل گئی اور وہ محبت جو نفرت کی کوکھ سے پھوٹی۔ کہتے ہیں کہ محبت انسان کی کمزوری ہے مگر حسین ترین کمزوری ہے۔

اس ناول کا معیار کیا ہے، اس کے لئے یہی کہہ دینا کافی ہے کہ یہ محی الدین نواب کے قلم سے نکلا ہے۔ محی الدین نواب اتنی کثرت سے اور اتنا اچھا لکھتے ہیں کہ کبھی کبھی شبہ گزرنے لگتا ہے کہ یہ ایک آدمی کا کام ہے یا ایک جماعت کا! لیکن پھر یہ سوچ کر شبہ دور ہو جاتا ہے کہ ایک جماعت کے خیالات میں اتنی ہم آہنگی پائی ہی نہیں جا سکتی کہ وہ ہر موضوع کو ایسی صراحت اور سلاست سے بیان کر سکے۔ یہ محی الدین نواب کا ہی خاصہ ہے۔ انہوں نے اس ناول کا تانا بانا اتنی خوبی سے بنا ہے کہ پڑھنے والا کہانی کے دھارے کے ساتھ بہتا چلا جاتا ہے۔

میں آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ ورق اُلٹئے اور ایک نئے جہان میں داخل ہو جائیے۔ ایک ایسی دنیا جہاں رنگ ہے، روشنی ہے، خوشبو ہے، ستاروں کی چمک اور بہار کی مہک ہے، جہاں کوئی فکر نہیں، کوئی غم نہیں۔ ایک وقت میں آپ تمام تفکرات سے چھٹکارا حاصل کر لیں گے اور بھول جائیں گے کہ پریشانی نام کی کوئی چیز بھی دنیا میں پائی جاتی ہے۔ قدم بڑھائیے، نت نئی حیرتیں آپ کی منتظر ہیں۔

عظیم احمد

شاید ہاتھوں سے اسٹیرنگ بہک گیا تھا۔

پہاڑی راستوں پر یہ چھوٹی سے غلطی موت کا بہانہ بن جاتی ہے۔ کار چلانے والے نے اس چھوٹی سی غلطی کو فوراً ہی سنبھالنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن کار کا اگلا حصہ گہری کھائی کی طرف جھک گیا...... راستے کے کنارے پڑی ہوئی بجریوں پر دائیں جانب کے دونوں پہیئے گھسٹتے ہوئے ذرا دور تک گئے اور پھر کار الٹ گئی۔

ایک نسوانی چیخ فضا میں گونجی' کار کا دروازہ تیزی سے کھلا اور اس کھلے ہوئے دروازے سے ایک عورت نے چھلانگ لگا دی۔ اس کے بازوؤں میں ایک ننھا سا بچہ تھا۔

چھلانگ لگاتے وقت وہ محض ایک عورت نہیں تھی' ایک ماں بھی تھی۔ اگر وہ محض ایک عورت ہوتی تو شاید بچے کو چھوڑ کر پہلے خود ہی موت کے منہ سے نکلنے کی کوشش کرتی۔

لیکن تقدیر کو شاید اس کی ممتا کا یہ انداز پسند نہیں آیا تھا۔ کار سے چھلانگ لگاتے ہی وہ عورت ایک پتھر سے ٹکرا گئی۔ پھر ایک چیخ اس کے حلق سے نکلی اور بچہ اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔

ایک طرف کار تیزی سے لڑھکتی ہوئی جا رہی تھی اور دوسری طرف عورت...... لیکن بچے کا پتہ نہیں تھا' صرف اس کی ننھی ننھی چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔ کار درختوں سے ٹکراتی' شاخوں کو توڑتی اور چٹانوں سے رگڑے کھاتی ہوئی اچانک شعلوں میں لپٹ گئی...... لیکن عورت کو اتفاقاً ہی سہارا مل گیا...... وہ ایک درخت کے تنے سے ٹکرائی اور قریب ہی لہراتے ہوئے ایک خودرو پودے کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔

ایک ننھے سے پودے میں جان ہی کتنی ہوتی ہے کہ وہ ایک جوان عورت کا بوجھ

سنبھال سکے۔ پودا اپنی جڑ سے زمین چھوڑنے لگا۔ جڑ کے آس پاس کی مٹی بھربھرانے لگی۔ عورت نے دانت کچکچاتے ہوئے اپنے دوسرے ہاتھ کی انگلیوں کو مٹی میں کھبو دیا اور ادھرادھر پاؤں مارنے لگی۔ اسی وقت اس کے پاؤں کسی پتھر سے لگے۔ اور پھر پودے کے اکھڑتے اکھڑتے اسے ایک بڑے سے پتھر پر قدم جمانے کا موقع مل گیا۔

وہ تھوڑی دیر تک یونہی زمین سے چپکی پڑی رہی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا اور کان سن ہو گئے تھے۔ کپڑے پھٹ کر تار تار ہو گئے تھے۔ جسم کا جو بھی حصہ کپڑوں سے آزاد ہو گیا تھا۔ وہ زخموں اور خراشوں کی وجہ سے لہو میں بھیگ رہا تھا۔ چہرہ بھی خون سے تربتر ہوتا جا رہا تھا...... وہ آنکھیں کھولنا چاہتی تو رستا ہوا خون اس کی آنکھوں میں چلا آتا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد ان کے کان کچھ سننے کے قابل ہوئے۔ ہوا کا ہلکا ہلکا شور تھا' زخموں سے جلتے ہوء گرم جسم کو ٹھنڈی ہوائیں چھو کر گزر رہی تھیں' پھر اسے پرندوں کے چہچہانے کی آوازیں سنائی دیں' وہ آزاد پرندے گا رہے تھے' یا رو رہے تھے...... نہیں' رو رہے تھے۔ وہ یک بیک چونک گئی۔ ان پرندوں کے میٹھے سروں کے درمیان اسے اپنے بچے کے رونے کی آواز آ رہی تھی۔

"میرا بچہ......!" اس نے چیخ کر کہا۔ "میرا بچہ۔!"

پہاڑوں کے درمیان اس کی آواز ادھر س ادھر ٹکرانے لگی...... میرا بچہ...... بچہ...... چا...... چا...... چا......

اس نے آنکھوں پر سے لہو کو پونچھتے ہوئے آس پاس گھبرا کر دیکھا۔ بچے کی آواز اب بھی آ رہی تھی...... کیا وہ نیچے لڑھک گیا ہے؟

اس نے نیچے کی طرف دیکھا۔ دور نشیب کی طرف کار شعلوں میں لپٹی ہوئی تھی اور دھڑا دھڑ جل رہی تھی الٹی ہوئی کار کا ایک دروازہ کھلا ہوا تھا اور وہاں سے ایک مرد کا آدھا جسم باہر نکل آیا تھا۔

عورت نے ہذیانی انداز میں چیخ کر کہا۔

"سرتاج...... تاج...... تاج......" بازگشت گونجتی چلی گئی۔

اس کی آنکھوں کے سامنے اس کا سہاگ جل رہا تھا...... ابھی چند منٹ پہلے وہ اپنے

خاوند کے ساتھ کار میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے کاندھے سے سر ٹیکے پیار بھری باتیں کر رہی تھی۔ دونوں ہنس رہے تھے۔ خاوند نے ایک بڑی ہی گدگدانے والی بات اس سے کہی تھی۔ اس نے شرما کر اپنے محبوب کے بازو میں چٹکی لی تھی۔ اس چٹکی کے جواب میں اس کے محبوب نے اسے اپنے بازو میں سمیٹنا چاہا تھا۔ اس کے لیے ایک ہاتھ اسٹیرنگ سے اٹھا' اپنی محبوبہ کی طرف بڑھا...... لیکن پہاڑی راستے کو ان کا یہ بے وقت کا رومانس پسند نہ آیا...... اسٹیرنگ اچانک بے قابو ہو گیا تھا اور وہ دونوں جو ایک دوسرے کے قریب آ رہے تھے...... اب ایک دوسرے سے سینکڑوں گز کے فاصلے پر پڑے ہوئے تھے...... ایک موت کو گلے لگا چکا تھا اور دوسری اب تک اپنی زندگی کے لیے جدوجہد کر رہی تھی۔

بچے نے پھر رونا شروع کر دیا تھا۔

"کہاں ہے میرا لال......"

وہ دیوانہ وار چاروں طرف دیکھنے لگی۔ آواز پہاڑوں میں گونجتی ہو تو سمت کا پتہ چلانا دشوار ہو جاتا ہے۔

اس نے اپنی دائیں طرف دور دور تک دیکھا...... "نہیں' کوئی نہیں......!"

اس نے اپنی بائیں طرف پلٹ کر حد نظر تک دیکھا...... "نہیں کوئی نہیں......!"

پھر اس نے بلندی کی طرف دیکھا' جہاں سے وہ لڑھکتی ہوئی آئی تھی۔

"میرا بچہ!"

اس کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ کئی گز کی بلندی پر ایک درخت کی پتلی پتلی شاخیں ہتھیلی کی طرح پھیلی ہوئی تھیں اور سرسبز پتوں سے بھری ہوئی تھیں۔ ان شاداب پتوں کے بستر پر وہ بچہ پڑا ہوا تھا۔ ہوا کے جھونکے سے شاخیں ہچکولے کھا رہی تھیں اور بچے کو گود میں لیے اوپر نیچے جھول رہی تھیں۔

بچہ زندہ تھا لیکن محفوظ نہیں تھا۔ ابھی ہوا کی رفتار سست تھی مگر کوئی تیز جھونکا بھی آ سکتا ہے۔ جو پونجی ماں کے ہاتھوں سے نکل گئی تھی' اسے بے جان شاخیں کب تک سنبھال کر رکھ سکتی تھیں۔

وہ تڑپ کر اٹھی لیکن جسم کی چوٹ نے اسے پھر گرا دیا۔

"مم...... مم...... میں...... آ رہی ہوں' میرے لال......"

وہ زمین پر پڑی ہوئی بلندی کی طرف آہستہ آہستہ گھسٹنے لگی' ہاتھ پاؤں میں دم نہیں تھا۔ جسم میں برائے نام جان رہ گئی تھی لیکن ایک جذبہ اس کی زندگی کی لو کو بھڑکا رہا تھا۔ اسے اوپر اور اوپر کی جانب گھسٹنے پر مجبور کر رہا تھا۔

بچہ رو رہا تھا...... وہ ذرا اوپر کو اٹھی۔ پتھروں سے ٹکرا کر لڑھکتے رہنے کی وجہ سے سینے پر سب سے زیادہ چوٹ آئی تھی۔ اس وقت بھی بلندی کی طرف رینگتے ہوئے سینے پر زیادہ بوجھ پڑ رہا تھا۔ ذرا اور اوپر کو سرکتے ہوئے یک بیک اسے ابکائی سی آئی...... اور پھر اس کے منہ سے خون آنے لگا۔

اس نے بڑی حسرت سے آنکھیں پھیلا کر دیکھا۔ بچہ اس کی دسترس سے ابھی بہت دور تھا۔ وہ بے دم ہو کر گر پڑی اور اس کا سر ڈھلک گیا۔

وہ چت پڑی ہوئی تھی۔ اس کی بے نور پھیلی ہوئی آنکھیں بلندی کی طرف تھیں۔ جہاں بچہ رو رہا تھا اور اپنی معصوم چیخوں سے مدد کے لیے پکار رہا تھا' کون کہہ سکتا تھا کہ اس کے نصیب میں بھی زندگی ہے یا موت؟

لیکن موت اس کے سامنے آنے سے کترا رہی تھی۔ کوئی اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ چند گز کے فاصلے پر اس کی ماں کی لاش پڑی ہوئی تھی۔

وہ مرگئی تو کیا ہوا؟ اس کی کھلی ہوئی آنکھیں دو پہریداروں کی طرح اپنے بچے پر لگی ہوئی تھیں۔

آرزو نے کار سے اتر کر متلاشی نظروں سے دیکھا۔

ایئرپورٹ کی عمارت سے باہر آنے والے سبھی چہرے اس کے لیے اجنبی تھے۔ آنٹی عصمت کا چہرہ بھی ان اجنبی مسافروں کے درمیان گڈمڈ ہو کر رہ گیا تھا۔

کوٹھی سے چلتے وقت اسے یقین تھا کہ وہ اپنی آنٹی کو پہچان لے گی۔ بچپن میں دیکھا ہوا آنٹی کا دھندلا سا چہرہ اب بھی اس کے ذہن میں تھا۔ اس نے کئی بار اس دھندلے چہرے کو اپنے تصور میں مکمل کرنا چاہا اور ہر بار ایک نئے مکمل چہرے کو سامنے رکھ کر اسے مسافروں کے ہجوم میں تلاش کیا لیکن آنٹی عصمت نہ ملیں۔

مسافروں کی بھیڑ کم ہو رہی تھی۔ ایگزٹ کی ایک طرف ایک ادھیڑ عمر کی عورت کھڑی ہوئی کسی کا انتظار کر رہی تھی۔

"شاید یہی آنٹی ہیں......!" اس نے دل میں سوچا کہ چل کر پوچھنے میں کیا حرج ہے۔

لیکن پھر اس نے ارادہ بدل دیا۔ ایگزٹ کی دوسری طرف بھی ایک بوڑھی عورت ایک نوجوان لڑکے کے ساتھ کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے سے پریشانی عیاں تھی اور ہر آنے والی کار کو پرامید نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

ایک ایک کر کے تمام مسافر جا چکے تھے۔ وہ دو عورتیں رہ گئی تھیں اور ان میں سے ایک کے ساتھ نوجوان لڑکا کھڑا ہوا تھا۔

بچپن میں وہ آنٹی کے لڑکوں کے ساتھ ہنستی کھیلتی رہتی تھی۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ ان کے دو لڑکے تھے۔ روشن اور ارمان...... ارمان بہت شریر تھا اور ہمیشہ اسے ستایا کرتا تھا۔ وہ روتی' جھنجلاتی اور اکثر ارمان سے ناراض ہو جایا کرتی تھی لیکن پھر خود ہی اس

سے مل بیٹھنے کے لیے بے چین ہو جاتی۔ ارمان اسے اچھا لگتا تھا...... صرف اچھا ہی نہیں بلکہ بہت اچھا...... اتنا اچھا کہ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہوئے بھی اس نے بارہا اسے یاد کیا تھا۔

"آرزو نے اس بوڑھی عورت کے قریب کھڑے ہوئے نوجوان کو دیکھا۔

"کیا یہی ارمان ہے؟"

لیکن دل نے نہیں مانا۔ اسے ارمان کا بچپن یاد تھا لیکن اس کی جوانی کا کوئی خاکہ وہ اپنے ذہن میں نہ بنا سکی تھی۔ پھر بھی اس کے دل نے تسلیم نہیں کیا کہ وہ نوجوان ہی ارمان ہو سکتا ہے۔

تھوڑی دیر بعد اس ادھیڑ عمر کی عورت کے پاس ایک کار آ کر رکی۔ کار والے سے اس نے شکایت بھرے انداز میں کچھ کہا۔ پھر مسکراتی ہوئی کار میں بیٹھ کر چلی گئی۔

آرزو نے اطمینان کی سانس لی اور اس بوڑھی عورت کی طرف بڑھنے لگی۔ بوڑھی عورت نے بھی اسے اپنی طرف آتے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں بھی امید کی ہلکی سی چمک تھی۔

"آپ......!" آرزو پوچھتے ہوئے جھجکنے لگی لیکن بوڑھی خاتون نے پوری خود اعتمادی سے کہا۔

"تم آرزو ہو؟"

آرزو تڑپ کر آگے بڑھی اور "آنٹی" کہہ کر مسکراتی ہوئی گلے سے لگ گئی۔

"مجھے افسوس ہے آنٹی! کہ آپ کو پریشان ہونا پڑا۔"

عصمت نے اس کی پیٹھ پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"پریشانی کیسی...... تمہیں دیکھ کر ساری تھکن دور ہو گئی ہے۔ ہائے اللہ! کتنی بڑی ہو گئی۔ اب تو میرے کاندھے سے لگ جاتی ہو۔"

عصمت کے کاندھے پر سر رکھنے سے آرزو کے چہرے کا رخ نوجوان کی طرف ہو گیا تھا اور وہ مسکراتے ہوئے آرزو کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

"بھائی جان کی طبیعت کیسی ہے؟" عصمت نے پوچھا۔

آرزو نے عصمت کی بانہوں سے الگ ہو کر جواب دیا۔

"ڈیڈی ٹھیک ہیں۔ ڈاکٹر نے چلنے پھرنے سے منع کیا ہے۔ اس لیے میں آپ کو لینے آئی ہوں۔"

"تم نے اسے پہچانا۔" عصمت نے نوجوان کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ روشن ہے۔"

آرزو نے اسے دیکھا اور شرمیلی مسکراہٹ سے کہا۔

"آداب!"

روشن نے اس کی شرمیلی ادا سے محظوظ ہو کر کہا۔

"تسلیم۔"

"آیئے آنٹی......!" آرزو نے اس سے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

عصمت بڑے پیار سے آرزو کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھ گئی۔ روشن بھی آرزو کے شانہ بشانہ چلنے لگا۔

اس وقت تک ڈرائیور ان کا سامان ڈگی میں رکھوا چکا تھا۔ ان کے کار میں بیٹھنے کے بعد وہ بھی ڈرائیونگ سیٹ پر آیا...... اور کار اسٹارٹ کر دی۔

شہر کی بھری پری شاہراہوں سے گزرتی ہوئی کار ایک شاندار کوٹھی کے کمپاؤنڈ میں آ کر رک گئی۔ دو ملازم تیزی سے پورچ میں آئے۔ ایک نے آگے بڑھ کر کار کا دروازہ کھولا اور دوسرا ڈرائیور کے ساتھ ڈگی کی طرف چلا گیا۔

آرزو نے عصمت کو مخاطب کرتے ہوئے کہا

"ڈیڈی اوپر کے کمرے میں ہیں۔ آپ چلئے...... میں کمرے میں سامان رکھوا کر آتی ہوں۔"

عصمت ایک ملازم کے ساتھ کوٹھی کے اندر چلی گئی۔ روشن نے بھی ان کے ساتھ جانے کے لیے قدم بڑھایا لیکن پھر آرزو کی جانب دیکھ کر رک گیا۔

آرزو ڈگی سے سامان نکلوا رہی تھی اور ملازم کو ہدایت دے رہی تھی کہ سامان کون سے کمرے میں رکھا جائے گا۔ روشن نے اتنی دیر میں پہلی بار اسے بھرپور نظروں سے دیکھا۔

ہلکے گلابی رنگ کی ساڑھی میں وہ گلاب کی طرح کھلی ہوئی تھی۔

لانبی اور اجلی گردن پر سیاہ بالوں کا جوڑا سانپ کی طرح کنڈلی مارے بیٹھا تھا اور جوڑے میں ٹانکا ہوا ایک سفید پھول یوں لگ رہا تھا۔ جیسے کالی رات میں اچانک سورج طلوع ہو گیا ہو۔

"آپ نہیں گئے؟......" آرزو نے پلٹ کر روشن کو پوچھا۔

"وہ......!" روشن گڑبڑا گیا...... "آپ اکیلی ہیں نا...... میں نے سوچا آپ کا ہاتھ بٹا دوں۔"

"لائیے...... یہ بیگ مجھے دیجئے۔"

اس سے پہلے کہ آرزو انکار کرے۔ اس نے بیگ کے ہنڈل پر ہاتھ رکھ دیا۔

ہینڈل پر دونوں کے ہاتھ ایک دوسرے کے بالکل قریب تھے اور ایک دوسرے کو چھو رہے تھے۔

روشن کے ہاتھ میں ہلکی سی لرزش پیدا ہو گئی لیکن آرزو کا ہاتھ ہر قسم کے جذبہ سے عاری تھا۔ اس نے چپ چاپ مسکراتے ہوئے بیگ روشن کے حوالے کر دیا۔

عصمت اوپری برآمدے سے گزرتی ہوئی ایک کمرے کے دروازے پر آ کر رک گئی۔ دہلیز پر کھڑے ہو کر افضل کو دیکھا۔ جو ایک بیمار کی طرح بستر پر دراز تھا۔

افضل نے بھی سر اٹھا کر دیکھا۔ دونوں کی نگاہیں ملتے ہی ان کے چہروں سے محبت کے جذبات امڈنے لگے عصمت کی آنکھوں میں برسوں کی جدائی کا دکھ بھی تھا اور خوشی کے آنسو بھی۔ افضل نے اسے پیار سے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"عصمت!"

عصمت بے تابی سے دوڑتی ہوئی آئی "بھائی جان" کہہ کر اس سے لپٹ گئی۔

اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ افضل نے اپنے آنسوؤں کو ضبط کرتے ہوئے کہا۔ "پگلی...... رو کیوں رہی ہے؟"

عصمت نے سر اٹھا کر بھائی کو دیکھا اور شکایت بھرے لہجے میں کہا۔

"اپنی بدنصیبی پر رو رہی ہوں کہ ایک بھائی جیتے جی بچھڑ گیا تھا۔ آخر اب تک آپ کہاں چھپے رہے کہ اک خط سے بھی بہن کو یاد نہیں کیا؟"

افضل نے بہن کی شکایت پر سر جھکاتے ہوئے کہا۔

"میں نے عہد کیا تھا عصمت!...... کہ جب تک زندہ رہوں گا۔ گمنامی کی زندگی گزاروں گا...... تم تو جانتی ہو کہ خاندان والوں نے مجھے آوارہ اور بدچلن سمجھ کر نظروں سے گرا دیا تھا۔ میری بدنصیبی کہ میں اپنی شرافت کا یقین نہ دلا سکا...... لیکن عصمت! میں آج بھی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے کبھی کسی طوائف سے محبت نہیں کی اور نہ ہی اپنے خاندان کی عزت کو مٹی میں ملایا ہے......"

عصمت نے دلاسہ دینے کے انداز میں اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"مجھے آپ پر اعتماد ہے۔ بھائی جان! آپ کبھی ایسی نازیبا حرکت نہیں کر سکتے۔"

افضل نے بڑی حسرت سے کہا۔

"کاش کہ آرزو کی ماں بھی اسی طرح مجھ پر اعتماد کرتی لیکن اس نادان عورت نے غیروں کی باتوں پر اعتماد کیا اور اندر ہی اندر اس غم میں گھل کر مر گئی کہ میں بے وفا ہوں۔"

"پھر تم ہی کہو' میں اس خاندان میں رہ کر کیا کرتا۔ جہاں ہر شے نے مجھے ٹھکرا دیا اور بیوی نے مجھے بے وفا سمجھ کر جان دے دی۔"

عصمت نے جواب دینے کی بجائے اپنا سر جھکا لیا۔ افضل نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"ایسی ذلت اور بدنامی سے گمنامی بہتر ہوتی ہے۔ اسی لیے میں چھ سال کی آرزو کو لے کر یہاں چلا آیا تھا۔ تاکہ بیٹی بھی اپنی ماں کی طرح مجھے خطاوار نہ سمجھے۔"

عصمت نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"گزری ہوئی باتوں کو بھول جائیے جو ہونا تھا' وہ ہو چکا ہے'...... اب آپ کو اپنے لیے نہیں' آرزو کے لیے سوچنا چاہئے' ماشاء اللہ! اب وہ جوان ہو چکی ہے۔"

افضل نے ایک سنجیدہ سی مسکراہٹ سے کہا۔

"ہاں...... اسی لیے تو تمہیں یاد کیا ہے ایک باپ ہو کر میں جوان بیٹی کا اتنا خیال نہیں رکھ سکتا۔ جتنا کہ تم پھوپھی ہو کر اس کی دیکھ بھال کر سکتی ہو۔"

عصمت یقین دلانے کے انداز میں کہنے لگی

"میں آ گئی ہوں۔ اب آپ فکر نہ کریں۔ ایسی سعادت مند بیٹیاں نصیب والوں کو

ہی نصیب ہوتی ہیں۔"

افضل نے اپنی بیٹی کی تعریف پر مسکراتے ہوئے کہا۔

"وہ سعادت مند بھی ہے اور ذہین بھی...... اس سال اس نے ڈاکٹری کا امتحا
کرلیا ہے۔"

"اچھا......!" عصمت نے خوش ہو کر کہا۔

"میرا روشن بھی کچھ کم نہیں...... بزنس مین بن گیا ہے۔ لاکھوں کا کاروبار سنبھ
ہوئے ہے۔"

"کاروبار......؟" افضل نے تعجب سے کہا......

"وہ کاروباری کیسے بن گیا...... بچپن میں وہ ہمیشہ فلسفیوں کی طرح گم صم رہتا تھ
بھئی اسے تو پروفیسر بننا چاہیئے تھا۔"

"کمال ہے...... آپ بھی مجھے پروفیسر کہہ رہی ہیں۔"

روشن نے ہنستے ہوئے کہا...... وہ آرزو کے ساتھ ڈرائنگ روم سے گزر رہا
ایک ملازم اور ڈرائیور سامان اٹھائے ان کے قریب سے جا رہے تھے۔

آرزو نے روشن کی بات کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ "میں تو بچپن میں بھی آ
پروفیسر کہا کرتی تھی۔"

روشن نے اپنے لہجے میں مٹھاس گھولتے ہوئے کہا۔ "لیکن اب آپ کی زبان
یہ اچھا نہیں لگتا۔"

"وہ کیوں......؟" آرزو نے ذرا شوخی سے پوچھا۔

روشن اندازہ نہ لگا سکا کہ یہ شوخی آرزو کی فطرت میں شامل ہے یا روشن
سامنے اپنی شوخ مزاجی کا مظاہرہ کر رہی ہے۔

اس نے آرزو کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

"بچپن کی دل لگی اب دل کو لگتی ہے...... اب اپنوں کی طرح نام لے کر
چاہیئے۔ آپ مجھے روشن کہا کریں۔"

آروز نے مسکرا کر کہا۔ "اوں ہونہہ...... روشن نہیں، روشن صاحب۔"

روشن کا منہ لٹک گیا۔ اس نے آرزو کی جانب کن انکھیوں سے دیکھا جو اپنی عاد

کے مطابق مسکرا رہی تھی۔ وہ سمجھ گیا کہ اتنی جلدی بے تکلفی ناممکن ہے۔

اس نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "چلیئے یہی سہی...... نام آتے آتے ہی زبان
پر آتے ہیں۔"

آرزو نے مسکراتے ہوئے ڈرائنگ روم کے زینے پر قدم رکھا اور زینے طے کرتی
ہوئی کہنے لگی۔ "بات بنانا آپ خوب جانتے ہیں۔"

روشن نے اسے اوپر کی طرف جاتے ہوئے دیکھا۔ پھر خود بھی زینے پر قدم رکھتے
ہوئے معنی خیز انداز میں کہا۔ "بات بنتی ہو تو ضرور بنانی چاہیئے۔"

وہ دونوں اوپر برآمدہ طے کرتے ہوئے افضل اور عصمت کی طرف جا رہے تھے۔
لیکن دروازے کے قریب آرزو ان کی باتیں سنتے ہی ٹھٹھک گئی...... اسے آنٹی عصمت کی
آواز سنائی دے رہی تھی۔

"بھائی جان! آپ کچھ عرصہ کی بات کہہ رہے ہیں۔ میں تو آرزو کو ہمیشہ اپنی بیٹی بنا
کر رکھنا چاہتی ہوں۔"

آرزو نے دروازے کے ایک پٹ سے جھانک کر دیکھا۔ اس کے ڈیڈی ہنس رہے
تھے۔ پھر انہوں نے کہا۔ "میں تمہارا اشارہ سمجھ گیا ہوں عصمت!...... تم بیٹوں کی ماں ہو
نا!...... اس لیے تمہیں بہو کا ارمان زیادہ ہے۔"

آرزو نے اتنا سنتے ہی گھبرا کر روشن کو دیکھا۔ پھر مارے گھبراہٹ کے اپنا ڈوپٹہ
سنبھالتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ روشن کے لبوں پر امید بھری مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔
اس نے ایک گہری سانس لے کر اپنی امی کی طرف دیکھا۔

وہ کہہ رہی تھیں۔ "بیٹی ہو یا بہو...... لڑکی کے بغیر گھر ویران لگتا ہے۔"

"لیکن یہ تو بتاؤ۔ تم نے کس بیٹے کے لیے بہو پسند کی ہے......؟" افضل نے
مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"میرے تو دو ہی بیٹے ہیں۔ روشن اور ارمان...... اب آرزو جسے پسند کرے۔"

روشن کی مسکراہٹ اچانک غائب ہو گئی۔ اس کی امی نے اپنی طرف سے کوئی
فیصلہ نہیں سنایا تھا۔ انہیں تو بس ایک بہو کا ارمان تھا۔ جہاں جاتی تھیں وہاں لڑکیاں پسند
کرنے بیٹھ جاتی تھیں لیکن ان دنوں روشن ازدواجی زندگی کی پابندیوں سے آزاد رہنا چاہتا

تھا۔ اسی لیے وہ ماں کی ہر پسند کو ٹال دیا کرتا تھا۔ رہ گیا ارمان تو اسے اپنی شرارتوں سے ہی فرصت نہیں تھی۔ وہ شادی کے متعلق کیا سوچتا اس لیے عصمت کے دل کے ارمان اب تک دل ہی میں رہے تھے۔ لیکن آج بیس سال کے بعد وہ اپنے بھائی سے ملنے آئی تو اپنی تعلیم یافتہ بھتیجی کو دیکھتے ہی ریجھ گئی تھی۔ یہ بھی نہ سوچا کہ بھائی سے پہلی ملاقات ہے۔ بس دیکھتے ہی دیکھتے رشتے کی بات چھیڑ دی۔

ویسے ماں کی یہ جلد بازی روشن کو اچھی لگی۔ آرزو خوبصورت تھی، تعلیم یافتہ تھی اور سب سے بڑی بات یہ کہ دولت مند باپ کی بیٹی تھی۔ روشن کو تو وہ بہت پسند آئی تھی لیکن اس لڑکی کی پسند کیا ہو گی؟

روشن کے ماتھے پر سوچ کی گہری شکنیں پھیل گئیں۔ ارمان اس کا بھائی تھا لیکن اس وقت اس کی نظر میں کوئی رشتہ نہ تھا۔ صرف ایک جوڑے کا پھول تھا جو اس کے تصور میں مہک رہا تھا اور آرزو کی مسکراہٹ کی طرح کھل رہا تھا۔

آرزو بڑی بے چینی سے کبھی رسٹ واچ پر نظر ڈال رہی تھی۔ کبھی ریڈیو کی طرف دیکھ رہی تھی۔

ریڈیو سے دھیمی دھیمی موسیقی کی آواز ابھر رہی تھی۔

اس نے روشن کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "ہائے اللہ! مجھے تو یقین نہیں آتا کہ ارمان صاحب اتنے اچھے گلوکار ہیں۔ میں نے کئی بار ان کے گیتوں کو سنا ہے...... اچھا، آج دیکھیں کہ کون سا گیت گاتے ہیں۔"

"وہی پرانا راگ الاپے گا......" روشن نے بے دلی سے کہا۔

"آپ بھی کیا ریڈیو کھول کر بیٹھ گئی ہیں۔ چلئے کہیں تفریح کے لیے چلتے ہیں۔"

"نہیں میں تو گیت سنوں گی۔"

"تو...... تمہیں ارمان کے گیتوں سے دلچسپی ہے......" اس نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

"پہلے تو نہیں تھی لیکن اب دلچسپی پیدا ہو گئی ہے......" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"دلچسپی کی کوئی خاص وجہ......؟" اس نے ڈوبے ہوئے دل سے پوچھا۔

"پہلے تو انہیں اجنبی سمجھ کر گیت سنا کرتی تھی لیکن اب تو وہ اپنوں میں ہیں۔ اب ان کے گیتوں سے دلچسپی اس لیے بڑھ گئی ہے کہ اپنوں کی ہر چیز اپنی ہی لگتی ہے۔"

"اپنوں سے کیا مراد ہے آپ کی؟......" اس کے لہجے میں مایوسی تھی۔

آرزو نے حیرت سے پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا۔ "آپ اپنوں کا مطلب نہیں سمجھتے...... کمال ہے! اپنوں کا مطلب اپنے عزیز، رشتے دار وغیرہ......"

وہ قہقہہ لگانے لگی...... "ایک لفظ کے کتنے ہی معنی ہوتے ہیں اور ہر انسان اپنے اپنے نظریئے اور مقصد کے مطابق اس لفظ کو سنتا اور سمجھتا ہے۔"

روشن نے اطمینان کی سانس لی۔ آرزو نے ارمان کو "اپنا" ضرور کہا تھا لیکن یہ لفظ روشن کے سستے خیال کی طرح سستا نہیں تھا۔

اسی وقت ریڈیو سے ابھرنے والی موسیقی ختم ہو گئی۔

اس کے ساتھ ہی اناؤنسر کی آواز سنائی دی۔ "ابھی ہدایت علی وائلن نواز آپ کو ایک دھن سنا رہے تھے۔ اب ہمارے ملک کے نوجوان گلوکار ارمان علی ایک گیت پیش کر رہے ہیں......"

آرزو سنبھل کر بیٹھ گئی۔

اناؤنسر کہہ رہا تھا۔ "ارمان علی نے اس گیت کو اپنے بچپن کی خوبصورت یادوں سے منسوب کیا ہے سماعت فرمائیں!"

اس نے ریڈیو کی جانب دیکھا ارمان کی گنگناہٹ یوں ہولے ہولے ابھر رہی تھی۔ جیسے کوئی بے داغ سفید بگلا ندی کی سطح کو چھو کر آہستہ آہستہ اونچی پرواز کرتا ہے۔ گنگناہٹ کی لے اونچی اور اونچی ہوتی جا رہی تھی۔ گیت کے بول آرزو کو پکار رہے تھے۔

"میں نے تجھے پھر یاد کیا ہے
آج ذہن کے دریچے سے
تیرے بچپن کی ایک تصویر جھانک رہی ہے
تو جو بچپن میں
ایک دبلی پتلی اور نازک اندام سی لڑکی تھی
کیا آج بھی ایسی ہی ہے؟
نہیں......!
عمر رفتہ میرے کانوں میں کہہ رہی ہے
کہ...... تو ایک نئے روپ میں ڈھل گئی ہے
وقت نے ایک جوہری کی طرح
تجھے لمحہ لمحہ تراش کر نکھارا ہے

بہاریں ہر سال
تیرے جسم کے لیے خوشبوؤں کا خزانہ لے کر آتی ہیں
تو شاعر کے ذہن سے اٹھنے والی ایک انگڑائی ہے
جسے میں اپنے سر اور تان سے بجا رہا ہوں"

آرزو گردن جھکائے شرما رہی تھی اور اپنے دوپٹے کے آنچل کو بل دے رہی تھی۔ روشن اس کی ایک ایک ادا کو دیکھ رہا تھا کوئی اور وقت ہوتا تو وہ اس کی ہر ادا سے محظوظ ہوتا...... لیکن یہ خیال اسے کانٹے کی طرح کھٹک رہا تھا کہ آرزو کی یہ نسائیت اور نسائیت کی ساری لطافت' ارمان کے گیت کی رہین منت ہے۔

آرزو کو اس وقت روشن کی موجودگی کا احساس نہ تھا۔ اس وقت وہ اپنے خیالوں کی جنت میں اکیلی تھی اور وہ اپنے بچپن کی طرف بھٹک رہی تھی اس نے عالم تصور میں دیکھا کہ وہ ایک ننھی سی لڑکی ہے اور ایک شریر لڑکا اسے چھیڑ رہا تھا۔ وہ روٹھ کر منہ پھیر لیتی ہے اور اس سے دور جانا چاہتی ہے۔ لڑکا اس کی چوٹی پکڑ کر کھینچتا ہے۔

آرزو نے چونک کر ریڈیو کی طرف دیکھا۔ ارمان اپنے گیت میں وہی واقعہ دہرا رہا تھا۔

"بچپن کی دل گی' اب دل کی لگی بن گئی ہے
تیری وہ ننھی سی چوٹی
جسے میں نے شرارت سے تھام لیا تھا
آج وہ پیار کی زنجیر بن گئی ہے
تو اپنی ریشمی زلفوں کو سمیٹ کر
ایک جوڑا بنا لے
اور میرا انتظار کر
اس جوڑے میں محبت کا ایک پھول ٹانکنے کے لیے
میں آ رہا ہوں"

آرزو کی آنکھوں میں خواب گہرے ہوتے جا رہے تھے۔ وہ ہولے ہولے مسکرا رہی تھی...... اسے یاد آ رہا تھا...... بچپن میں اپنی امی کا جوڑا دیکھ کر اس نے کئی بار ارمان

سے کہا تھا کہ جب میں بڑی ہو جاؤں گی...... میرے بال امی کے جیتے بڑے ہو جائیں گے تو میں بھی ایک خوبصورت سا جوڑا بناؤں گی۔

ارمان کو شاید اب تک یہ بات یاد تھی۔ وہ گیت کی زبان سے آرزو کو یاد دلا رہا تھا...... آرزو کے ہاتھ آہستہ آہستہ اپنے جوڑے کی طرف گئے۔ وہاں ایک سفید خوبصورت سا پھول لگا ہوا تھا جو روشن کو بہت اچھا لگ رہا تھا۔

آرزو نے اس پھول کو جوڑے سے نوچ کر لاپرواہی میں ایک طرف اچھال دیا۔ اس کی کوئی وقعت نہ رہی تھی...... لیکن نہ پھول اچھل کر اتفاق سے روشن کی گود میں جا گرا۔

روشن نے چونک کر دھڑکتے دل سے دیکھا۔ آرزو ریڈیو کی جانب رخ کیے بیٹھی تھی۔ اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں اور وہ آپ ہی آپ شرمائے جا رہی تھی۔ روشن نے اس پھول کو ایک خاموش پیغام سمجھ کر اپنے ہونٹوں سے لگا لیا۔

لیکن آرزو کسی کے وعدے کو یاد کر رہی تھی...... کوئی آئے گا اور اس کے جوڑے میں پھول سجائے گا۔

آرزو کا جوڑا خالی تھا کسی کے انتظار میں......

ارمان سنگرس بوتھ سے نکل کر باہر آیا اور اپنے دوست ثامی کو تلاش کرنے لگا۔ کاریڈور میں کھڑے ہوئے کئی مرد اور عورتیں اس گلوکار کو تعریفی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

وہ بڑی بے نیازی سے مسکرا رہا تھا۔ اس کے چہرے سے کھلنڈرے پن کا اظہار ہوتا تھا لیکن آنکھوں میں ایک گہری سنجیدگی تھی۔ لانبا قد اور کھلتا ہوا رنگ...... شخصیت میں ایسی مردانگی تھی کہ خواہ مخواہ نظریں اس طرف اٹھ جاتی تھیں۔

کاریڈور کے آخری سرے پر ثامی ایک لڑکی سے باتیں کرتا نظر آ رہا تھا۔ ارمان آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کی پشت پر پہنچ گیا۔

وہ لڑکی سے کہہ رہا تھا۔ "اب آپ اچھی طرح سمجھ گئی ہوں گی کہ ارمان' بس نام کا گلوکار ہے اصل میں' میں اس کا استاد ہوں۔"

ثامی نوجوان تھا اور تقریباً ارمان کا ہم عمر تھا۔ لڑکی کو یقین نہیں آیا کہ وہ ارمان کا

استاد ہو سکتا ہے۔

اس نے حیرت سے پوچھا۔ "آپ استاد ہیں؟"

"جی ہاں......" ثامی نے کہا۔

"لایئے ارمان کی بجائے میں آپ کو آٹوگراف دیتا ہوں۔"

"نہیں...... اگر آپ استاد ہیں تو یہ بتایئے کہ سنگیت میں کتنے سر ہوتے ہیں؟"

"جی!...... سنگیت کوئی بٹنے کا حساب تو نہیں ہے کہ سر گنے جائیں...... آپ اتنا بھی نہیں جانتیں کہ سر سلامت ہو تو سر ہزار بن سکتے ہیں...... لایئے آٹوگراف بک' آپ بھی کیا یاد کریں گی کہ کسی استاد نے آٹوگراف دیا تھا۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے آٹوگراف کی جانب ہاتھ بڑھایا۔ لیکن اس سے پہلے ہی ارمان نے اسے اچک لیا اور اس پر اپنے دستخط کرنے لگا۔

لڑکی نے ارمان کو گہری دلچسپی سے دیکھا۔ پھر اس کا شکریہ ادا کرتی ہوئی اپنی آٹوگراف بک لے کر چلی گئی۔

ارمان نے ثامی کی پیٹھ پر ایک دھپ جماتے ہوئے کہا۔ "چلو!"

وہ آگے بڑھ گیا۔ ارمان نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر چلتے ہوئے پوچھا۔ "لڑکی سے کیا باتیں ہو رہی تھیں؟"

"ارے یار! ان لڑکیوں کا کیا پوچھتے ہو......" اس نے شیخی بگھارتے ہوئے کہا۔ "اسی لیے تو میں تمہاری طرح فن کار نہیں بنتا۔ خواہ مخواہ پیچھے پڑ جاتی ہیں کہ آٹوگراف دو۔ میں نے اس سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔"

ارمان نے اس کی شیخی پر دل کھول کر قہقہہ لگایا۔

ریڈیو اسٹیشن کی عمارت کے باہر ارمان کی کار کھڑی ہوئی تھی۔ اس سے تھوڑے سے فاصلے پر ایک لڑکی کھڑی ہوئی ٹیکسی کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے گزرتی ہوئی ٹیکسی کو آواز دی لیکن ٹیکسی فراٹے بھرتی ہوئی چلی گئی۔

ثامی نے اپنے شانے پر سے ارمان کا ہاتھ ہٹایا اور بڑی شان بے نیازی سے لڑکی کی طرف بڑھ گیا۔

"مس...... آپ کہاں جائیں گی؟"

"جہنم میں.......!" لڑکی نے غصے سے کہا۔

ثامی نے سرخم کرتے ہوئے جواب دیا۔ "ٹھیک ہے۔ آپ راستہ بتائیے۔ میں ا مرسڈیز میں پہنچادوں گا۔"

"اوہ.......!" لڑکی نے اچانک اپنا رویہ بدل کر خوشی سے کہا۔ "آپ کے پاس ہے۔ آپ نے پہلے کیوں نہیں کہا۔ میں مری روڈ جاؤں گی۔"

"چلئے....... مری روڈ ہی سہی....... جہنم کی طرف پھر کسی دن چلیں گے۔"

ارمان نے ثامی کو پیچھے سے اپنی طرف کھینچتے ہوئے لڑکی سے کہا۔ "معاف کے محترمہ! ہم ایئرپورٹ جارہے ہیں۔"

وہ ثامی کو کھینچتا ہوا کار کے قریب لایا اور دروازہ کھول کر اسے اندر دھکیل دیا۔

ثامی نے جھنجلا کر کہا۔ "یار....... ایئرپورٹ جاکر کیا کریں گے۔ کسی ملازم کو بھ دینا' وہ ٹکٹ لے آئے گا۔"

"نہیں.......!" ارمان نے کہا۔ "ہم خود جاکر ٹکٹ لیں گے۔"

ثامی نے حسرت بھری نظروں سے لڑکی کی جانب دیکھ کر ارمان سے کہا۔ "مگر یار!...... وہ بے چاری بغیر ٹکٹ رہ گئی ہے۔"

ارمان اسے جواب دینے کی بجائے ڈرائیونگ سیٹ کی جانب چلاگیا۔

اسی وقت ایک پریس فوٹوگرافر تیزی سے دوڑتا ہوا آیا اور ارمان سے کہا۔ "پلیز...... ون اسناپ!"

ارمان پوز بنا کر کھڑا ہو گیا۔

فوٹوگرافر نے اپارچر سیٹ کر کے بٹن دبا دیا۔ کیمرے سے کلک کی آواز پیدا ہوئی اور فلیش بلب نگاہوں کے سامنے بجلی کی طرح کوند گیا۔

یکے بعد دیگرے کئی فلیش بلب بجلی کی طرح کوند رہے تھے اور ان کی تیز روشنی آرزو کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔

وہ لیڈی ڈاکٹروں کی طرح سفید کوٹ پہنے اور ہاتھوں میں اسٹیتھسکوپ لیے کھڑی ہوئی مسکرا رہی تھی۔ اس کے آس پاس پریس رپورٹرز اور فوٹوگرافرز کھڑے ہوئے مختلف سوالات کر رہے تھے۔

"ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے اِس پیشے کے متعلق آپ کے کیا جذبات ہیں؟" ایک صحافی نے سوال کیا۔

"بڑے ہی نیک جذبات ہیں......" آرزو نے مسکرا کر کہا۔

"ایک باوقار پیشہ ہے' یہ پیشہ ہمیں دوسروں کے کام آنا سکھاتا ہے۔ ہم ایک ماں کی طرح آدھی رات کو بھی اٹھ کر اپنے مریض کے پاس پہنچ جاتے ہیں۔ جس طرح سپاہی اپنے لیے نہیں اپنے وطن کی سلامتی کے لیے لڑتے ہیں۔ اسی طرح ہم بھی زندگی بھر دوسروں کی بیماریوں سے لڑتے رہتے ہیں۔ ان بیماریوں کا سدباب کرتے ہیں اور بیماروں کو صحت مند زندگی کا تحفہ دیتے ہیں؟"

"آپ اپنے ملک کے ڈاکٹروں کو کوئی پیغام دینا چاہتی ہیں......؟" ایک اخبار کے رپورٹر نے پوچھا۔

"میں اس پریس کانفرنس میں تمام ڈاکٹروں سے نہیں' صرف ان ڈاکٹروں سے اپیل کرنا چاہتی ہوں جو اپنے وطن کو چھوڑ کر دوسرے ملکوں میں پریکٹس کرتے ہیں...... ہمارے ہاں لاکھوں غریبوں کو علاج کی سہولتیں حاصل نہیں ہیں۔ ڈاکٹروں کا فرض ہے کہ ملک سے باہر جاکر اپنی صلاحیتوں کو آزمانے کی بجائے وہ اپنے عوام کی خدمت کریں۔ ہمیں دوسرے ملکوں میں ان ہاتھوں کا سودا نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ یہ ہاتھ اپنی ہی قوم کے زخموں پر مرہم رکھتے ہیں۔"

"آپ کہاں پریکٹس کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں؟"

"میں نے حکومت سے درخواست کی ہے کہ مجھے کسی ایسے علاقے میں کام کرنے کا موقع دیا جائے جہاں علاج اور دواؤں کی سہولتیں میسر نہیں ہوتیں۔ تاکہ میں وہاں مجبور لوگوں کے کام آسکوں۔"

"بہت نیک خیالات ہیں آپ کے...... ویسے اکثر دیکھا گیا ہے کہ شادی کے بعد لیڈی ڈاکٹر اپنے پیشے سے کم اور ازدواجی زندگی میں زیادہ دلچسپی لیتی ہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے؟"

"پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔ آپ ہر لیڈی ڈاکٹر کے متعلق ایسی رائے قائم نہیں کر سکتے۔"

"آپ کا اپنی شادی کے متعلق کیا خیال ہے؟"

آرزو نے چونک کر اس صحافی کی طرف دیکھا اور پھر شرما کر رہ گئی...... سوال ہی ایسا نازک سا تھا کہ اس کی قینچی کی طرح چلتی ہوئی زبان اچانک رک گئی۔ وہ محض ایک لیڈی ڈاکٹر نہیں تھی جو مریضوں کی دکھ بیماریوں کے درمیان گھری رہتی ہے۔ وہ ایک کنواری لڑکی بھی تھی۔ جسے کسی نہ کسی وقت کوئی نازک سا جذبہ چھیڑ سکتا تھا۔

"آپ کیسے صحافی ہیں؟......" اس نے دل ہی دل میں کہا۔

"اتنا بھی نہیں جانتے کہ شادی کے متعلق کچھ کہتے ہوئے زبان لڑکیوں کا ساتھ نہیں دیتی۔ اسی لیے ہم اپنی اداؤں اور اشاروں سے دل کی بات سمجھا دیتی ہیں۔ اگر اب بھی نہیں سمجھے تو ٹھہر جائیے...... ذرا صبر کیجئے میرا جوڑا ابھی خالی ہے...... جب اس جوڑے میں کسی کے ہاتھوں کا لگایا ہوا پھول مہکے گا تو آپ کو...... آپ کے سوال کا جواب مل جائے گا۔"

لیکن آرزو نے زبان سے یہ نہ کہا۔ بلکہ عام لڑکیوں کی طرح روایتی انداز میں ہولے سے جواب دیا۔ "شادی کے متعلق ابھی میں نے سنجیدگی سے غور نہیں کیا ہے۔"

"یار تعجب ہے۔ اتنی خوبصورت لڑکی ہے اور کہتی ہے کہ شادی کے متعلق ابھی سنجیدگی سے غور نہیں کیا ہے۔"

ثامی نے اخبار میں چھپی ہوئی آرزو کی تصویر دیکھتے ہوئے ارمان سے کہا۔

وہ دونوں ابھی ابھی کراچی آئے تھے اور ائیرپورٹ کے بک سٹال پر کھڑے ہوئے تھے۔ ثامی اخبار دیکھ رہا تھا اور ارمان کتابوں کے ڈھیر میں کوئی اچھا سا ناول تلاش کر رہا تھا۔

اس نے ثامی سے کہا۔ "تمہیں تو سیاسی اخبار میں بھی لڑکیاں نظر آتی ہیں۔ کبھی کسی دوسرے موضوع پر بھی گفتگو کر لیا کرو۔"

"لیکن ارمان! یہ لڑکیاں سیاستدان سے کم نہیں ہوتیں...... خوبصورت ہو کر شادی نہ کرنا بھی ان لڑکیوں کی ایک سیاست ہے۔"

ارمان نے ہنستے ہوئے کہا۔ "سیاست نہیں بلکہ کہیں سے رشتہ نہیں آیا ہو گا۔ اسی لیے شادی نہیں کی۔"

"یار ایسی بات نہ کہو۔ ذرا اس کی تصویر تو دیکھو......" ثامی نے اس کی طرف اخبار بھاتے ہوئے کہا......

"اتنا حسین مکھڑا دیکھ کر تم خود ہی اپنا رشتہ بھیجنے پر مجبور ہو جاؤ گے۔"

ارمان نے تصویر دیکھے بغیر اخبار کو ایک طرف ہٹاتے ہوئے کہا۔ "چھوڑو بھی...... یسے حسین مکھڑے بہت دیکھے ہیں۔"

ثامی نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "اچھی بات ہے۔ میں ہی اپنا رشتہ بھیج دیتا وں۔ پتہ اس میں لکھا ہی ہو گا۔"

اس نے بلند آواز سے پڑھنا شروع کر دیا۔ "ایم۔ بی۔ بی ایس میں اول آنے والی س آرزو نہار، افضل حسین کی صاحبزادی ہیں انہوں نے......"

"کیا کہا......؟" ارمان نے چونک کر پوچھا۔

"آرزو نہار افضل حسین کی صاحبزادی؟"

اس نے ثامی کے ہاتھ سے اخبار جھپٹ لیا اور پوری توجہ سے پڑھنے لگا۔ اس کے ہرے پر حیرت اور خوشی کا اظہار مکس ہو رہا تھا۔

ثامی نے لہک کر کہا۔ "کیوں برخوردار...... میں نہ کہتا تھا کہ دیکھتے ہی پگھل جاؤ گے۔"

ارمان اس کی بات کا جواب کیا دیتا۔ وہ تو ماضی کی خوبصورت یادوں میں گم ہو گیا تھا...... افضل حسین اس کے ماموں کا نام تھا اور آرزو...... اس کی آرزو...... اس کے بچپن ی آرزو، اس کے سامنے مجسم بہار بن کر تصویر میں مسکرا رہی تھی۔ ارمان کو اپنے ماموں افضل حسین کا چہرہ یاد نہیں تھا...... بچپن کی آرزو کا کھلتا ہوا چہرہ بھی اس کے لیے اجنبی سا لگ رہا تھا۔ لیکن اس کا دل کہہ رہا تھا کہ یہ وہی آرزو ہے جسے وہ کبھی بھلا نہ سکا اور جس کے خیالی مجسمے تراش کر اس کے گیت گاتا رہا۔

اس کی نگاہوں کے سامنے آرزو کی تصویر تھی اور اس کے چہرے کے سامنے اخبار پھیلا ہوا تھا۔ پھر اخبار تھامنے والے ہاتھ آہستہ آہستہ جھکے۔ اس کے سامنے پھر وہی ائیرپورٹ نظر آنے لگا۔

لیکن وہ چونک پڑا...... دور اخبار کے افق سے دو لڑکیاں ہنستی کھلکھلاتی ہوئی آ

رہی تھیں اور دفترِ معلومات کی جانب بڑھ رہی تھیں۔

"اے یہی تو ہے وہ......!" ٹامی نے اچھل کر کہا۔

ارمان نے بھی حیرت سے دیکھا اور اس کی زبان سے بے اختیار نکل گیا......
"آرزو!"

ٹامی نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "گئے کام سے۔"

"یار مذاق نہ کرو......" ارمان نے کہا۔

"یہ وہی لڑکی ہے۔"

"میں نے کب کہا ہے کہ یہ وہ نہیں ہے؟"

"اوہو...... تم سمجھتے کیوں نہیں۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ وہ آرزو ہے جو بچپن میں میرے ساتھ کھیلا کرتی تھی۔ میں نے تمہیں بتایا تھا نا! کہ میری ایک کزن ہے جسے بچپن میں بہت چھیڑا کرتا تھا۔"

"اب پھر کہیں چھیڑ چھاڑ شروع نہ کر دینا۔ پتہ نہیں کون ہے۔ تصویر دیکھ کر تو پہچان نہ سکے اب جیتی جاگتی تصویر دیکھ کر کزن بنانے پر تل گئے ہو۔"

"یار میرا دل کہتا ہے کہ یہ وہی آرزو ہے۔ دیکھو نا اخبار میں اس کے باپ کا نام افضل حسین لکھا ہے۔"

"یعنی جتنے کالے' اتنے ہی میرے باپ کے سالے...... جتنی لڑکیوں کے باپ کا نام افضل حسین ہوگا۔ اتنی ہی لڑکیاں تمہاری کزن بنتی جائیں گی؟"

"اوہ میں تمہیں کیسے سمجھاؤں...... اچھا' ایسا کرو ہم اس کے پاس چل کر اپنا تعارف کراتے ہیں۔"

"آہا......!" ٹامی نے خوش ہو کر کہا۔

"لڑکیوں سے دوستی کرنے میں تو میں ماسٹر ہوں۔ آؤ میں تمہارا تعارف کراتا ہوں۔"

وہ دونوں آگے بڑھ گئے۔ لڑکیاں دفترِ معلومات سے باہر آ رہی تھیں۔

ٹامی نے ارمان سے کہا۔ "تم یہیں ٹھہرو...... میں پہلے مل کر تمہارے لیے راستہ ہموار کرتا ہوں۔"

ارمان وہیں ایک دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ ٹامی آگے بڑھ کر لڑکیوں کے قریب گیا اور ان کی طرف اخبار کو اس طرح بڑھایا جیسے اخبار کے ذریعے متعارف ہونا چاہتا ہو۔ دونوں لڑکیاں ہنسنے اور باتیں کرنے میں اس قدر مصروف تھیں کہ انہوں نے ٹامی کی اس حرکت کا نوٹس ہی نہیں لیا اور تیزی سے چلتی ہوئی اس دیوار کے موڑ پر آ کر کھڑی ہو گئیں۔ جس کی دوسری جانب ارمان کھڑا ہوا تھا۔

"بہت دیر ہو گئی ہے ناہید!...... میں ڈیڈی سے اجازت لے کر نہیں آئی ہوں۔ تم ذرا ٹھہرو۔ میں فون کر دوں۔ ان سے کوئی بہانہ تو کرنا ہی ہو گا۔"

یہ کہہ کر آرزو سامنے ایک ٹیلیفون بوتھ کے اندر چلی گئی۔

ارمان اس کی باتیں سن چکا تھا۔ وہ بھی بوتھ کے قریب چلا گیا۔

آرزو کی سہیلی کو تنہا دیکھ کر ٹامی اس کے قریب آ گیا اور اس سے پوچھنے لگا۔

"آپ اکیلی ہیں؟"

"جی...... میری تنہائی سے کیا آپ کو تکلیف پہنچ رہی ہے۔"

"جی نہیں...... میں دراصل یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ آپ کی وہ سہیلی ہیں نا...... ڈاکٹر آرزو نہار......"

لڑکی نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا۔ "اس کے متعلق اخبارات میں بہت کچھ شائع ہو چکا ہے۔ آپ اور کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟"

"میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔"

ڈاکٹر سے ایئرپورٹ پر نہیں' ہسپتال میں ملا جاتا ہے۔ بشرطیکہ ملنے والا بیمار ہو۔"

"جی ہاں' جی ہاں......" ٹامی نے گڑبڑا کر کہا......

"میں ان سے اس لیے ملنا چاہتا ہوں کہ میں ان کا...... یعنی کہ وہ میری کزن ہیں۔"

"اگر آپ کزن ہیں تو ملنے میں جھجک کیسی؟......" لڑکی نے حیرت سے پوچھا۔

"ڈاکٹر آرزو مجھے صورت سے نہیں پہچانتی ہیں۔ شاید نام سے پہچان لیں۔"

"اچھا...... تو پھر آیئے میرے ساتھ۔"

ٹامی اس کے ساتھ چلنے لگا۔ اسی وقت آرزو ٹیلیفون بوتھ سے باہر آئی۔ ارمان نے

آگے بڑھ کر کچھ کہنا چاہا۔

لیکن اس سے پہلے ہی لڑکی نے پکار کر کہا۔

"آرزو...... ان سے ملو۔ یہ تمہارے کزن ہیں۔"

ارمان نے حیرت سے ثامی کو دیکھا کہ وہ آرزو کا کزن کیسے بن گیا۔

ثامی نے بھی ایک شان بے نیازی سے ارمان کو دیکھا اور آرزو سے مخاطب ہو کر بولا۔ "میرا نام ارمان علی ہے۔ میں آپ کی آنٹی عصمت کا لڑکا ہوں۔"

آرزو کے چہرے پر سے ایک رنگ آ کر گزر گیا۔ وہ کچھ اداس سی ہو گئی۔ وہ ارمان اس کے آئیڈیل سے بالکل مختلف تھا۔ اس نے ارمان کے متعلق کیسے کیسے خاکے بنائے تھے لیکن سب کے سب خاک ہو گئے تھے۔

ارمان نے ثامی کی شرارت پر مسکراتے ہوئے آرزو کو دیکھا۔

اس نے محسوس کیا تھا کہ ارمان کا نام سن کر پہلے آرزو مسکرائی تھی۔ لیکن پھر ثامی کا سراپا دیکھ کر کچھ مایوس سی ہو گئی تھی...... بالکل وہی بچپن والی آرزو تھی۔ ذرا سی دیر میں خوش ہو جاتی تھی اور ذرا سی دیر میں اداس ہو جاتی تھی۔ ارمان کو اداسی قطعی پسند نہ تھی۔ اس لیے وہ اکثر اسے چھیڑا کرتا تھا۔ اس وقت بھی آرزو کو اداس دیکھ کر ارمان کی رگ شرارت پھڑک اٹھی۔

اس نے ایک نظر آرزو پر ڈالی اور ٹیلیفون بوتھ کے اندر چلا گیا۔

ادھر ثامی دونوں لڑکیوں سے بے تکلف ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسی وقت پیچھے سے انہیں ارمان کی آواز سنائی دی۔

وہ کسی سے فون پر کہہ رہا تھا۔ "ہیلو...... جی ہاں...... ابھی آپ کی صاحبزادی نے جو فون کیا تھا نا...... وہ سو فی صد بہانہ تھا۔"

آرزو اور اس کی سہیلی نے گھبرا کر دیکھا۔ ٹیلیفون بوتھ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔

اور اس کے اندر ایک خوبصورت نوجوان کھڑا ہوا فون پر کسی سے کہہ رہا تھا۔

"اجی...... میں اپنی تعریف کیا کروں...... آپ اپنی لڑکی کی خبر لیجیے۔ جن کی تعریفیں اخباروں میں ہو رہی ہیں۔"

آرزو کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا ابھی اسی نے اپنے ڈیڈی سے جھوٹ کہا تھا کہ وہ

ہسپتال میں مصروف ہے۔ لیکن اس نوجوان کو کیسے معلوم ہو گیا کہ اس نے ڈیڈی سے بہانہ کیا تھا...... ہائے اللہ! اس نے اخبارات کا بھی تو حوالہ دیا ہے۔

"اجی میں نے کہا......" ارمان کہہ رہا تھا۔

"مجھے اپنا خادم سمجھ لیجیے...... بھٹکی ہوئی لڑکیوں کو سیدھے راستے پر لانا میری ہوبی ہے...... جی...... جی ہاں!...... لیکن جناب ڈاکٹر بننے سے کیا ہوتا ہے۔ ماں باپ سے جھوٹ بولنا تو لڑکیوں کی پرانی عادت ہے۔"

آرزو تلملا کر رہ گئی۔ وہ نوجوان خوبصورت تھا' اسمارٹ تھا اور بڑا ہی جاذب نظر تھا۔ لیکن جس قسم کی وہ بات کر رہا تھا۔ اسے سن کر ہر لڑکی غصے سے تلملا جاتی۔

وہ ریسیور رکھ کر بوتھ سے باہر آیا اور بڑی بے نیازی سے ان کی جانب دیکھے بغیر جانے لگا۔

"سنیئے......!" آرزو نے اسے مخاطب کیا۔

ارمان نے پلٹ کر پوچھا۔ "آپ نے مجھے بلایا ہے؟"

"جی ہاں......!" اس نے پوچھا۔ "ابھی آپ نے کس نمبر پر رنگ کیا تھا؟"

ارمان نے مسکرا کر کہا۔ "دوسروں کا نمبر پوچھ کر کیا کریں گی۔ آپ مجھ میں دلچسپی لے سکتی ہیں۔"

"شٹ اپ...... آپ بہت بدتمیز ہیں...... آپ نے یہ کیسے کہہ دیا کہ لڑکیاں ماں باپ سے جھوٹ بولتی ہیں۔"

"اچھا...... تو فون پر آپ نے سچ کہا تھا؟"

آرزو اس سوال پر سٹپٹا کر رہ گئی۔

ثامی نے ارمان سے کہا۔ "دیکھیے مسٹر!...... یہ بہت بڑی ڈاکٹر ہیں۔ آپ ان سے بدتمیزی نہیں کر سکتے۔"

"آپ کس چڑیا گھر سے آئے ہیں؟......" ارمان نے ثامی سے پوچھا۔

"شٹ اپ...... میں ان کا کزن ہوں ارمان علی......" ثامی نے کہا۔

"اگر میں یہ ثابت کر دوں کہ تم فراڈ ہو تو؟"

ثامی نے گھبرا کر آرزو سے کہا۔ "دیکھیے...... دیکھیے مس آرزو! اب یہ مجھے فراڈ کہہ

کر خود کو آپ کا کزن ثابت کرنا چاہتا ہے۔"

"میں ایسے شریف بدمعاشوں کو اچھی طرح جانتی ہوں......" آرزو نے گرد
جھٹک کر کہا۔

اور ناہید کو ایک طرف لے جا کر سمجھانے لگی۔ "دیکھو ناہید! یہ کوئی بہت بڑا فر
معلوم ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے واقعی ڈیڈی کو فون کیا ہو۔ میرا گھر پہنچنا بہ
ضروری ہے۔ مجھے جانے کی اجازت دو۔ تمہارے پلین میں ابھی کافی دیر ہے۔"

"نہیں!...... اجازت طلب کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ ایسی صورت میں تمہیں گھر
پہنچنا چاہیے...... او کے...... خدا حافظ!"

"خدا حافظ!"

آرزو نے اپنی سہیلی سے رخصت ہو کر ثامی کو مخاطب کیا۔ "آیئے ارمان صاحب!
ہم گھر چلیں۔"

"چلیے......!"

ارمان آگے بڑھ گیا۔

"میں آپ سے نہیں کہہ رہی ہوں......"

وہ ثامی کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھنے لگی۔

ارمان نے ثامی کو مخاطب کرتے ہوئے غصے سے کہا۔ "ابے او ثامی کے بچے! اب تو
بتا دے کہ ارمان کون ہے؟"

ثامی نے آرزو سے کہا۔ "دیکھئے اب یہ مجھے ثامی کہہ رہا ہے۔"

آرزو نے طیش میں آ کر ارمان سے کہا۔ "آپ کو شرم نہیں آتی میرے سامنے
میرے کزن کو ثامی کہہ رہے ہیں۔"

"لیکن اس میں برائی کیا ہے؟"

"واہ برائی کیسے نہیں ہے......" آرزو نے کہا۔

"ثامی تو کتے کا نام ہوا کرتا ہے۔"

ارمان نے ایک زور دار قہقہہ لگایا۔ ثامی' آرزو کی دلیل سن کر بغلیں جھانکنے لگا۔
اب تو خیریت اسی میں تھی کہ وہ زیادہ سے زیادہ عرصہ ارمان کے ہی روپ میں رہتا۔ وہ

آرزو کے نظریے سے ثامی نہیں بننا چاہتا تھا۔

ارمان نے قہقہہ لگا کر اس کا مذاق اڑایا تھا۔ اس لیے وہ بھی انتقاماً اسے تنہا چھوڑ کر
آرزو کے ساتھ چلا گیا۔

ارمان نے مسکرا کر کہا۔ "اچھی بات ہے ذرا میں بھی دیکھوں کہ کوا کب تک ہنس
کی چال چلتا ہے۔"

آرزو کار چلا رہی تھی اور ثامی اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا ہوا بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا۔ وہ ارمان علی بن تو گیا تھا۔ لیکن یہ خیال اسے پریشان کر رہا تھا کہ گھر پہنچتے ہی عصمت اور روشن کے سامنے بھانڈا پھوٹنے والا ہے۔

وہ تفریح کے لیے ارمان کے ساتھ کراچی آیا تھا اور اب سوچ رہا تھا کہ آرزو کو اگر حقیقت معلوم ہو گئی تو وہ اس تفریح کا اسے اچھی طرح مزہ چکھائے گی...... اب وہ اپنی بہتری اسی میں سمجھ رہا تھا۔ کہ کسی طرح فرار کا راستہ اختیار کرے۔ لیکن کس طرح......

وہ پھر بے چینی سے پہلو بدلنے لگا۔

آرزو نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ کچھ بے چین سے نظر آ رہے ہیں؟"

ثامی نے اس کے سوال پر گھبرا کر جواب دیا۔ "جی...... جی ہاں...... میں اس وقت ایک نیا گیت نکال رہا ہوں۔"

"نیا گیت نکال رہے ہیں؟" آرزو نے حیرت سے پوچھا۔

"جی ہاں...... جب میں کوئی نئی دھن تیار کرتا ہوں تو مجھے ایسے ہی تکلیف ہوتی ہے۔"

"اوہ......!" اس نے تعجب کا اظہار کیا۔

"ویسے آپ بہت اچھا گا لیتے ہیں۔"

ثامی نے شرما کر کہا۔ "اجی...... گاتا کیا ہوں! بس رو لیتا ہوں۔"

آرزو نے ہنستے ہوئے پوچھا۔ "اتنے شاندار طریقے سے رونا آپ نے کہاں سے سیکھا ہے؟"

"اپنے ہاں کی فلموں سے...... آپ نے اکثر دیکھا ہو گا کہ ہیرو اور ہیروئن پر جب غم کا پہاڑ ٹوٹتا ہے تو وہ ہمیشہ ہارمونیم' طبلے کے ساتھ سریلی آواز میں روتے ہیں۔"

آرزو کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔

ثامی نے بات بدل کر کہا۔ "آپ ذرا ریڈیو اسٹیشن کے قریب مجھے ڈراپ کر دیں۔ ہاں ایک صاحب سے ملنا ہے۔"

"ایسی جلدی بھی کیا ہے......" آرزو نے کہا۔

"پہلے گھر چلیے۔"

"نہیں...... آپ نہیں جانتیں...... مجھے بہت ضروری کام ہے۔"

"تو آپ پہلے ہی کہہ دیتے...... اب ایک لمبا چکر کاٹ کر وہاں پہنچنا ہو گا...... خیر چلیے!"

آرزو نے گاڑی موڑتے ہوئے راستہ بدل دیا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ ریڈیو سٹیشن کے قریب پہنچے۔

ثامی نے کار سے اترتے ہوئے کہا۔ "آپ جائیے...... مجھے یہاں دو تین گھنٹے رکنا ہو گا۔"

"اتنی دیر......" آرزو نے کہا...... "لیکن آپ اکیلے کیسے آئیں گے...... گھر کا پتہ معلوم ہے؟"

"آپ صرف پتہ بتا دیجیے۔ میں پہنچ جاؤں گا۔"

"لیکن آنٹی شکایت کریں گی کہ میں نے آپ کو تنہا چھوڑ دیا ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ آنٹی اپنے ارمان کو اچھی طرح جانتی ہیں۔ میرے متعلق آپ سے کوئی نہیں پوچھے گا۔"

"جیسے آپ کی مرضی......" آرزو نے کہا اور اسے پتہ بتا کر گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

آرزو نے کوٹھی کے پورچ میں گاڑی کو روکا اور باہر نکل کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ آس پاس کوئی ملازم نہ تھا۔ پھر اس کی نظر مین گیٹ کی طرف گئی۔ ایک ٹیکسی کوٹھی کے احاطے میں داخل ہو رہی تھی۔

ٹیکسی میں ارمان بیٹھا ہوا تھا۔ اسے دیکھتے ہی آرزو جھنجلا گئی۔

وہ تیزی سے چلتی ہوئی ٹیکسی کے قریب آئی۔ ارمان باہر آکر کرایہ ادا کر رہا تھا۔

"تم یہاں بھی چلے آئے؟"...... اس نے غصہ سے کہا۔

"جی ہاں......!" ارمان نے کہا...... "مجھے آپ کے ڈیڈی سے ملنا ہے۔"

"کیوں......؟" اس نے تلملا کر کہا۔

"جوان لڑکیوں کو کس طرح لگام دی جاتی ہے۔ اس موضوع پر آپ کے ڈیڈی ایک لیکچر دینا ہے۔"

"تم کون ہوتے ہو میرے متعلق لیکچر دینے والے؟"

"خدائی فوجدار!"

"میں تمہیں دھکے دے کر نکال دوں گی......" اس نے طیش میں آکر کہا۔

"ایک آدھ دھکوں سے میری صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔" یہ کہتے ہوئے پورچ والے برآمدے کی طرف بڑھنے لگا۔

آرزو نے گھبرا کر اسے دیکھا اور دوڑتی ہوئی اس کے سامنے آکر راستہ روک لیا۔

"تم...... تم کیا سچ مچ ڈیڈی سے ملو گے؟"

"جی ہاں......!" ارمان نے مسکرا کر کہا۔

"لیکن میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے...... خدا کے لیے پیچھا چھوڑو۔ میں تم سے وع کرتی ہوں کہ آئندہ کبھی اپنے ڈیڈی سے جھوٹ نہیں بولوں گی۔"

"ہوں...... اب راستے پر آئی ہو۔"

آرزو نے اندر ہی اندر غصہ سے کھولتے ہوئے کہا۔ "جی ہاں...... بالکل سیدھے راستے پر آگئی ہوں۔ اب آپ جائیے۔"

"ایسی جلدی بھی کیا ہے؟ اتنی دور سے آپ کا پیچھا کرتا ہوا آیا ہوں۔ کم از کم ایک کپ چائے ہی پلا دیجئے۔"

"کیا......؟" آرزو نے آنکھیں دکھاتے ہوئے کہا...... "مان نہ مان میں تیر مہمان......"

اس کی بات ادھوری ہی رہ گئی۔ کیونکہ کوٹھی کے اندر سے اس کے ڈیڈی کی آوا سنائی دی تھی۔ وہ کسی ملازم کو آواز دے رہے تھے۔

"اوہ...... ڈیڈی آ رہے ہیں......" اس نے گھبرا کر کہا۔ "پلیز! یہاں سے چلے ؤ۔"

"ایک کپ چائے......" ارمان نے مسکرا کر کہا۔

"میرا بس چلے تو میں تمہیں زہر پلا دوں۔"

"چلو...... ایک کپ زہر ہی سہی۔"

آرزو جواب دینے کی بجائے غصہ سے پاؤں پٹختی ہوئی اندر چلی گئی۔

ارمان دروازے کی آڑ سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تم آگئیں......!" اس کے ڈیڈی نے اسے دیکھتے ہی کہا۔

"جی...... جی ہاں!" یہ کہتی ہوئی وہ پھر واپس جانے لگی۔

اسے ڈر تھا کہ کہیں وہ اجنبی اندر نہ آجائے۔

"پھر کہاں جا رہی ہو......؟" اس کے ڈیڈی نے پوچھا۔

"جی...... وہ!" آرزو نے گھبرا کر کہا...... "میں کار کو لاک کرنا بھول گئی ہوں۔"

"تمہاری بھولنے کی عادت نہیں جائے گی۔ یاد ہے تم نے اپنی آنٹی اور روشن کے ساتھ شاپنگ کے لیے جانے کو کہا تھا۔ وہ بے چارے تمہارا انتظار کر کے چلے گئے۔"

"وہ...... وہ مجھے افسوس ہے ڈیڈی!"

یہ کہتی ہوئی وہ باہر چلی آئی...... اس کا خیال صحیح تھا۔ ارمان ڈھیٹ بنا ہوا کھڑا تھا۔ اسے دیکھتے ہی اس نے کہا۔ "تو آپ کی آنٹی اور روشن صاحب شاپنگ کے لیے گئے ہیں۔"

"تم سے مطلب؟"

"میں سوچ رہا ہوں۔ تمہارے ڈیڈی اکیلے ہیں۔ انہی کے ساتھ بیٹھ کر چائے پی جائے۔"

"وہ کسی اجنبی کو لفٹ نہیں دیتے۔ جاؤ یہاں سے!"

"اجی...... اجنبیت کیسی...... میں ان سے کہہ دوں گا کہ میرا نام ارمان ہے۔"

"کیا......!" آرزو نے گھبرا کر کہا...... "تم میرے ڈیڈی کو دھوکہ دو گے؟"

"آرزو......!" اس کے ڈیڈی کی آواز آئی...... "باہر کون ہے؟"

"جی...... وہ......" آرزو نے کچھ کہنا چاہا لیکن اس سے پہلے ہی ارمان دروازے کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔

"جی...... میں ہوں انکل...... آپ کا بھانجا ارمان علی......"

آرزو نے دل ہی دل میں کہا...... "اف! کتنا بڑا فریبی ہے......!"

اس کے ڈیڈی نے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "ارمان علی......؟ تم عصمت کے چھوٹے لڑکے ہو؟"

"آہا...... انکل نے مجھے پہچان لیا......" وہ خوشی سے دونوں ہاتھوں اٹھائے ہوئے آگے بڑھا اور آرزو کے ڈیڈی کے گلے لگ گیا۔

آرزو دم بخود اسے دیکھتی رہی۔ اس کے دل میں آیا کہ وہ ڈیڈی سے صاف صاف کہہ دے کہ وہ ارمان نہیں شیطان ہے اور ایئرپورٹ سے اس کا پیچھا کرتا آیا ہے۔ لیکن پھر ڈیڈی کو یہ بھی بتانا پڑتا کہ وہ ہسپتال کی بجائے ایئرپورٹ کیوں گئی تھی اور اگر گئی تھی تو اس نے ہسپتال کا بہانہ کیوں کیا تھا؟

اس نے بے بسی سے ہونٹ بھینچتے ہوئے سوچا...... جہنم میں جائے یہ اجنبی...... اگر ابھی آنٹی آگئیں تو خود ہی اس کے جھوٹ کا پول کھل جائے گا...... جوتے کھا کر خود کو ارمان کہنے کا سارا ارمان نکل جائے گا۔

اس کے ڈیڈی ارمان سے پوچھ رہے تھے۔ "تم یہاں تک کس طرح پہنچ گئے؟"

"جی...... وہ اتفاق سے میں نے آرزو کو دیکھ لیا تھا۔"

آرزو نے گھبرا کر اسے دیکھا کہ کہیں وہ ایئرپورٹ کا ذکر نہ کر دے۔

ارمان نے مسکرا کر بات بدلتے ہوئے کہا۔ "یہ ہسپتال روڈ سے اپنی کار میں آ رہی تھیں۔ میں نے ٹیکسی والے سے کہا کہ ان کے پیچھے چل پڑے۔"

آرزو نے اطمینان کی سانس لی۔

اس کے ڈیڈی نے پوچھا۔ "تم نے آرزو کو کس طرح پہچان لیا؟"

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے انکل!...... اخبار میں ان کی تصویر بھی چھپی تھی اور آپ کا نام بھی...... لیکن بڑے افسوس کی بات ہے کہ آرزو نے مجھے اب تک نہیں پہچانا ہے...... دیکھئے نا! اتنی دیر سے کھڑا ہوا ہوں مگر ڈاکٹر صاحبہ نے ابھی تک مجھے سلام

نہیں کیا ہے۔ آخر میں ان سے عمر میں بڑا ہوں نا!"

"یقیناً تم آرزو سے بڑے ہو......" انہوں نے آرزو کو مخاطب کرتے ہوئے کہا......

"بیٹا! ارمان کو سلام کرو۔"

آرزو نے دانت پیستے ہوئے ارمان کو دیکھا اور بڑی مجبوری سے کہا۔ "آداب!"

ارمان نے بزرگوں کی طرح ہاتھ اٹھا کر دعا دی۔ "جیتی رہو۔"

افضل نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "شریر کہیں کے...... بچپن کی شرارت ابھی تک نہیں گئی۔"

"بچپن کی بہت سی عادتیں انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتیں......" ارمان نے جواب دیا۔ "اب یہی دیکھ لیجئے کہ مجھے بچپن میں چائے پینے کی عادت پڑ گئی تھی...... کیوں آرزو! تمہیں یاد ہے نا؟"

آرزو نے جھنجلا کر اسے دیکھا۔

ارمان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ایک کپ چائے۔"

آرزو کا خیال تھا کہ وہ اجنبی ایک کپ چائے پی کر ٹل جائے گا۔ لیکن وہ تو اس کے ڈیڈی سے اس طرح گھل مل کر باتیں کرنے لگا تھا جیسے برسوں کی رشتہ داری ہو۔ دو گھنٹے اسی طرح گزر گئے۔

آرزو اپنے کمرے میں آ گئی تھی اور بے چینی سے ادھر ادھر ٹہل رہی تھی۔ اب وہ سوچ رہی تھی کہ ڈیڈی کو اس فریبی کی اصلیت بتا دی جائے۔ کسی اجنبی کا اتنی دیر گھر میں رہنا اچھی بات نہیں تھی۔ پتہ نہیں وہ کوئی چور یا ڈاکو......!"

یہاں تک سوچ کر وہ رک جاتی تھی۔ دل نہیں مانتا تھا کہ اتنا خوبصورت اور زندہ دل نوجوان چور یا ڈاکو ہو سکتا ہے...... اس کی آنکھوں میں کتنی گہری چمک تھی۔ نظریں ملتے ہی آرزو کا دل آپ ہی آپ دھڑکنے لگتا تھا۔

وہ ٹہل رہی تھی اور اس کے متعلق سوچے جا رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد دروازے پر آہٹ سی ہوئی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ کھڑا ہوا تھا۔

اس وقت شام گہری ہو گئی تھی اور اندھیرا پھیلتا جا رہا تھا۔ اس اندھیرے میں وہ

سائے کی طرح نظر آ رہا تھا۔

"تم یہاں کیوں آئے ہو؟......" آرزو نے غصے کا اظہار کیا اور سوئچ بورڈ کے پاس آ کر کمرے میں روشنی کرنی چاہی۔

لیکن ارمان نے اس سے پہلے سوئچ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "آرزو!...... تھوڑی دیر کے لیے اس کمرے میں اندھیرا ہی رہنے دو......"

"نہیں......!" وہ گھبرا کر ایک قدم پیچھے چلی گئی...... "سوئچ آن کرو۔ ورنہ میں تمہیں دھکے دے کر اس کمرے سے نکال دوں گی......"

"تم تو خواہ مخواہ ناراض ہوتی ہو...... میں کوئی گھٹیا قسم کا آدمی نہیں ہوں اور نہ ہی میرے دل میں کوئی میل ہے۔"

"اگر تمہارے دل میں میل نہیں تو روشنی کرو اور مجھ سے آنکھیں ملا کر باتیں کرو۔"

"وہ روشنی کس کام کی ہے آرزو......! جس میں تم اپنے ارمان کو نہ پہچان سکو۔ ہو سکتا ہے اس اندھیرے میں تم اس کی آواز کو پہچان لو۔ وہ آواز جو گیتوں میں ڈھل کر تمہارے دل سے ٹکراتی رہی ہے۔"

آرزو کا دل ہولے ہولے دھڑکنے لگا۔ اجنبی کے لہجے میں وہی مٹھاس، وہی نرمی اور وہی بوچ تھا۔ جو گیتوں کے ترنم میں ہوتا ہے...... لیکن وہ حقیقت کو کیسے جھٹلا سکتی تھی۔ اس نے خود چند گھنٹے پہلے ایک ارمان کو ریڈیو اسٹیشن کے قریب چھوڑا تھا۔

پھر یہ کون ہے......؟ کون ہے جو دل کے دروازے پر دستک دیئے جا رہا تھا......

آرزو نے اپنے دھڑکتے ہوئے سینے پر ہاتھ رکھ لیا...... یہ کوئی بھی ہو۔ لیکن اس کے آئیڈیل سے ہوبہو ملتا تھا۔

"لیکن......!" آرزو نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"تم خواہ مخواہ ارمان بن کر یہاں کیوں چلے آئے؟"

ارمان نے شرارت سے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "تمہارے لیے......!"

"جی......؟" وہ گھبرا سی گئی۔

"ہاں آرزو! جب سے تمہیں دیکھا ہے۔ دل یہی چاہتا ہے کہ کسی نہ کسی بہانے

ہارے قریب رہوں۔"

آرزو اندھیرے میں آنکھیں پھاڑے حیرت سے اس سائے کو تک رہی تھی۔ وہ وچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ایک اجنبی اتنی بے باکی سے اپنی محبت کا اظہار کر دے گا۔

"میں تمہیں برسوں سے جانتا ہوں......" اس نے کہا...... "پتہ نہیں کتنے برسوں ے...... بہرحال میں یہی سوچتا تھا کہ کہیں میری محبت یک طرفہ نہ ہو ایسا نہ ہو کہ میں تم ے اپنی محبت کا اظہار کروں اور تم اسے ٹھکرا دو...... اسی لیے آج میں ایک اجنبی بن کر یا ہوں۔ اگر تمہیں ارمان کے نام سے محبت ہے تو مجھے ارمان ہی سمجھ لو۔ کیونکہ محبت م، مقام، شہرت اور دولت کی محتاج نہیں ہوتی۔ آج محبت کو ایک آنکھ مچولی کا کھیل بنا ر...... میں تمہارے سامنے آیا ہوں۔ تمہاری آنکھوں پر اندھیرے کی پٹی بندھی ہوئی ہے۔ جب تک تم راستہ ٹٹول کر آگے نہیں بڑھو گی۔ اپنے دل کے چور کو نہیں پکڑو گی۔ ں وقت تک تمہیں نہیں معلوم ہو گا کہ تمہاری زندگی میں آنے والا یہ اجنبی کون ہے؟"

"کون ہو تم......؟" آرزو کی آواز ہزارہا جذبوں سے بوجھل تھی۔

"میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔ تم سے کچھ نہیں چھپاؤں گا۔ لیکن پہلے تم ایک وٹی سے آرزو پوری کرو! آرزو!"

آرزو نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔ "کیا......!"

اس نے مسکرا کر کہا...... "تمہارا جوڑا خالی ہے۔ مجھے اجازت دو کہ میں اس میں ب پھول ٹانک دوں۔"

آرزو کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ اس کا ہاتھ بے اختیار اپنے جوڑے کی طرف گیا ر ارمان کا گیت اس کی سماعت میں گونجنے لگا۔

"تو اپنی ریشمی زلفوں کو سمیٹ
ایک جوڑا بنا لے
اور میرا انتظار کر
اس جوڑے میں محبت کا ایک پھول ٹانکنے کے لیے
میں آ رہا ہوں!"

"میں آ رہا ہوں...... میں آ رہا ہوں......" کمرے کا اندھیرا کہہ رہا تھا۔

"میں آ گیا ہوں......" اس کے سامنے کھڑا ہوا ایک اجنبی سایہ کہہ رہا تھا...... "دُ لو...... میں آ چکا ہوں"

اے وحشتِ دل...... اپنی دھڑکنوں سے پوچھ کہ اس اندھیرے کے چور دروازے سے کون آیا تھا؟ اے خوابوں سے بہلنے والی لڑکی...... اپنے کنوارے ارمانوں سے پوچھ یہی وہ ارمان تو نہیں ہے۔ جس کے انتظار میں تیرا جوڑا ایک پھول کی خوشبو کو ترس ہے۔

"نہیں......!" آرزو نے گھبرا کر کہا۔

"سمجھ گیا......!" ارمان نے مسکراتے ہوئے کہا...... "میں نے پھول اور جوڑے کے متعلق ارمان کا ایک گیت ریڈیو میں سنا تھا۔ شاید یہ جوڑا اسی کا انتظار کر رہا ہے۔"

آرزو نے جواب نہیں دیا۔ وہ شش و پنج میں پڑ گئی تھی۔ جس ارمان کو اس نے اپنا آئیڈیل بنایا تھا۔ وہ تو بالکل احمق نظر آتا تھا۔ وہ اپنی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ نہ اس احمق کے حق میں کر سکتی تھی اور نہ ہی اتنی عجلت میں اس اجنبی کو اتنا موقع دینا چاہتی تھی کہ وہ اس کے جوڑے تک پہنچے۔

"خیر کوئی بات نہیں......" ارمان نے کہا...... "اپنی اپنی پسند ہوتی ہے۔ اگر تمہیں وہ احمق ارمان پسند آ گیا ہے تو......"

"مسٹر......!" آرزو نے اس کی بات کاٹ کر کہا...... "تم میرے کزن کو احمق کہہ رہے ہو۔ ائیرپورٹ میں بھی تم اسے ٹامی کہہ رہے تھے۔ مجھے یہ بیہودگی پسند نہیں ہے۔"

"آہا...... تم کیا چاہتی ہو کہ تمہاری خوشی کے لیے ایک احمق کو افلاطون کہہ دوں۔"

"تمہیں کون کہتا ہے کہ تم میری خوشی کا خیال رکھو؟" آرزو نے چڑ کر کہا...... "پتہ نہیں خود کو کیا سمجھتے ہو' ذرا سی بات کرنے کا موقع کیا دیا ہے کہ میرے خاندان کے افراد پر کیچڑ اچھالنے لگے ہو۔"

ارمان نے لڑنے کے انداز میں کہا۔ "جس کا منہ کیچڑ کی طرح ہوگا' اسے کیچڑ ہی کہیں گے۔"

"یو شٹ اپ......!" آرزو نے غصہ کی زیادتی سے چیخ کر کہا۔

اسی وقت کہیں دور سے آواز آئی۔ "کیا بات ہے آرزو!؟"

"اوہ...... آنٹی آ گئیں......" آرزو نے گھبرا کر کہا۔ "لائٹ آن کرو۔"

ارمان نے لائٹ آن کر دی۔ آرزو نے اسے غصہ سے دیکھا اور کمرے سے باہر جانے لگی۔

"ارے سنو تو......!" ارمان نے آگے بڑھ کر اس کی کلائی پکڑ لی۔

"چھوڑو میرا ہاتھ......!" وہ جھنجلاتے ہوئے اپنا ہاتھ چھڑانے لگی......"

اسی وقت روشن دروازے پر آ گیا۔ ارمان کی پشت اس کی طرف تھی۔ اس لیے وہ پہچان نہ سکا۔

"کون ہے......؟" اس نے گرج کر کہا۔

آرزو نے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا۔ "دیکھئے یہ بدمعاش مجھے پریشان کر رہا ہے۔"

ارمان مسکراتا ہوں روشن کی طرف پلٹ گیا۔ "ارمان...... تم؟" اس نے حیرت اور غصہ سے کہا۔ "یہ کیا بیہودگی ہے؟"

"ارمان......!" آرزو تعجب سے کبھی روشن اور کبھی ارمان کو دیکھنے لگی۔ اسی وقت عصمت بھی کمرے میں پہنچ گئی۔ ماں کو دیکھ کر ارمان نے ایک خوشی کا نعرہ لگایا اور "امی" کہتا ہوا عصمت سے لپٹ گیا۔

آرزو حیرت سے آنکھیں پھاڑے دیکھ رہی تھی۔

اس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "آنٹی...... یہ کون ہے؟"

"بیٹا!...... یہ ارمان ہے......" عصمت نے کہا...... "تم اس سے جھگڑا کر رہی تھیں؟"

آرزو کے کچھ کہنے سے پہلے ارمان نے جواب دیا۔ "امی......! یہ تو بچپن میں بھی مجھ سے جھگڑا کیا کرتی تھیں۔ بے چاری عادت سے مجبور ہیں۔"

آرزو نے غصہ سے اسے دیکھتے ہوئے عصمت سے کہا۔ "آنٹی......! آپ کے یہ صاحبزادے اپنی عادت سے مجبور ہیں...... یہ مجھے اتنی دیر سے بیوقوف بنا رہے ہیں۔ میں

ان سے ضرور بدلہ لوں گی۔"

یہ کہتی ہوئی وہ ارمان کی جانب اس طرح بڑھی۔ جیسے اس کا منہ نوچ لے گی۔ ارمان مسکراتا ہوا اپنی امی کے پیچھے چلا گیا۔ عصمت ان کے درمیان پھنس کر رہ گئی۔ آرزو اپنا ہاتھ بڑھا کر ارمان کو نوچنا کھسوٹنا چاہتی تو ارمان دوسری طرف چلا جاتا۔

عصمت نے الجھتے ہوئے کہا۔ "ارے...... ارے!...... تم لوگوں نے ملتے ہی جھگڑا شروع کر دیا۔"

"دیکھ لیجئے امی......!" ارمان نے کہا۔ "یہاں مہمانوں کے ساتھ کیسا سلوک ہو رہا ہے؟"

آرزو نے اس کی طرف جھپٹتے ہوئے کہا۔ "تم مہمان نہیں، شیطان ہو۔"

ارمان ہنستا ہوا کمرے سے نکل کر باہر کی جانب بھاگا۔ آرزو جھنجلائی ہوئی تھی۔ وہ بھلا کب اس کا پیچھا چھوڑتی؟ وہ بھی اس کے پیچھے بھاگی۔ عصمت ان کے بچپنے پر قہقہہ لگانے لگی...... لیکن روشن غصیلی نظروں سے ارمان کو دیکھ رہا تھا۔

ارمان ڈرائنگ روم کے زینوں کو پھلانگتا ہوا باہر کی طرف بھاگ رہا تھا۔ اسی وقت ثامی نے ڈرائنگ روم میں قدم رکھا...... اور پھر اس کی شامت آ گئی۔

آرزو نے دانت کچکچاتے ہوئے ثامی سے کہا۔ "ہوں...... تو تم ارمان ہو؟"

ثامی نے دانت نکال کر ارمان کی طرف اشارہ کیا۔ "جی ہاں...... ہم دونوں ففٹی ففٹی ارمان ہیں۔"

آرزو نے غصہ سے گلدان اٹھا کر اس طرف پھینکا۔ ارمان اپنے بچاؤ کے لیے ثامی کے پیچھے چلا گیا۔ ثامی بھی ہوشیار تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے گلدان کو کیچ کر لیا اور ایک گہری سانس لیتے ہوئے گلدان کے پھولوں کو سونگھنے لگا۔

"خوشبو آ نہیں سکتی۔ کبھی کاغذ کے پھولوں سے۔" ارمان نے ہنستے ہوئے کہا۔

آرزو نے جھنجلا کر دوسرا گلدان اٹھایا۔

ثامی نے چیخ کر کہا۔ "بھاگو۔"

پھر اس سے پہلے کہ آرزو ان کا نشانہ لیتی۔ وہ ڈرائنگ روم سے باہر جا چکے تھے۔

صبح ہو چکی تھی لیکن آرزو خلاف معمول بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔

آج وہ پہلی بار محسوس کر رہی تھی کہ بستر بہت نرم اور لچک دار ہے اور اگر ملائم لئے کو سینے سے لگا کر لیٹا جائے تو دل کی دھڑکنوں کو آرام آ جاتا ہے۔ رنگ برنگی چوڑیاں ہمیشہ پہنتی آئی تھی۔ لیکن آج یہ کانچ کی گونگی چوڑیاں، ہاتھوں کی ہر جنبش پر گنگنا رہی ہیں۔

کسی نے اس کلائی کو مضبوطی سے تھام لیا تھا۔ تب ہی سے پاگل چوڑیاں گنگنا رہی ہیں اور اسے کسی کی مضبوط گرفت کا احساس دلا رہی تھیں۔

"شریر کہیں کے......!" آرزو نے مسکرا کر کروٹ بدل لی۔

"آرزو......! عصمت نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"تم ابھی تک بستر میں ہو...... خیر تو ہے؟"

"بس...... یونہی لیٹی ہوئی تھی......" وہ جلدی سے اٹھ بیٹھی۔

"آج ہسپتال جانے کو جی نہیں چاہتا ہے۔"

"کیوں...... ہسپتال والے کچھ کہیں گے تو نہیں......؟" عصمت نے پوچھا۔

"میں کوئی ملازمت تھوڑا ہی کرتی ہوں......" اس نے ہنستے ہوئے جواب دیا...... "ویسے ہی چلی جاتی ہوں کہ تجربات حاصل ہوتے رہیں۔"

"تب تو تمہیں ضرور جانا چاہئے۔ انسان اپنی زندگی میں جتنے بھی تجربات حاصل کر لے وہ کم ہیں۔ اس کے لیے سستی نہیں کرنی چاہئے۔"

"اچھی بات ہے، چلی جاؤں گی......" اس نے مسکرا کر کہا۔

"جاتے وقت روشن کو دیکھ لینا۔ اس کی طبیعت کچھ خراب ہے۔ میں بھائی جان

کے پاس لان میں جا رہی ہوں۔"

"جی بہت اچھا......!" وہ اٹھ کر غسل خانے کی طرف چلی گئی۔

عصمت اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی اور زیر لب مسکراتی رہی...... ایک خوبصورت...... تعلیم یافتہ اور سلیقہ شعار بہو مل جائے تو گھر کی جنت آباد ہو جائے گی...... لیکن وہ کس بیٹے کی دلہن بنا کر آرزو کو لے جائے؟

عصمت ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کر سکی تھی۔ ابھی اسے آرزو کی پسند بھی معلوم کرنی تھی۔ اسی لیے اس نے اپنے بھائی جان سے کہہ دیا تھا کہ وہ آرزو کو کچھ عرصہ کے لیے لاہور لے جائے گی۔ بچے کچھ عرصے کے بعد آپس میں اچھی طرح گھل مل جائیں گے تو ان کی پسند اور ناپسند کا علم خود بخود ہو جائے گا۔

آرزو ڈاکٹروں کی طرح سفید لبادہ پہنے روشن کے قریب بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی گردن سے اسٹیتھوسکوپ جھول رہا تھا اور وہ روشن کی کلائی تھامے اس کی نبض دیکھ رہی تھی۔

روشن کے لبوں پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ تھی اور وہ آرام سے بستر پر لیٹا ہوا اپنی ڈاکٹر کو میٹھی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

اس وقت ارمان نے برآمدے سے گزرتے ہوئے کھڑکی سے یہ منظر دیکھا۔ آرزو کو ایک ڈاکٹر کے روپ میں دیکھ کر پھر اسے شرارت سوجھی۔ اس نے سر کھجاتے ہوئے اور مسکراتے ہوئے معنی خیز انداز میں کچھ سوچا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

اسے روشن کا ساتھ والا کمرہ رہنے کو ملا تھا...... دونوں بھائیوں کے کمروں کے درمیان ایک مشترکہ دروازہ تھا۔ لیکن ارمان دوسرے دروازے سے ہو کر اپنے کمرے میں چلا آیا اور بیمار بننے کی ریہرسل کرنے لگا۔

ادھر آرزو نے روشن کی نبض محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "پچھلی رات بخار تھا اور آپ نے مجھے بتایا تک نہیں......!"

روشن نے ایک سنجیدہ سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ "ڈاکٹر قریب ہو کر بھی مریض کو نہ پہچانے تو اس میں مریض کا کیا قصور ہے؟"

"میں ڈاکٹر ہوں......" آرزو نے ہنستے ہوئے کہا...... "نجومی تو نہیں ہوں کہ بتائے

بغیر ہی مرض کو پہچان لوں...... بہرحال اب بخار معمولی سا ہے۔"

روشن نے اپنے لہجے میں اپنائیت سی پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "بخار معمولی سا ہے لیکن بے چینی زیادہ ہے۔"

آرزو نے اسی معصومیت سے کہا۔ "آپ تو ذرا سی بیماری میں بے چین ہو جاتے ہیں۔"

"بے چینی صرف اتنی ہے......" اس نے اپنائیت سے کہا...... "کہ یہ مرض کہاں تک بڑھتا ہے اور آپ کہاں تک میرا ساتھ دیتی ہیں......"

"مریضوں کا ساتھ دینے کے لیے ہی ہم ڈاکٹر بنتے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے آرزو نے اسٹیتھسکوپ لے کر اس کا معائنہ کرنا چاہا۔

اسی وقت ارمان کے چیخنے چلانے کی آواز سنائی دی۔ "ہائے میں مر گیا...... ارے کوئی ہے...... میرا دل ڈوب رہا ہے...... کوئی ڈاکٹر کو بلاؤ......"

آرزو گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے ساتھ والے کمرے کی جانب دیکھا۔ جہاں سے ارمان کی آواز آ رہی تھی۔

"میں ابھی آتی ہوں......" وہ روشن سے معذرت چاہتی ہوئی ارمان کی طرف چلی گئی۔

روشن نے زبان سے تو کچھ نہیں کہا۔ لیکن اس کے چہرے سے صاف پتہ چل رہا تھا کہ ارمان کی یہ مداخلت اسے سخت ناگوار گزری ہے۔

ارمان لحاف اوڑھے تھر تھر کانپ رہا تھا اور خواہ مخواہ بڑبڑائے جا رہا تھا۔

آرزو نے اس کے چہرے پر سے لحاف ہٹا کر پوچھا۔ "کیا ہو گیا ہے تمہیں؟"

وہ اس کا ہاتھ تھام کر نبض دیکھنے لگی۔ پھر اس نے تعجب سے کہا۔ "بخار تو نہیں ہے۔ صورت سے بھی اچھے بھلے دکھائی دے رہے ہو......"

"تمہیں دیکھ کر چہرے پر رونق آ گئی ہے......" اس نے بڑے پیار سے کراہتے ہوئے کہا۔

آرزو نے ہونٹوں کو بھینچ کر غصہ سے کہا۔ "ہوں......! تم پھر مجھے پریشان کر رہے ہو۔"

ارمان نے ہاتھ نچا کر کہا۔ "واہ...... میں پریشان کر رہا ہوں؟...... ذرا سا ہاتھ ڈ
اور کہہ دیا...... بخار نہیں ہے...... تمہیں نبض دیکھنی آتی ہے؟"

"میں اناڑی نہیں ہوں......" اس نے چڑ کر کہا۔

ارمان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا۔ وہ سنبھل نہ سکی۔ اس کے قریب بستر
آگی...... اس کی کلائی ارمان کی مضبوط گرفت میں تھی۔ پتہ نہیں' اسے یہ گرفت کیو
اتنی اچھی لگی کہ وہ فوراً ہی اپنی کلائی نہ چھڑا سکی۔

ارمان نے کہا۔ "تم میری نبض دیکھ کر بھی انجان بنی رہیں لیکن میں تمہاری کلا
تھام کر تمہارے دل کا حال بتا سکتا ہوں۔"

وہ ایک جھٹکے سے اپنی کلائی چھڑا کر کھڑی ہوگئی۔ دل کی دھڑکنیں بے چین ہو
تھیں اور چہرے کا رنگ کچھ شہابی ہوتا جا رہا تھا۔

"ڈاکٹر صاحبہ!......" ارمان نے مسکرا کر پوچھا...... "اس بیمار کے متعلق آپ کا
خیال ہے؟"

آرزو نے اس کی طرف سے رخ پھیرتے ہوئے ہولے سے کہا۔ "تم......
مریض ہو' جو ڈاکٹر کو بھی بیمار بنا دیتے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ جانے لگی۔

ارمان نے کہا۔ "سنو تو۔"

لیکن وہ مسکراتی ہوئی چلی گئی۔ ارمان اسے محبت سے دیکھتا رہا۔ اس کے جانے
بعد اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

اور میز پر سے ایک لیٹر پیڈ اٹھا کر لکھنے لگا۔

......"بیمار محبت کی حقیقت نہ پوچھیے

......"علاج کرنے والے بھی بیمار ہو گئے"

شعر لکھ کر وہ کاغذ کے پرزے کو تہہ کرنے لگا اور شوخی سے مسکرانے لگا۔ اس
ذہن میں پھر کوئی نئی شرارت جنم لے رہی تھی۔

دوسرے کمرے میں آرزو' روشن کے قریب بیٹھی ہوئی اسٹیتھسکوپ سے معائنہ
رہی تھی۔ لیکن اس کا ذہن کہیں اور پرواز کر رہا تھا۔ وہ بے خیالی میں زیر لب مسکرا
جا رہی تھی۔ روشن اسے بغور دیکھ رہا تھا اور اس کی مسکراہٹ کو اپنی ذات سے منسوب

رہا تھا۔

اس نے بھی مسکراتے ہوئے اسٹیتھسکوپ کو چھو کر کہا۔ "یہ آلہ بھی عجیب ہے۔
دل کی دھڑکنوں کو گن لیتا ہے۔ یہ دھڑکنیں آپ سے بھی کچھ کہتی ہیں؟"

"ہاں......!" آرزو نے جواب دیا...... "کہتی ہیں کہ بیمار کا حال اچھا نہیں ہے۔
اسے زیادہ باتیں نہیں کرنا چاہئے۔"

"لیکن میں تو وہ بیمار ہوں جو دوا سے نہیں' صرف ڈاکٹر کی باتوں سے بہل جاتا
ہے۔"

آرزو نے جواب دینا چاہا لیکن اسی وقت ارمان کے کراہنے کی آواز سن کر اس کی
توجہ بٹ گئی۔ وہ پھر زیر لب مسکرانے لگی۔ اسے اچھی طرح علم تھا کہ ارمان شرارتیں کر
رہا ہے لیکن ایسی شرارتیں جو اسے قریب بلا رہی تھیں۔

"میں ابھی آتی ہوں۔"

روشن نے اسے روکتے ہوئے کہا۔ "وہ بیمار نہیں ہے۔ خواہ مخواہ آپ کو پریشان کر
رہا ہے میں نے آپ کو پہلے بھی سمجھایا تھا اور اب بھی سمجھاتا ہوں کہ اس شیطان سے دو
قدم دور ہی رہیے۔"

"اچھا......!" آرزو نے انجان بنتے ہوئے کہا...... "اگر شرارت ہے تو میں ان کے
کان کھینچ کر آتی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ جواب سنے بغیر تیزی سے پلٹ کر چلی گئی۔

ارمان کے قریب آ کر اس نے بناوٹی سنجیدگی سے پوچھا۔ "اب کیا ہو گیا ہے
تمہیں؟"

"ہائے میرا دل......!" اس نے کراہتے ہوئے کہا...... "میرا دل ڈوب رہا ہے۔"

آرزو نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم بیمار نہیں' بہانے باز ہو۔"

"تمہاری ڈاکٹری کی قسم......!" اس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"یہاں کچھ بے چینی سی محسوس ہو رہی ہے۔"

وہ سمجھ رہی تھی کہ یہ سب قریب بلانے کا بہانہ ہے۔ اگر ایک محبوبہ کی حیثیت
سے قریب جانا پڑتا تو شاید وہ نہ جاتی۔ شرما کر رہ جاتی لیکن اس نے اسٹیتھسکوپ کو کانوں
سے لگا کر قریب تر ہونے کا بہانہ ڈھونڈ لیا۔

وہ معائنہ کیا کرتی' اس سے پہلے ہی ارمان نے اس کے ہاتھوں کو تھام لیا۔

اور اسٹیتھسکوپ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "کیا اس کے بغیر' تم دل دھڑکنوں کو نہیں سن سکتیں...... جہاں زبان سے کام لیا جاتا ہے۔ وہاں اس بے زبان آ کی کیا ضرورت ہے؟"

اس نے اپنا ہاتھ چھڑا کر دوسری طرف منہ پھیر لیا اور اپنے دل کی دھڑکنوں پر ق پانے لگی۔ ارمان نے دوسری طرف اس کا رخ دیکھ کر کاغذ کا وہ پرزہ اس کی جیب میں ر دیا۔ جس میں اس نے ایک شعر لکھا تھا۔

آرزو کو پتہ بھی نہ چلا' وہ جذبات کی ہلچل میں گم ہو چکی تھی۔

ارمان نے شرارت سے اس کی طرف دیکھا اور اچانک اپنا موڈ بدل کر کہ

"آرزو......! ایک بات کہوں' برا تو نہیں مانو گی۔"

وہ خاموش بیٹھی رہی

ارمان نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔ "انکل نے تمہیں ڈاکٹری کی کتابیں پڑھا اچھا نہیں کیا...... اس سے تو اچھا تھا کہ تمہیں لیلیٰ مجنوں اور ہیر رانجھا کی کتابیں پڑھ دیتے۔"

صاف ظاہر تھا کہ ارمان اسے بیوقوف بنا رہا ہے۔

آرزو نے چڑ کر کہا۔ "تم نے پھر بکواس شروع کر دی۔"

"بکواس نہیں کرتا...... سچ کہتا ہوں...... اگر تم اسی طرح ایک مریض سے محبـ کرتی رہیں تو دوسرے مریضوں کا دم نکل جائے گا۔"

"یو شٹ اپ......!"

وہ جھنجلا کر کھڑی ہو گئی۔

"ڈاکٹر صاحبہ......! اس عمر میں غصہ حرام ہوتا ہے......" اس نے آرزو کا ہاتھ پکـ کر کہا۔

"میں تم سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتی......"

وہ ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا کر پاؤں پٹختی ہوئی چلی گئی۔

"ارے...... تم تو واقعی ناراض ہو گئیں......" ارمان کی آواز نے اس کا پیچھا کیا۔

لیکن وہ پھر نہیں رکی۔ دوسرے کمرے میں پہنچ کر بھی اس کا موڈ خراب رہا۔

"کیا بات ہے......؟" روشن نے پوچھا۔

"میں آنٹی سے ارمان کی شکایت کروں گی۔"

روشن نے اطمینان کی سانس لے کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں نے تو پہلے ہی آپ سے کہا تھا کہ اس سے دو قدم دور ہی رہا کیجئے۔"

روشن کو مسکراتے دیکھ کر وہ بھی اخلاقاً مسکرانے لگی۔ اسی وقت روشن کو چھینک آگئی۔

"چھینکنے سے پہلے رومال رکھ لینا چاہئے......" آرزو نے ہدایت کی۔

"رومال امی کے سوٹ کیس میں رکھا ہوا ہے......" وہ پھر چھینکنے لگا۔

"اوہو......!" طبی اصول کے خلاف چھینکتے دیکھ کر اس نے اپنی جیب سے رومال نکالا اور اس کی جانب بڑھا دیا۔ "یہ لیجئے!"

روشن نے بڑے اشتیاق سے اس رومال کو تھام لیا۔

"آپ آرام کیجئے......" آرزو نے کہا۔ "ملازم آپ کے لیے دوا لے آئے گا۔"

"یہ کہہ کر وہ چلی گئی...... روشن رومال کے گوشے کو دیکھ رہا تھا۔

وہاں آرزو کا نام کڑھا ہوا تھا۔ کاغذ کا وہ پرزہ بھی رومال میں کہیں پھنس کر رہ گیا تھا۔ کیونکہ جیسے ہی روشن نے رومال کھولا وہ پرزہ اس کی گود میں آگرا۔

"محبت کا پیغام......" اس نے سوچا...... "کیا آرزو نے رومال کے بہانے یہ پیغام دیا ہے؟"

وہ کاغذ کی تہہ کھول کر پڑھنے لگا۔ حسب حال شعر تھا اور آرزو کی جانب سے محبت کا کھلم کھلا اظہار تھا۔

رومال کے گوشے میں کڑھا ہوا نام مسکرا رہا تھا۔ روشن نے خوشی سے اس نام کو اپنے سینے سے لگا لیا۔

آرزو آنٹی کے ساتھ کراچی سے لاہور آگئی تھی...... آنٹی کے ساتھ کیا آئی تھی
یوں کہنا چاہئے کہ اس کا دل ارمان کے ساتھ چلا آیا تھا۔

ارمان کے ساتھ نوک جھونک برابر جاری رہتی تھی...... جوانی کی حدود میں داخل
ہو کر بھی وہ بچوں کی طرح لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ وہ بعض اوقات اس کی شرارتوں
سے اس قدر جھنجلا جاتی تھی کہ کبھی بات نہ کرنے کی قسم تک کھالیتی تھی۔ لیکن جو قسم
دل سے نہ کھائی جائے وہ بھلا کہاں پوری ہوتی ہے...... اس معاملے میں دل اس کا ساتھ
نہیں دیتا تھا...... ارمان کی دو میٹھی باتیں سن کر ہی موم کی طرح پگھل جاتا تھا۔

ان دنوں بھی وہ روٹھی ہوئی تھی۔ روٹھنے کا مطلب یہی تھا کہ وہ ارمان سے بات
نہ کرے اور اس کے ساتھ کہیں تفریح کے لیے نہ جائے...... اسی لیے آج وہ روشن کے
ساتھ اس کے آفس میں چلی آئی تھی۔

روشن کے شاندار آفس میں داخل ہو کر اس نے چاروں طرف تعریفی نظروں سے
دیکھتے ہوئے کہا۔ "آہا...... تو یہ ہے آپ کا آفس؟"

"آپ کو پسند آیا......؟" اس نے خوش ہو کر پوچھا۔

"بہت شاندار ہے۔" روشن نے اسے بھرپور نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"لیکن اتنے شاندار آفس میں اب میرا دل نہیں لگے گا۔"

"کیوں......؟" اس نے تعجب سے پوچھا۔

"آپ جو آگئی ہیں۔ اب تو دل یہی چاہتا ہے کہ آپ کے ساتھ دن رات سیر
گاہوں میں گھومتا پھروں۔"

"ہوں......!" آرزو نے تشویش کا اظہار کیا...... "اس کا مطلب یہ ہے کہ میرے

آنے سے آپ کے کاروبار کو خاصہ نقصان پہنچنے والا ہے۔"

روشن نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "آپ بھی بات کو کہاں سے کہاں لے جاتی
ہیں......"

وہ شاید کچھ اور بھی کہتا۔ لیکن فون کی گھنٹی اسے اپنی طرف پکارنے لگی۔

اس نے ریسور اٹھا کر کہا۔ "ہیلو...... روشن اسپیکنگ!"

دوسری طرف سے کچھ سننے کے بعد اس نے کہا۔ "اوہو...... پرنسپل صاحب!......
السلام علیکم...... کہئے مزاج کیسے ہیں؟"

آرزو کو فون پر ہونے والی گفتگو سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی...... اس لیے وہ گھوم کر
دیوار پر لگی ہوئی پینٹنگ کو دیکھنے لگی۔ ویسے روشن کی آواز اس کے کانوں تک پہنچ رہی
تھی۔

"اچھا...... ہاں......!" وہ کہہ رہا تھا...... "جی ہاں! کل ہی کراچی سے آیا ہوں......
ارمان بھی کالج گیا ہوا ہے......"

وہ چونک کر پلٹ گئی اور فون کی طرف دلچسپی سے دیکھنے لگی۔

روشن ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "اچھا...... چیریٹی شو کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ میرے
لائق کوئی خدمت...... اچھا...... ہاں...... لیکن......"

اس نے یہ کہتے ہوئے آرزو کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا۔

پھر کہا۔ "آج بہت زیادہ مصروفیت ہے...... میں کالج کی طرف نہ آسکوں گا۔"

آرزو نے جلدی سے آگے بڑھ کر کہا۔ "کیا حرج ہے۔ چلئے نا۔"

روشن نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر اسے ٹالنے کے لیے کہا۔ "کیا فائدہ ہے۔
وقت برباد ہوگا۔"

"نہیں......!" اس نے ضد کی...... "میں یہاں کا کالج دیکھوں گی۔"

اس نے مسکرا کر ماؤتھ پیس سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا۔ "ہیلو...... اچھی بات ہے
ہم ابھی آ رہے ہیں۔"

دوسری طرف سے کچھ سننے کے بعد اس نے آرزو کی جانب محبت سے دیکھتے ہوئے
کہا۔ "ہم سے مراد...... میری ایک کزن ہیں۔ وہ بھی میرے ساتھ آ رہی ہیں۔"

آرزو نے شکریہ ادا کرنے کے انداز میں اسے مسکرا کر دیکھا۔ مسکراہٹ کی زبا
نہیں ہوتی۔ اس لیے یہ گونگی مسکراہٹ بھی روشن کے لیے پیار کی ایک ادا بن گئی۔

کالج میں چیرٹی شو کے چرچے ہو رہے تھے۔ لڑکے اور لڑکیاں اپنی اپنی ٹولیاں بنا۔
ادھر ادھر آ جا رہی تھیں۔ لڑکے ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے اور بات بات
قہقہے لگا رہے تھے۔

کینٹین سے ایک لڑکی کو باہر آتے دیکھ کر ثامی نے اپنی عادت کے مطابق لفٹ ل
چاہی۔

اس نے قریب آ کر کہا۔ "میں آپ ہی کا انتظار کر رہا تھا۔ آپ کا نام صبیحہ کوثر ہ
نا؟"

"جی نہیں......!" لڑکی نے بے رخی سے کہا۔

ثامی نے مسکراتے ہوئے قیاس آرائی کی۔ "تو پھر اس سے بھی زیادہ خوبصورت نا
ہو گا۔ آپ کا نام فریحہ نازنین ہے۔"

"جی نہیں...... میرا نام جنت بی بی ہے!" یہ کہتی ہوئی وہ تیزی سے پلٹ کر چلی گئی۔

ثامی نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ "خدا تمہیں جنت نصیب کرے۔"

"کیا ہو رہا ہے یہ......؟" اسے اپنے پیچھے ارمان کی آواز سنائی دی۔ ثامی نے پلٹ
کر دیکھا اور خوشی سے چلاتا ہوا اس سے لپٹ گیا۔ "آہا...... ارمان! کراچی سے کب آیا؟"

ارمان نے اسے پرے ہٹاتے ہوئے پوچھا۔ "تو یہ بتا کہ مجھ سے ملے بغیر بھاگ کر
کیوں آ گیا؟"

"یار......! تیری وہ ڈاکٹرنی سے بڑا ڈر لگ رہا تھا۔ وہ تو خیریت ہوئی کہ اس نے
گلدان پھینک کر مارا تھا۔ اگر اس کے ہاتھ میں بندوق ہوتی تو؟"

ارمان نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "اچھا...... یہ بتا کالج میں کیا ہو رہا ہے؟"

"یہ پوچھ کہ کیا نہیں ہو رہا ہے۔ چیرٹی شو کی بڑے زور شور سے تیاریاں ہو رہی
ہیں۔"

"ہم...... مابدولت کے بغیر؟"

"ارے یار! تیرے بغیر بھلا کوئی پروگرام مکمل ہو سکتا ہے۔ تجھے تو ڈرامہ سیکرٹری

ب کیا گیا ہے...... چل، اسی خوشی میں پیٹ پوجا کرا دے۔ بہت زور کی بھوک لگی
ہے۔"

"آئے دیر نہیں ہوئی اور تو نے فرمائش شروع کر دی۔"

"یاروں کو جانتے ہی ہو ہو چلو کینٹین میں۔"

وہ ارمان کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے کینٹین کی طرف لیتا چلا گیا۔

پرنسپل کے ہاتھوں میں ایک نہایت ہی خوبصورت لڑکی کی تصویر تھی اور وہ عینک
ئے بڑے غور سے اس تصویر کو دیکھ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے اپنے سامنے بیٹھے ہوئے پروفیسر احمد سے کہا۔ "اچھا...... تو
ہے ڈانسر شاہدہ؟"

"جی ہاں......" پروفیسر امجد نے جواب دیا۔

"لیکن......!" پرنسپل نے کچھ سوچتے ہوئے کہا...... "کالج کے چیرٹی شو میں ایک
چنے والی کو بلانا معیوب سی بات ہے۔"

"جی، ...... میں نے عرض کیا نا کہ یہ کوٹھوں اور کلبوں میں ناچنے والی رقاصہ نہیں
۔ یہ پشاور آرٹ سنٹر کی ایک ممتاز ممبر ہے۔ بڑے بڑے گھرانوں کی لڑکیاں اس سے
سیکھتی ہیں۔"

پروفیسر کی دلیل سے قائل ہوتے ہوئے پرنسپل نے کہا۔ "ہوں...... پھر تو ضرور
جائے اسے......"

اسی وقت روشن اور آرزو آفس میں داخل ہوئے۔

"آہا...... روشن صاحب...... آیئے، تشریف لایئے۔"

اس نے اٹھ کر گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔ روشن نے آرزو کا تعارف کراتے
ئے کہا۔ "یہ میری کزن ہیں ڈاکٹر آرزو!"

"اچھا، آپ ڈاکٹر ہیں...... مجھے آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی...... کیا آپ لاہور
پریکٹس کرتی ہیں؟"

"جی نہیں......" روشن نے کہا...... "یہ ابھی تعلیم سے فارغ ہوئی ہیں...... انہوں
، حکومت سے درخواست کی ہے کہ کسی ایسے علاقے میں انہیں کام کرنے کا موقع دیا

جائے۔ جہاں علاج اور دوائیوں کی سہولت میسر نہیں ہوتی...... تاکہ یہ مجبور لوگوں
خدمت کر سکیں۔"

پرنسپل نے آرزو کو تعریفی نظروں دیکھتے ہوئے کہا۔ "بہت ہی نیک جذبات ہ
آپ کے...... تشریف رکھئے!"

"یہ ذرا کالج دیکھنا چاہتی ہیں......" روشن نے کہا...... "ہم ابھی آتے ہیں۔ آ
جب تک اپنے کام سے فارغ ہو جائیں۔"

"کام تو مجھے آپ ہی سے ہے......" پرنسپل نے جواب دیا...... "اگر ڈاکٹر آرزو
اعتراض نہ ہو تو پروفیسر امجد انہیں کالج دکھلائیں۔"

آرزو نے مسکرا کر کہا۔ "مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟"

پرنسپل نے پروفیسر کی طرف دیکھا۔

پروفیسر نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے آرزو کو مخاطب کیا۔ "آیئے!"

آرزو اس کے ساتھ آفس سے باہر چلی گئی۔

پرنسپل نے اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے روشن سے کہا۔ "میں نے چیریٹی شو کے سل
میں آپ کو تکلیف دی ہے...... دراصل بات یہ ہے کہ پروگرام جتنا لمبا ہے' کالج کا بج
اتنا ہی مختصر ہے۔ اب آپ جیسے کرم فرماؤں کے تعاون سے ہی اسے کامیاب بنایا جا
ہے۔"

"میں ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں۔ آپ میری طرف سے بیس ہزار روپے
رقم قبول کر لیں۔"

پرنسپل نے خوشی سے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ "آپ کا بہت بہت شکریہ......
آپ سے یہی امید تھی۔"

روشن نے اپنی جیب سے چیک بک نکال کر سامنے رکھی اور ایک سخی داتا کی ط
مسکراتے ہوئے چیک پر بیس ہزار کی رقم لکھنے لگا۔

کینٹین کی ایک میز پر ارمان اور ٹامی دو لڑکوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ ا
ایک کاغذ پر کھلاڑیوں کے نام لکھ رہا تھا...... ایک لڑکے نے اعتراض کرتے ہوئے ک
"بھئی یہ ٹامی کا نام کیسے آگیا۔"

"اور اگر نام آ ہی گیا تو کون سی قیامت آگئی......!" ارمان نے کہا۔

دوسرے لڑکے نے جھنجلا کر پھر اعتراض کیا۔ "ٹامی تو ہاکی پکڑنا بھی نہیں جانتا اور
کھیلے گا۔ جی کالج کی ٹیم سے...... جانتے ہو کتنی اسٹرانگ ٹیم ہے ان کی؟"

"آج کے میچ میں کسی اناڑی کو چانس نہیں دیا جا سکتا۔"

ارمان نے ضد کرتے ہوئے کہا۔ "کوئی اناڑی چانس کے بغیر کھلاڑی نہیں بن
سکتا۔ ٹامی ضرور کھیلے گا۔"

ٹامی نے ان کی بحث و تکرار سے گھبرا کر کہا۔ "یار! بات ٹھیک ہی ہے۔ مجھے ڈراپ
کر دو۔"

ارمان نے پنسل میز پر پٹختے ہوئے کہا۔ "ٹیم کا کیپٹن میں ہوں یا تم......؟"

ٹامی پریشان ہو کر اٹھ گیا۔ "اوہو...... اب جھگڑنے والی بات شروع ہو گئی...... میں
چلا۔"

وہ جانے کے لیے کینٹین کے دروازے کی طرف پلٹ گیا۔ اسی وقت آرزو
دروازے پر آ کر رک گئی اور ارمان کی جانب دیکھنے لگی۔

"ارے باپ رے......" ٹامی گھبرا کر پھر بیٹھ گیا۔

"کیا ہوا......؟" ارمان نے پوچھا۔

"تمہاری ڈاکٹرنی......! میرے پیچھے دیکھو۔"

ارمان نے نظر اٹھا کر دیکھا تو آرزو نے اس طرح نظریں پھیر لیں۔ جیسے جانتی ہی نہ
ہو۔ وہ چپ چاپ پلٹ کر پروفیسر امجد کے ساتھ دوسری طرف چلی گئی۔

"آرزو......! اور یہاں......؟" وہ تعجب سے بڑبڑاتے ہوئے اٹھا اور ٹامی کو اپنے
ساتھ کھینچتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"یار......! کیا شامت آئی ہے جو اس کے پیچھے جا رہے ہو۔" ٹامی نے اپنا ہاتھ
چھڑاتے ہوئے کہا۔

"اے چل! ایک لڑکی سے ڈرتا ہے۔"

ارمان اسے دھکے دیتا ہوا چلنے لگا۔ ان سے کچھ فاصلے پر آرزو پروفیسر کے ساتھ جا
رہی تھی۔

ارمان نے اسے آواز دی۔ "ہیلو آرزو۔"
آرزو اور پروفیسر رک گئے اور ان کی طرف دیکھنے لگے۔
ارمان نے قریب آکر پوچھا۔ "تم یہاں کیسے آگئیں؟"
آرزو نے اسے اجنبی نظروں سے دیکھا اور پروفیسر سے پوچھا۔ "ان کی تعریف؟"
"آپ اسے نہیں جانتیں......؟" پروفیسر نے کہا...... "یہ روشن صاحب کا چھ
بھائی ارمان ہے۔"
"روشن صاحب تو بڑے شریف آدمی ہیں۔ اس طرح لڑکیوں کے پیچھے نہی
بھاگتے۔"
ارمان نے پروفیسر کی موجودگی سے جھجکتے ہوئے آرزو کو سمجھانا چاہا۔ "مذاق کا بھ
کوئی وقت ہوتا ہے۔"
"مذاق......!" آرزو نے پیشانی پر شکنیں ڈال کر کہا۔
"یعنی مان نہ مان میں تیرا مہمان...... اونہہ۔" وہ ایک شان بے نیازی سے منہ پھیر
کر چلی گئی۔
ارمان نے اسے پکارنا چاہا تو ثامی نے کہا۔ "میں سمجھ گیا۔ اب اگر اس کے پیچھے گئے
تو ہماری جوتی ہو جائے گی۔ واپس چلو۔ خیریت اسی میں ہے۔"
ارمان غصہ سے آرزو کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔
اسی وقت ایک چپڑاسی نے آکر کہا۔ "پرنسپل صاحب آپ کو بلاتے ہیں۔"
وہ جھنجلاتا ہوا آفس کی جانب چلا گیا۔
پرنسپل آفس میں بیٹھا روشن باتیں کر رہا تھا۔
اس نے ارمان کو دیکھ کر کہا۔ "ادھر آؤ...... اس تصویر کو پہچانتے ہو؟"
ارمان نے تصویر کو ہاتھ میں لے کر دیکھا اور کہا۔ "نہیں۔"
"یہ بہت مشہور رقاصہ ہے...... شاہدہ...... اسے اپنے پروگرام میں شامل کرنا ہے۔
اس کی وجہ سے ہمارا چیریٹی شو بہت کامیاب رہے گا...... تم ڈرامہ سیکرٹری کی حیثیت سے
جاؤ اور اسے ڈانس کے لیے راضی کرنے کی کوشش کرو۔"
ارمان نے وضاحت چاہتے ہوئے پوچھا۔ "اس میں رضامندی حاصل کرنے کی کیا

ت ہے۔ جب یہ ڈانس کرتی ہیں تو یہاں بھی آکر کریں گی۔"
"اوہ...... تم نہیں سمجھے...... دراصل اسے فری ڈانس کی دعوت دینی ہے۔"
"فری......!" ارمان نے سر کھجاتے ہوئے کہا...... "اگر وہ نہ مانیں تو......؟"
"کوشش کرنے میں کیا حرج ہے۔ تم اس سے کہنا یہ شو غریب طلباء کی امداد کے
لیے کر رہے ہیں...... ارمان! تم ہر ماہ ثامی جیسے غریب لڑکے کی فیس ادا کرتے ہو۔ تم اس
زبے کو اچھی طرح محسوس کرتے ہو اور اسی جذبے کے تحت تم شاہدہ کو مفت ڈانس کے
لیے آمادہ کر سکتے ہو۔"
"جی بہتر ہے۔ میں پوری کوشش کروں گا۔"
وہ تصویر لے کر آفس سے چلا آیا۔
باہر ثامی کا پتہ نہیں تھا۔ وہ تصویر کی پشت پر لکھا ہوا پتہ پڑھنے لگا۔ اسی وقت آرزو
فس کی طرف واپس آ رہی تھی۔ ارمان نے اسے کن انکھیوں سے دیکھا اور شاہدہ کی
ویر کو پلٹ کراتنے انہماک سے دیکھنے لگا۔ جیسے اس تصویر کے حسن میں کھو گیا ہو۔
آرزو اپنی موجودگی کا احساس دلاتی ہوئی وہاں سے گزر جانا چاہتی تھی۔ لیکن ارمان
ے ہاتھوں میں ایک جوان لڑکی کی تصویر دیکھ کر ٹھٹھک گئی۔ دل میں ایک کرید سی پیدا
ئی کہ ارمان......! اور ایک غیر لڑکی کی تصویر یوں ہاتھوں میں لیے پھرے...... اس سے
داشت نہ ہو سکا۔
"یہ...... کس کی تصویر ہے؟"...... اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔
"تم سے مطلب......؟" ارمان نے بے رخی کا اظہار کیا۔
"ارمان......!" اس نے غصہ سے کہا۔
"معاف کیجئے! آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں آپ کو نہیں پہچانتا۔"
ارمان ایک شان بے نیازی سے اکڑتا ہوا چلا گیا۔ آرزو نے غصہ سے ہونٹوں کو
ینچ کر اسے دیکھا اور پاؤں پٹختی ہوئی آفس کی جانب چلی گئی۔
کینٹین کے قریب پھر ثامی سے ملاقات ہو گئی۔
اس نے ارمان کے ہاتھوں سے تصویر جھپٹ کر کہا۔ "یار! کوئی نئی لفٹ ملی
ہے......؟"

"اپنی طرح مجھے بھی دل پھینک سمجھ رکھا ہے......" ارمان نے کہا۔ "اس دل تو بس آرزو ہی آرزو ہے۔"

ثامی تصویر کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

اس نے سر اٹھا کر کہا۔ "تم اس لڑکی کو جانتے ہو...... ارے یہ ہمارے شاداب کی رہنے والی ہے۔"

ارمان نے اس کے ہاتھ سے تصویر کو چھینتے ہوئے کہا۔ "تمہارے شاداب نگر نہیں' پشاور کی رہنے والی ہے۔"

"تم مجھ سے بہتر نہیں جانتے......" ثامی نے کہا۔ "ارے یہ تو مجھ پر جان ہے۔ بس اپنی عادت نہیں ہے کسی کو لفٹ دینے کی۔ ورنہ آگے پیچھے دوڑتی ہیں۔"

"بکواس شروع کر دی......؟" ارمان نے بیزار ہو کر کہا۔

"یار سچ کہتا ہوں......" ثامی نے یقین دلایا...... "اس کا تعلق پشاور آرٹ سنٹر ضرور ہے لیکن یہ میری بستی میں رہتی ہیں۔ اس کا نام شاہدہ ہے۔ کہو ہے کہ نہیں؟"

"ہاں نام تو یہی ہے......" اس نے قائل ہو کر کہا۔

"کام کیا ہے' جو تصویر لیے پھر رہے ہو؟"

"اسے مفت ڈانس کے لیے انوائیٹ کرنا ہے۔"

"یہ کون سی بڑی بات ہے؟"

"تیار ہو جائے گی......؟" اس نے خوش ہو کر پوچھا۔

"کچے دھاگے میں بندھی آ جائے گی۔ تم بے فکر رہو۔"

ارمان نے اس کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ تمہارے آگے گھاس ڈالنے لگی ہیں۔"

ثامی نے ایک سرد آہ بھر کر دل ہی دل میں کہا۔ "کاش کہ گھاس ڈالنے کے کوئی آ جاتی۔"

"کیا بات ہے' ٹھنڈی آہیں کیوں بھر رہا ہے؟"

"گھاس مہنگی ہو گئی ہے۔" ثامی نے آہستہ سے کہا اور اس کے ساتھ آ گیا۔

عصمت عینک لگائے بیٹھی تھی اور آفس کا مینجر اسے مہینے بھر کا حساب سمجھا رہا تھا۔ حالانکہ سارا کاروبار روشن کے ہاتھ میں تھا۔ لیکن جب سے پچاس ہزار روپے کا نقصان ہوا تھا۔ تب سے عصمت کچھ محتاط ہو گئی تھی۔ روشن نے اپنی طرف سے یہ سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ تیس ہزار روپے ایک ملازم نے غبن کر لیے ہیں اور بیس ہزار کی ادائیگی مختلف گاہکوں کی طرف باقی ہے...... لیکن عصمت کو نہ جانے کیوں اس کی باتوں میں کھوٹ نظر آیا تھا۔

ماں نے محسوس کیا کہ بیٹا جوانی میں قدم رکھتے ہی بدل گیا ہے۔ باپ کے مرنے کے بعد کاروبار ہاتھ میں آیا ہے تو یہ تبدیلی کافی حد تک اور نمایاں ہو گئی ہے۔ پہلے وہ رات کا کھانا گھر میں ہی کھایا کرتا تھا۔ اب نہ جانے کن دوستوں کی محفل میں رہتا تھا کہ کھانے کا تو کیا' سونے کا بھی اسے ہوش نہیں رہتا تھا۔

ایک ملازم سے خفیہ طور پر پتہ چلا تھا کہ وہ دوستوں کی محفل میں جوا کھیلتا ہے اور شراب پیتا ہے۔ روپے غبن نہیں کیے گئے۔ بلکہ جوئے میں ہارے گئے ہیں لیکن عصمت نے بیٹے سے پوچھ گچھ نہیں کی...... اس لیے کہ مجرم کبھی اقرار جرم نہیں کرتا۔ کبھی ٹھوس ثبوت ملنے پر ہی گرفت میں آتا ہے اور روشن اتنا محتاط تھا کہ وہ کبھی شراب پی کر گھر نہیں آتا تھا۔ وہ کاروبار کے سلسلے میں کسی دوسرے شہر جانے کا بہانہ کرتا اور کسی کلب یا ہوٹل میں جا کر اپنی راتوں کو رنگین بنا لیا کرتا تھا...... یہ تمام باتیں عصمت کو ایک ملازم نے بتائی تھیں۔

اپنے لخت جگر کو بدکار تسلیم کر لینا اتنا آسان نہیں تھا۔ ایک ماں کا دل نہیں مانتا تھا کہ وہ ملازم کی بات کا اعتبار کر لے۔ اس لیے وہ احتیاط برت رہی تھی اور بیٹے پر کڑی

نگرانی رکھنے کے لیے ہرماہ مینجر سے آمدنی اور اخراجات کا حساب لیا کرتی تھی۔

آج بھی اس نے حساب دیکھنے کے بعد مینجر سے پوچھا۔ "یہ سات ہزار رو
کہاں ہیں۔ یہ نہ تو گھر میں آئے ہیں اور نہ ہی بینک میں جمع ہوئے ہیں۔"

"مجھے نہیں معلوم ہے بیگم صاحبہ! روشن صاحب خود ہی تمام رقمیں بینک میں
کراتے ہیں۔ مجھے ان سات ہزار روپوں کی رسید اب تک نہیں ملی ہے۔"

"ہوں......!" وہ سوچ میں گم ہوگئی۔

مینجر اس سے اجازت لے کر چلا گیا۔ وہ بھی اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف جا
لگی۔ ڈرائینگ روم کا زینہ طے کرنے کے بعد پہلے آرزو کا کمرہ آتا تھا۔ روشن اس کمر
میں موجود تھا اور کسی بات پر آرزو کے ساتھ قہقہے لگا رہا تھا۔

وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ اس کے ذہن میں پہلی بار یہ خیال آیا کہ آر
جب سے آئی ہے۔ روشن اپنا زیادہ وقت گھر ہی میں گزارتا ہے۔ آج کل راتوں کو بھی با
نہیں رہتا...... کیا آرزو اسے گمراہی سے بچا سکتی ہے؟

آرزو کے قہقہے عصمت کو اس بات کا یقین دلا رہے تھے کہ وہ لڑکی بھی روشن ۔
اچھی طرح گھل مل گئی ہے۔ شاید اسے پسند بھی کرنے لگی ہے۔

عصمت نے قریب سے گزرتے ہوئے ایک ملازم کو روک کر کہا۔ "روشن
میرے کمرے میں بھیج دو۔"

"جی بہت اچھا!......" ملازم نے ادب سے کہا اور آرزو کے کمرے کی جانب
گیا۔

عصمت نے اپنے کمرے میں قدم رکھتے ہوئے سامنے آتش دان کی طرف دیکھا
وہاں آتش دان کے اوپر دونوں بیٹوں کی تصویریں رکھی ہوئی تھیں۔

ارمان کا مسکراتا ہوا چہرہ کہہ رہا تھا۔ "امی!...... آرزو تو میرے ساتھ بھی قہقہے لگا
ہے۔ کیا ہوا اگر ہم آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں۔ یہ تو ہمارے بچپن کی عاد
ہے۔"

عصمت ایک گہری سانس لے کر رہ گئی۔ اسی لیے تو اس نے اپنے بھائی جان ۔
کہا تھا کہ آرزو جسے پسند کرے گی۔ شادی اسی لڑکے سے ہوگی۔

"آپ نے مجھے بلایا ہے......؟" روشن نے کمرے میں داخل ہو کر پوچھا۔

"ہاں......! مینجر ابھی آیا تھا۔"

"اوہ...... میں سمجھ گیا......" روشن نے مسکرا کر کہا...... "آپ شاید سات ہزار
روپے کا حساب پوچھنا چاہتی ہیں۔"

"ہاں۔"

"وہ' میں نے اپنے ذاتی اکاؤنٹ میں جمع کیا ہے۔"

عصمت نے کہا...... "تو پھر ارمان کے ذاتی اکاؤنٹ میں بھی سات ہزار کی رقم جمع
ہونی چاہئے۔"

روشن نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ "میں نے کب انکار کیا ہے...... لیکن امی! آپ
ذرا ذرا سی بات میں ارمان کو شہ دیتی ہیں کہ وہ میری برابری کرے۔"

"برابری کیوں نہ کرے۔ کیا اپنے باپ کی جائیداد میں وہ برابر کا حقدار نہیں ہے؟"

"ضرور ہے...... لیکن محنت میں بھی برابر کا شریک ہونا چاہئے۔ مگر اسے تو پڑھنے
لکھنے سے ہی فرصت نہیں ملتی۔"

"وہ تعلیم حاصل کرتے ہوئے بھی تمہارا ہاتھ بٹا سکتا ہے۔ لیکن یہ اسی وقت ہو
سکتا ہے۔ جب تم اسے موقع دو۔"

"اس کاروبار میں اتنی گنجائش نہیں ہے امی! کہ دو بھائی شراکت میں منافع حاصل
کر سکیں۔ آپ اسے کچھ رقم دے دیں۔ وہ نیا کاروبار کرے گا۔"

عصمت نے اسے گہری نظروں سے دیکھا۔ اس کی باتوں سے صاف ظاہر تھا کہ وہ
اپنے منافع میں ارمان کو شریک نہیں کرنا چاہتا ہے۔

"تم نے ٹھیک کہا ہے...... بہتر یہی ہے کہ میرے جیتے جی ارمان اپنے پیروں پر کھڑا
ہو جائے۔ میں نہیں چاہتی کہ میرا کوئی بیٹا۔ ایک دوسرے کے مقابلہ میں خود کو کمتر محسوس
کرے...... تم یہ بتاؤ کہ تم نے اس کاروبار کو جب اپنے ہاتھوں میں لیا تھا' تب اس دکان
میں کتنے روپے کا مال تھا؟" عصمت نے پوچھا۔

"تقریباً بیس لاکھ روپے کا مال تھا......" اس نے جواب دیا۔

عصمت نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔ "ٹھیک ہے...... ارمان کو بھی تین لاکھ

روپے دیئے جائیں گے۔"

"جی......!" اس نے چونک کر کہا...... "بیس لاکھ...... وہ...... وہ تو کاروبار کے معا
میں بالکل اناڑی ہے۔ یہ رقم ڈبو دے گا۔"

"کاروبار سنبھالتے وقت پہلی بار تم بھی اناڑی تھے۔ میں نے کبھی تم سے یہ با
نہیں کہی۔"

"پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں...... میں اگر کاروبار میں کامیاب ہو گیا ہو
اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ بھی کامیاب ہو جائے۔" روشن نے کہا۔

"ہاں...... پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔ تم اگر پچاس ہزار کا نقصان کر بیٹھے تو یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ بھی نقصان کر بیٹھے۔" عصمت نے طنزیہ کہا۔

روشن نے لاجواب ہو کر سر جھکا لیا۔ "جاؤ...... اور ایک ہفتے کے اندر ارمان اکاؤنٹ میں تیس لاکھ روپے ٹرانسفر کر دو۔"

روشن نے سر اٹھا کر دیکھا' اسی وقت اس کی نظر ارمان کی تصویر پر پڑی۔ ا
محسوس ہوا۔ جیسے وہ تصویر اس کی بے بسی پر مسکرا رہی ہے اور اس کا منہ چڑا رہی ہے۔

وہ تیزی سے پلٹ گیا اور جھنجلاتا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔

شاہدہ پاؤں میں گھنگھرو باندھتے باندھتے رک گئی۔

اسے اپنی ماں کی ایک بات یاد آ گئی تھی...... ماں نے پہلی بار اسے گھنگھروؤں کا ایک جوڑا دیتے ہوئے کہا تھا۔

"جو لڑکی گھنگھروؤں کی آواز سنتی ہے' اسے شہنائی کی آواز کبھی سنائی نہیں دیتی...... تم کبھی شادی کے خواب نہ دیکھنا۔ تمہاری زندگی میں تمہاری پسند کا ہر مرد آ سکتا ہے۔ لیکن وہ تمہارا شریک حیات کبھی نہیں بنے گا۔"

بظاہر وہ کوٹھے پر ناچنے والی طوائف نہیں تھی۔ بلکہ پشاور آرٹ سنٹر میں ایک فنکارہ کی حیثیت سے مقبول تھی اور کلچرل پروگراموں میں اپنے فن کا مظاہرہ کیا کرتی تھی۔ اس کی ماں نے بڑی ہی دوراندیشی سے کام لیا تھا۔ اونچی سوسائٹی میں مقام حاصل کرنے کے لیے اس نے بہت عرصہ پہلے ہی کوٹھے کی زندگی کو خیرباد کہہ دیا تھا اور شاداب نگر میں ایک کوٹھی خرید کر خاندانی رئیسوں کی طرح رہنے لگی تھی۔ شاہدہ کو اس نے اعلیٰ تعلیم دلائی تھی۔ لیکن تعلیم کے ساتھ اس بات کا خیال رکھا تھا کہ وہ طوائفوں کی روایات کو بھولنے نہ پائے۔

اس کی اداؤں میں وہی دل لبھانے والا انداز تھا۔ جسے دیکھ کر کئی منچلے رئیس اس پر مرمٹتے تھے۔ شاہدہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اس نے جس خاندان میں جنم لیا ہے۔ وہاں لڑکیاں روپے کمانے کی مشین سمجھی جاتی ہیں۔ اس لیے وہ اپنے عاشقوں کے قیمتی تحفوں کو اپنی خاندانی روایات کے مطابق قبول کر لیا کرتی تھی۔

لیکن ذہن کے ایک گوشے میں جہاں تعلیم کی روشنی تھی اور دل کے ایک خانہ میں جہاں عورت پن کا ایک احساس ابھی زندہ تھا۔ وہاں اکثر ایک بے چینی سی رہتی تھی۔

جس طرح کیچڑ میں کنول کھلتا ہے۔ اسی طرح اس کے دل کی غلاظت سے کبھی کبھی ایک خوشبو امنڈتی تھی۔ لیکن اس کے باوجود...... والدین نے اس کی پرورش میں جو کثیر رقم خرچ کی تھی۔ وہ اس رقم کو قسط وار لوٹا رہی تھی۔ اپنے عاشقوں کی جیب سے......"

اس نے اپنے دوسرے پاؤں میں گھنگھرو کو باندھ لیا اور ریہرسل کے لیے کھڑی ہوگئی۔ وہ ڈرائنگ روم میں تنہا تھی۔ ماں اپنے کمرے میں شراب سے شغل کر رہی تھی اور باپ راکٹ کے نشے میں مدہوش تھا۔ اس نے سر اور تال کے لیے ٹیپ ریکارڈر کی جانب ہاتھ بڑھایا لیکن پھر رک گئی۔ کال بیل کی آواز آ رہی تھی۔ باہر شاید کوئی آیا تھا۔

"چھم...... چھم...... چھم......" وہ لہراتی ہوئی کھڑکی کے قریب گئی اور باریک سی جالی کے پرے دیکھا۔

دروازے پر ثامی کھڑا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ اور بھی کوئی تھا۔ جس کی پشت نظر آ رہی تھی۔ ریہرسل کے وقت وہ ہمیشہ مہمانوں کو ٹال دیا کرتی تھی لیکن ثامی کو دیکھ کر اس کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ اس کے بہت سارے عاشقوں کی طرح ثامی بھی ایک بیوقوف عاشق تھا۔ اس کی جیب میں کبھی پیسے نہیں ہوتے تھے لیکن وہ ہنساتا خوب تھا۔ دوسروں کی طرح وہ کبھی درد سر بن کر نہیں آتا تھا لیکن وہ دوسرا شخص کون ہے؟

کال بیل کی آواز پھر گونجی۔

"چھم...... چھم...... چھم......" گھنگھرو بجتے ہوئے دروازے تک پہنچے۔ شاہدہ نے چلمن کے پرے دیکھا۔ اس کے سامنے ایک خوبصورت، وجیہہ اور قدآور نوجوان کھڑا ہوا تھا۔

وہ ایک گہری سانس لے کر رہ گئی۔

کیا مرد ایسے بھی ہوتے ہیں کہ لڑکیاں دیکھیں تو دم بھر کے لیے سانس رک جائے۔

"ثامی......!" شاہدہ نے چڑھتی ہوئی سانسوں کے درمیان پکارا۔

چلمن کے باہر ثامی نے لکھنوی انداز میں خم ہو کر کہا۔ "تمہارا خادم......!"

"باہر کیوں کھڑے ہو...... چلے آؤ......!"

ثامی چلمن ہٹا کر ارمان کے ساتھ اندر چلا آیا۔

"یہ میرے دوست ہیں...... ارمان علی، مشہور ریڈیو سنگر۔"

"اوہ......!" شاہدہ نے حیرت اور خوشی کا اظہار کیا۔ "آپ کے گیتوں کی تو بڑی شہرت ہے۔"

ارمان نے مسکرا کر کہا۔ "اور میں آپ کی شہرت سن کر یہاں آیا ہوں۔"

"ناچیز کی عزت افزائی ہے۔ تشریف رکھئے......" اس نے صوفے کی جانب اشارہ کیا۔

پھر ان کے بیٹھنے کے بعد کہا۔ "بلاتکلف کہئے ٹھنڈا پئیں گے یا گرم؟"

"نہیں، آپ تکلیف نہ کریں۔" ارمان نے کہا۔

شاہدہ نے میٹھی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "تکلیف تو اس وقت ہوگی، جب آپ مجھے خدمت کا موقع نہیں دیں گے۔"

"تو پھر ٹھنڈا پانی پلا دیجئے۔"...... ارمان نے مسکرا کر کہا۔

"صرف ٹھنڈا پانی......؟" اس نے ایک ادا سے کہا۔ "اگر میں اس میں تھوڑی سی مٹھاس گھول دوں تو......؟"

"صرف اپنی انگلیاں ڈبو دینا۔" ثامی نے کہا۔

"پانی آپ ہی شربت بن جائے گا۔"

شاہدہ نے قہقہہ لگاتے ہوئے ملازم کو آواز دی کہ دو گلاس شربت لے آئے۔

ارمان نے اس پر ایک سرسری سی نظر ڈالی۔ وہ چوڑی دار پاجامہ پر ململ کا کرتہ پہنے ہوئی تھی۔ باریک کرتے کے پیچھے سے انگیا سانس لے رہی تھی۔ ڈوپٹہ بھی ململ کا تھا لیکن نہ ہونے کے برابر تھا۔ کیونکہ باتوں کے دوران وہ شانوں سے پھسلتا ہوا ہاتھوں پر آ کر رک گیا تھا۔

ثامی نے پاؤں میں بندھے ہوئے گھنگھروں کو دیکھ کر کہا۔ "تم شاید، ریہرسل کر رہی تھیں۔"

"ہاں......!"

"پھر تو ہم بے وقت آئے ہیں۔"

"نہیں......! اس نے ارمان کو دیکھتے ہوئے کہا...... "ٹھیک وقت پر آئے ہو۔"

وہ ایک دائرے کی صورت میں گھومتی ہوئی ٹیپ ریکارڈر کے پاس آئی اور اس
بٹن دباتی ہوئے کہنے لگی۔ "آج تو ان پیروں سے پہلے ہی دل ناچ رہا ہے۔ جی چاہتا ہے ک
اتنا ناچوں...... اتنا ناچوں...... کہ ٹوٹ کر کسی کے قدموں میں بکھر جاؤں۔

ٹیپ ریکارڈر سے موسیقی ابھرنے لگی۔ طبلے کی تال پر گھنگھروؤں نے چھما چھم
اور اس کا جسم مستی میں لہرانے لگا۔

وہ جھوم جھوم کر ناچ رہی تھی۔ اس کے جسم میں جیسے ہڈیاں نہیں تھیں‘ وہ جہا
سی چاہتی تھی۔ سانپ کی طرح بل کھا جاتی تھی...... بل کھاتی ہوئی وہ ارمان کو چھو کر ا
نگاہوں کی بجلی گرا کر ایک ادا سے پلٹ جاتی تھی۔

ارمان محویت سے دیکھ رہا تھا۔

اس کے رقص میں‘ بہکی ہوئی جوانی کی ترغیب تھی۔

مچلتے ہوئے جذبات انگ انگ سے پھوٹ رہے تھے۔

جسم کا ایک ایک حصہ شعلے کی طرح لپک کر کہہ رہا تھا کہ آج کا رقص ارمان ک
لیے...... اور صرف ارمان کے لیے ہے۔

مور کبھی کبھی مستی میں آ کر ناچتا ہے اور خوشی سے اپنے سارے پنکھ کھول د
ہے۔ آج اس نے بھی اپنے جذبات کے سارے پروں کو کھول دیا تھا اور مستی میں آ
ہوئی مورنی کی طرح ارمان کے سامنے بے خود ہوئی جا رہی تھی۔

رقص کے اختتام پر وہ بہکتی‘ لڑکھڑاتی ہوئی آئی اور ارمان کے قدموں کے قریب
ایک پجارن کی طرح شیش نوا کر بیٹھ گئی۔ جیسے دیوتا کے سامنے اس کی پوجا سپھل ہوا
ہو۔

"واہ...... واہ......!" ارمان نے داد دیتے ہوئے کہا...... "جتنی تعریف سنی تھی‘ اس
سے بھی زیادہ آپ کے فن کا کمال دیکھ لیا...... سچ پوچھئے تو دل جھوم اٹھا ہے۔"

ثامی نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا۔ "اور میں تو جھوم جھوم کر لڑکھڑا رہا ہوں۔"

وہ جھومتا اور لڑکھڑاتا ہوا۔ شاہدہ کے قریب بیٹھ گیا۔

شاہدہ نے مسکراتے ہوئے اس سے پوچھا۔ "اتنی مدت کے بعد کہاں سے ب
ہوئے آ گئے؟"

"آیا نہیں‘ لایا گیا ہوں...... یہ ارمان مجھے یہاں لے کر آیا ہے۔"

شاہدہ نے خوش ہو کر ارمان کو دیکھا اور اس کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"آپ نے یہاں آنے کی زحمت کیسے گوارا کی۔ مجھے حکم دیتے...... میں خود چلی آتی۔"

ارمان نے اس کے ہاتھوں پر ایک نظر ڈالی جو اسے چھو رہے تھے اور اجنبیت کے
تمام پردوں کو چاک کر رہے تھے۔

اس نے مسکرا کر کہا۔ "میں حکم تو دے نہیں سکتا‘ آپ سے التجا کر سکتا ہوں۔"

"اوں ہونہہ......!" اس نے چہرے کو ایک دلکش زاویہ میں گھما کر کہا...... "التجا
میں اپنائیت نہیں ہوتی‘ غیریت ہوتی ہے۔"

"اور حکم صادر کرنے میں آقائیت کا احساس ہوتا ہے......" اس نے مسکرا کر
کہا...... "آپ مجھ سے برتر نہیں ہونا چاہتیں اور میں آپ کو کسی طرح کمتر نہیں سمجھتا۔"

اس نے جذبات سے مسکرا کر کہا۔ "تو پھر کیوں نہ ہم ایک سطح پر بیٹھ کر بات
کریں...... میں آپ کو آپ نہ کہوں اور تم مجھے تم کہہ کر مخاطب کرو۔"

"ہیئر...... ہیئر......!" ثامی نے تالی بجا کر ارمان سے کہا۔ "یہ ہے شاہدہ کی
فراخدلی...... اب تم بلا جھجک اپنا مدعا بیان کرو۔"

ارمان نے اپنا مدعا بیان کرتے ہوئے کہا۔ "ہم غریب بچوں کی تعلیم کے لیے ایک
چیریٹی شو کر رہے ہیں۔ اگر تم......"

وہ "تم" کہتے ہوئے جھجک گیا۔

شاہدہ نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے اس کی طرف جھک کر کہا۔ "ہاں......
میں......؟ میں کیا کر سکتی ہوں۔"

"تم اگر اس چیریٹی شو میں رقص کرنا پسند کرو تو ہمارا پروگرام بلاشبہ کامیاب
ہوگا...... میں تمہیں ایک نیک کام کی دعوت دینے آیا ہوں۔"

شاہدہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "تم میرے رقص کے شیدائی ہو
اور میں تمہارے گیتوں کی پرستار!...... ایک فنکار دوسرے فنکار کی خواہشوں کو کبھی نہیں
ٹھکراتا۔ میں آؤں گی اور ضرور آؤں گی۔"

ثامی نے خوش ہو کر پوچھا۔ "سچ......!"

اس نے مسکراتے ہوئے ثامی کو جواب دیا۔ "ہاں...... یہ تمہارے دوست بھی ہ
اور میرے مہمان بھی۔ تم انہیں لے کر آئے ہو تو تمہاری دوستی کی آبرو بھی رہے گی ا
میری میزبانی کی لاج بھی...... میں ناچوں گی...... اور ضرور ناچوں گی۔

"وہ تو کسی ناچنے والی کے پاس گیا ہے۔ ایسی جگہ پہنچ کر کوئی اتنی جلدی واپس نہی
آتا۔" روشن نے یہ بات عصمت سے کہی اور اس کا ردعمل آرزو کے چہرے پر دیکھنے لگا

اس وقت وہ لان کے ایک گوشے میں کرسیاں ڈالے بیٹھے ہوئے تھے اور ان ـ
سامنے میز پر مختلف قسم کے حلوے کی پلیٹیں رکھی ہوئی تھیں۔ شب برات کی خوشی م
تمام کوٹھی رنگ برنگے قمقموں سے جگمگا رہی تھی۔ سامنے ہی لان کے وسیع قطعہ م
آتش بازی کا انتظام کیا گیا تھا۔ گھر میں کوئی بچہ تو نہیں تھا کہ آتش بازی کے تماشے ـ
لطف اندوز ہوتا...... پھر بھی عصمت اپنے مرحوم خاوند کے وقتوں کی روایات دہراتی رہت
تھی اور اس کے لیے محلے کے تمام بچوں کو مدعو کیا کرتی تھی کہ وہ حلوہ بھی کھائیں او
آتش بازی کا تماشہ بھی دیکھیں۔

تمام انتظامات مکمل تھے صرف ارمان کا انتظار تھا۔ وہ ماں سے وعدہ کر کے گیا تھا کہ
شب برات کی شام سے پہلے واپس آ جائے گا۔

روشن کی بات سن کر عصمت نے اسے کڑی نظروں سے دیکھا اور تنبیہ کے انداز
میں کہا۔ "روشن...... سوچ سمجھ کر بات کیا کرو۔ وہ ایسے گرے ہوئے خیالات کا لڑکا نہیں
ہے کہ کسی ناچنے والی کے پاس جائے گا۔ وہ ڈرامہ کے سلسلے میں کسی آرٹسٹ کے پاس گیا
ہے۔"

روشن نے طنزیہ مسکراہٹ سے کہا۔ "آج کل صرف اداکاروں کو آرٹسٹ نہیں
کہا جاتا...... ناچنے والیوں کو بھی آرٹسٹ کے خوبصورت نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ کالج کے
پرنسپل نے میرے سامنے اس رقاصہ کی تصویر اسے دی تھی۔

آرزو کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ اس نے خود اس تصویر کو ارمان کے ہاتھوں میں
دیکھا تھا...... دیکھا کیا تھا۔ اچھی طرح دیکھنا چاہا تھا لیکن ارمان نے اسے دکھانے سے انکار
کر دیا تھا۔

آرزو کا چہرہ پھیکا پڑ گیا...... جلتے بجھتے قمقموں کی روشنی اس کے چہرے کو منور کرنے

ی ناکام کوشش کر رہی تھیں۔

عصمت روشن پر بگڑ رہی تھی کہ رقاصہ کی تصویر دیکھنے کے بعد اس نے ارمان کو
ہاں جانے سے کیوں نہیں روکا تھا۔

"ارمان کوئی بچہ تو نہیں ہے کہ میں اسے روکتا۔ آپ اسے تیس لاکھ روپے دے
کر کاروبار کرانا چاہتی ہیں تو پہلے آپ کو اچھی طرح سوچ سمجھ لینا چاہئے کہ روپے کاروبار
یں لگائے جائیں گے یا کسی رقاصہ پر نچھاور کیے جائیں گے۔"

آرزو نے چونک کر روشن کو دیکھا۔ بات صرف اتنی سی تھی کہ ارمان ڈرامہ کے
سلسلے میں کسی رقاصہ کے پاس گیا ہے اور وہ بھی پرنسپل کی ہدایت پر...... لیکن روشن اسے
لط رنگ دے رہا تھا اور ماں کو یہ سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اسے کاروبار کے لیے
ھاری رقم نہ دی جائے۔ اس کی باتوں سے حاسدانہ جذبہ صاف طور پر نمایاں تھا۔

اتنے میں ایک ٹیکسی پورچ تک آ کر رک گئی۔ ارمان ٹیکسی سے اتر رہا تھا۔
صمت نے اس کی طرف غصہ سے دیکھا۔

آرزو نے فوراً ہی عصمت کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "آنٹی......! آپ
ان سے کچھ نہ کہیں' میں انہیں سمجھا دوں گی۔"

عصمت نے اس کا ہاتھ بڑے پیار سے اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا۔ "اچھا......! تم
تی ہو تو کچھ نہیں کہوں گی۔"

محلے کے بچے لان میں کھیل رہے تھے۔ انہوں نے ارمان کو دیکھتے ہی چیخنا شروع کر
کہ اب آتش بازی شروع ہونی چاہئے۔

"لیجئے! آپ کا ننھا بیٹا آ گیا۔ آتش بازی شروع کر دیجئے۔"

"چلو ہٹو......! عصمت نے اسے اپنے سے الگ کرتے ہوئے کہا۔

"تمہیں اتنا بھی خیال نہیں رہا کہ آج شب برات ہے' جلدی واپس آنا چاہئے۔"

"اوہ...... امی! کیا بتاؤں' بس کا حادثہ ہوتے ہوتے رہ گیا۔ ٹائر برسٹ ہو گیا تھا۔"

اس نے آرزو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا...... "پتہ نہیں کسی لڑکی نے بددعا دی
ہے۔"

آرزو جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور ناراضگی کا اظہار کرتی ہوئی وہاں سے چلی

گئی...... اسے یقین تھا کہ ارمان اس کے پیچھے ضرور آئے گا۔

عصمت نے خفگی سے کہا۔ "تم نے پھر آرزو کو ناراض کر دیا۔"

"ناراضگی کیسی امی!...... آپ تین تک گنیئے، میں ابھی منا کر لے آتا ہوں۔"

یہ کہتا ہوا وہ آرزو کے پیچھے چلا گیا...... روشن بے چین ہو کر پہلو بدلنے لگا۔

"امی......!" اس نے کہا...... "ارمان کو بلا کر پہلے اسے حلوہ کھانے کہیئے...... اتنی دور سے تھک کر آیا ہے۔"

عصمت نے اسے حیرت سے دیکھا کہ عجیب لڑکا ہے۔ کبھی تو ارمان کے نفرت کرتا ہے اور کبھی محبت سے حلوہ کھلانے کو کہتا ہے۔

"حلوہ کہیں بھاگا جا رہا ہے......؟" عصمت نے کہا...... "وہ ابھی آ کر کھالے

روشن لاجواب ہو کر رہ گیا اور وہاں سے اٹھنے کا کوئی بہانہ ڈھونڈنے لگا۔

آرزو کوٹھی کے بائیں طرف بنے ہوئے ایک کاٹیج کی طرف آ گئی تھی۔ ا پلٹ کر نہیں دیکھا لیکن وہ جانتی تھی کہ اس کا محبوب اسے منانے کے لیے ضرور آ قدموں کی چاپ سن کر اس نے ارمان کو دیکھے بغیر کہا۔ "میرے پیچھے کیا ہو؟"

ارمان نے ہنستے ہوئے کہا۔ "غصہ تو تمہاری ناک پر رہتا ہے۔ کبھی میرے مسکرا دیا کرو۔"

"ڈانسر کے پاس جاؤ، وہی تمہارے لیے مسکرائے گی۔"

"آہا...... کس کافر حسینہ کی یاد دلائی ہے......" اس نے لہک کر کہا۔

"میں تو تم سے کہنا ہی بھول گیا...... کیا بتاؤں، ایسا غضب کا ناچتی ہے۔ چمک رہی ہو۔"

آرزو اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھنے لگی۔ ارمان اپنی رو میں بڑبڑا تھا۔

"اور اس کا حسن...... آہاہا...... چراغ لے کر ڈھونڈو تو سارے جہان میں نہیں ملے گی......"

آرزو نے غصہ سے پاؤں پٹخ کر کہا۔ "تمہیں تو مل گئی ہے۔"

وہ جھنجلا کر جانے لگی، ارمان نے اس کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔

"ہاں مل گئی ہے اور وہ اس وقت میرے بالکل قریب ہے۔"

اس نے خود کو چھڑانا چاہا...... لیکن اسی وقت اتنی زور کا دھماکہ ہوا کہ وہ مارے خوف کے اس سے لپٹ گئی۔ دور لان کی طرف بچے خوشی سے چیخ رہے تھے اور تالیاں بجا رہے تھے...... آتش بازی شروع ہو چکی تھی۔

آرزو اس کی گرفت سے نکل نہ سکی۔ دھماکہ لان میں نہیں ہوا تھا۔ ان کے دلوں میں ہوا تھا۔ دونوں کے دل ایک دوسرے کے بالکل قریب دھڑک رہے تھے۔

"شائیں......!" ایک ہوائی سرسراتی ہوئی آسمان کی بلندیوں تک گئی اور ہلکی ہلکی آوازوں سے پھٹنے لگی۔ اس میں سبز، سرخ اور نارنجی رنگ کی شعاعیں پھوٹتی ہوئی زمین کی طرف آنے لگیں...... ان تمام رنگوں کا عکس آرزو کے چہرے پر پڑ رہا تھا۔

پہلے اس کا چہرہ ہلکا سبز ہو گیا...... سبز رنگ میں ٹھنڈک ہوتی ہے۔ اس کا غصہ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

پھر اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ جیسے حیا کی لالی پھیل گئی ہو...... ارمان کے سینے سے لگی، وہ شرما رہی تھی۔

اور...... پھر اس کا چہرہ نارنجی ہو گیا۔ جیسے دہکتا ہوا انگارہ ہوتا ہے...... شاید...... جذبات ہولے ہولے آنچ پکڑ رہے تھے۔

"آرزو......!" ارمان نے بے ترتیب سانسوں کے درمیان سرگوشی کی۔

"جاؤ...... میں تم سے نہیں بولتی......" وہ بڑے پیار سے بولی۔

"کیوں......!"

"تم مجھے ستاتے جو ہو۔"

"چلو، اب نہیں ستاؤں گا، غصہ تھوک دو!"

"وعدہ......!"

"وعدہ......!" ارمان نے ہاتھ ملا کر وعدہ کو پختہ کرنا چاہا۔

آرزو نے بھی ہاتھ بڑھاتے ہوئے اپنی مٹھی کھول دی...... "یہ کیا......؟" ارمان نے دیکھا...... اس کی ہتھیلی پر حلوے کا ایک ٹکڑا رکھا ہوا تھا۔

"یہ تمہارے لیے ہے......" آرزو نے مسکرا کر کہا..... "میں جانتی تھی کہ میرے پیچھے آؤ گے...... اس لیے تمہارا منہ میٹھا کرنے کے لیے لے آئی۔"

ارمان نے مسکراتے ہوئے حلوے کے اس ٹکڑے کو اٹھایا اور آرزو کی طرف بڑھا دیا۔

"اوں ہونہہ...... پہلے تم......!" آرزو نے کہا۔

"نہیں...... پہلے تم!" اس نے ضد کی۔

آرزو کے گلابی ہونٹ ذرا سا کھلے۔ سفید چمکیلے دانت موتیوں کی طرح جگمگائے اور اس نے حلوے کا تھوڑا سا حصہ منہ میں رکھ لیا۔

وہ ہولے ہولے چبا رہی تھی۔ اس کے نچلے رس بھرے ہونٹ پر ذرا سا حلوہ لگا ہوا تھا۔

ارمان نے اسے شوخی سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "آرزو...... تمہارے ہونٹوں پر حلوہ لگا ہوا ہے۔"

آرزو نے ہونٹوں کو پونچھنے کے لیے اپنا ہاتھ اٹھایا لیکن ارمان نے اس کے ہاتھ کو تھام کر آہستگی سے کہا۔ "رہنے دو...... ابھی میں نے حلوہ نہیں چکھا ہے۔"

آرزو نے شرما کر گردن جھکا لی...... ارمان نے بڑی محبت سے اور بڑی نرمی سے اس کی ٹھوڑی کو اوپر اٹھایا۔ اس نے لجا کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔ ارمان حلوے کی مٹھاس پر جھک گیا۔

"شائیں...... شائیں......" دو ہوائیاں تیزی سے بلندی کی طرف گئیں۔ آپس میں ٹکرائیں اور رنگوں کی شعاعیں بکھیرنے لگیں۔

روشن ٹھٹھک کر رہ گیا۔ وہ لان سے ذرا آگے بڑھ کر آرزو کی طرف ہی جا رہا تھا کہ قدم اچانک رک گئے...... دور کاٹیج کے قریب سبز روشنی میں دو سائے گڈمڈ نظر آ رہے تھے......پھر سرخ روشنی میں وہ اور واضح ہو گئے۔ روشن کے ذہن میں کئی ہتھوڑے کی چوٹیں پڑتی چلی گئیں۔

"ٹھائیں...... ٹھائیں...... ٹھائیں......" پٹاخے پھوٹ رہے تھے۔

"سر...... سر...... سر...... سر......" گول آتشی چکر اتنی تیزی سے گھوم رہا تھا اور

ں کے رنگ برنگا عکس روشن کے چہرے پر سے گزرتا جا رہا تھا اور اس کی آنکھوں کو ناک بناتا جا رہا تھا۔

"ٹھائیں...... ٹھائیں...... ٹھائیں......" آتشی پتلا زوردار آواز سے پھٹنے لگا۔ پہلے اس ، ہاتھ پاؤں پٹاخوں سے ادھڑتے گئے۔ پھر اس کا چہرہ ایک دھماکے سے پھٹا اور وہ پتلا ں کی دھجیوں میں جھول کر رہ گیا۔

روشن کا چہرہ بھی پتلے کی طرح بے جان نظر آ رہا تھا۔

شاہدہ کو پرنسپل کی کوٹھی میں ٹھہرایا گیا تھا۔ بوڑھا پرنسپل اپنی کوٹھی میں تن
تھا۔ اس نے اوپری منزل کو شاہدہ کے لیے مخصوص کر دیا۔ ارمان کا بھی یہی خیال
شاہدہ کو ہوٹل سے زیادہ یہاں آرام ملے گا...... جب ارمان کا یہ خیال تھا تو پھر شاہد
کی ہم خیال کیوں نہ ہوتی۔

"تم مجھے کسی کٹیا میں رہنے کے لیے کہو گے تو بھی انکار نہیں کروں گی۔"
نے اسے محبت سے دیکھتے ہوئے کہا...... "لیکن ایک شرط پر......!"

"وہ کیا......؟" ارمان نے پوچھا۔

"آج شام مجھے لاہور کی سیر کراؤ۔"

"تم نے پہلے کبھی لاہور نہیں دیکھا......؟" اس نے تعجب سے پوچھا۔

"کئی بار دیکھ چکی ہوں...... لیکن تمہارے جیسا ساتھی ہو تو یہ شہر اور رومان
جاتا ہے۔"

"یا وحشت......؟" اس نے گھبرا کر کہا۔

"اس کا کیا مطلب ہوا......؟" شاہدہ نے حیرت سے پوچھا۔

"مطلب یہ ہوا کہ تم رومانس کی حد تک مجھے ساتھی نہ بناؤ۔ کیونکہ میر
حقوق ایک لڑکی کے نام محفوظ ہو چکے ہیں۔"

شاہدہ کے چہرے پر سے ایک سایہ سا آ کر گزر گیا۔

اس نے جبراً مسکراتے ہوئے پوچھا۔ "کون ہے وہ خوش نصیب لڑکی؟"

"ہے ایک لڑکی...... کیا کرو گی پوچھ کر؟"

"چلو نہیں پوچھتی...... لیکن سیر کرانے والی شرط بدستور ہے۔ تم میرے

کر نہیں...... ساتھی بن کر ساتھ دے سکتے ہو۔"

"اچھا...... کوشش کروں گا۔"

"کوشش نہیں، وعدہ کرو۔"

ارمان نے جان چھڑانے کے لیے کہا۔ "ٹھیک ہے، وعدہ رہا۔"

وہ شام کو آنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔

گھر میں آرزو کے قریب رہ کر پھر اسے کہاں کا وعدہ یاد رہتا...... وہ تمام دوپہر اپنے
کمرے سے باہر ہی نہیں نکلا...... آرزو کی حسین صحبت میں بیٹھا باتیں کرتا رہا۔

روشن تمام دوپہر کوٹھی کے اندر ادھر سے ادھر چکر لگاتا رہا۔

شب برات کی رنگینیوں میں اس نے جو کچھ دیکھا تھا۔ اسے دیکھ کر انجان بن گیا
تھا۔ پہلے تو اسے یہ صدمہ تھا کہ ارمان کو تیس لاکھ کی کثیر رقم دی جا رہی ہے۔ اب دوسرا
گہرا صدمہ یہ پہنچا تھا کہ جس آرزو کو وہ اپنانا چاہتا تھا۔ اسے ارمان نے اپنا لیا تھا۔ صرف
آرزو کی ہی بات ہوتی تو وہ شاید خاموش ہو جاتا۔ کیونکہ آرزو جیسی کتنی ہی لڑکیاں اس کی
بانہوں میں آتی جاتی رہتی تھیں۔ لیکن صدمہ اس بات کا تھا کہ شادی کے بعد آرزو
لاکھوں کی جائیداد لے کر آنے والی تھی۔ جس کا مالک بالآخر ارمان ہی ہوتا۔ روشن کے
خیال کے مطابق ارمان نے آرزو کو اس سے نہیں چھینا تھا۔ بلکہ آرزو کی طرف سے ملنے
والی جائیداد کو چھین لیا تھا۔

شکست کے احساس سے اس کا دماغ پھٹا جا رہا تھا۔ اپنے کمرے میں آ کر اس نے
دروازے کو اندر سے بند کر لیا۔ تلخ احساسات کو شراب کی تلخی ہی مٹا سکتی تھی۔ اس نے
کھڑکی کے پردوں کو درست کیا۔ تاکہ عصمت اسے غم غلط کرتے ہوئے نہ دیکھ سکے۔
ابھی وہ اپنے باپ کی جائیداد پر پوری طرح قابض نہیں ہوا تھا۔ لہٰذا وہ نہیں چاہتا تھا کہ
ماں اس کی کسی کمزوری سے واقف ہو جائے۔

اس نے آہنی الماری کو کھولا۔ الماری کے اندر ایک خانہ تھا۔ اس خانے کے اندر
ایک اور خانہ تھا۔ جس میں وہسکی کی ایک بوتل اور کانچ کا ایک نازک سا گلاس رکھا ہوا
تھا...... وہ بوتل اور گلاس کو ہاتھ میں اٹھائے اپنے بستر پر آیا اور بستر کے قریب والی میز پر
گلاس رکھ کر بوتل کو کھولنے لگا۔

اسی وقت اس کی نظر' دعوتی کارڈ پر گئی جو میز پر رکھا تھا۔ اسے چیریٹی شو کے سلے میں پرنسپل نے بھیجا تھا۔ کارڈ میں مسٹر اور مسز کی جگہ ڈاکٹر آرزو اور مسٹر روشن علی لک ہوا تھا۔ روشن دم بھر کے لیے محسوس ہوا' جیسے وہاں ڈاکٹر آرزو کی بجائے بیگم روشن ا لکھا ہوا ہے۔

اچانک اسے خیال آیا کہ آج رات کو آرزو کے ساتھ چیریٹی شو میں جانا ہے۔ اا وقت چھ بجنے والے تھے۔ اس نے سوچا کہ اگر اس وقت شراب پی گئی تو گھنٹوں اس مہک منہ سے نہ جائے گی۔ آرزو کو اگر پتہ چل گیا کہ وہ شراب پیتا ہے تو پھر وہ اس قریب آنا ہی چھوڑ دے گی۔"

اس نے وہسکی کی بوتل کو بند کر دیا...... یہ سچ ہے کہ مرد اس وقت تک عور سے ڈرتا ہے جب تک کہ اسے حاصل نہیں کر لیتا۔

دو گھنٹے بعد چیریٹی شو میں جانے کے لیے آرزو تیار ہو رہی تھی۔ ارمان بھی اسٹیج تمام کام مکمل کر کے گھر آیا تھا۔ تاکہ لباس تبدیل کر لے اور آرزو کو اپنے ساتھ جائے۔

ابھی وہ لباس تبدیل کر ہی رہا تھا کہ ثامی پہنچ گیا۔ "یار! تم اسٹیج چھوڑ کر کیوں چ آئے۔ آرزو کے بغیر دل نہیں لگتا۔"

"آتے ہی بکواس شروع کر دی......" ارمان نے ٹائی کی گرہ کو درست کرتے ہو کہا۔

"بکواس میں نہیں کرتا۔ وہ تمہاری شاہدہ کر رہی ہے۔"

"اب کیا کہہ رہی ہے......؟" اس نے نیوی بلو کلر کا کوٹ پہنتے ہوئے کہا۔

"کہہ رہی ہے کہ تم جب تک نہیں آؤ گے' وہ اسٹیج پر نہیں جائے گی۔"

"یار......! اسے کسی طرح سمجھاؤ' اس نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔"

"تمہیں کیا' ہم سب کو پریشان کر رکھا ہے۔ کسی کی بات مانتی ہی نہیں...... ب ایک ہی رٹ لگا رکھی ہے کہ ارمان کو بلاؤ۔"

ارمان نے بیزار ہو کر کہا۔ "کیا مصیبت ہے؟"

"اس مصیبت کو تم ہی جھیل سکتے ہو...... لہٰذا فوراً ہی چلو ورنہ چیریٹی شو فیل......

ارمان نے بے بسی سے کہا۔ "ہاں...... چلنا تو ہوگا...... لیکن تم نے یہ کیا حالت بنا رکھی ہے۔"

اس نے ثامی کے لباس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ وہ کاٹن کی ایک معمولی سی پتلون پر اسٹرائپ والی بنیان پہنے ہوئے تھا۔

"اس لباس میں سرکس کے جوکر معلوم ہوتے ہو۔"

ثامی نے مجبوری کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "یار! سب چلتا ہے۔ جو مل جائے وہ پہن لینا چاہیے۔"

ارمان کو اچانک اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ وہ ذرا سی دیر کے لیے بھول گیا تھا کہ ثامی اس دنیا میں تنہا ہے اور غریب ہے۔ کسی تقریب میں شریک ہونے کے لیے اس کے پاس ڈھنگ کے کپڑے بھی نہیں ہیں۔

اس نے کپڑوں کی الماری کھول کر کہا۔ "ادھر آؤ...... اور اپنی پسند کے کپڑے نکال کر پہن لو۔"

ثامی نے سر اٹھا کر دیکھا...... الماری کے ہر خانے میں اور ہینگر کی ایک جانب سے دوسری جانب تک لباسوں کی بھرمار تھی۔ اس نے اپنے معمولی کپڑوں کو دیکھا۔

اور آہستگی سے کہا۔ "رہنے دو۔ یہی لباس ٹھیک ہے۔"

ارمان نے اس کے احساسات کو سمجھتے ہوئے قریب آ کر پوچھا۔ "تم مجھے غیر سمجھتے ہو؟"

"نہیں...... یہ بات نہیں ہے۔"

"پھر کیا بات ہے؟"

ثامی نے احسان مندی سے اپنے دوست کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "ارمان...... ماں باپ کا سایہ میرے سر پر نہیں ہے لیکن تم نے دوست بن کر اس کمی کو بھی پورا کر دیا ہے...... کاش کہ میں بھی دوستی کا حق ادا کر سکتا!"

"اچھا' بس...... اب موڈ بدلنے کی کوشش نہ کرو۔"

وہ ثامی کو کھینچتا ہوا الماری کے پاس لے آیا اور کہنے لگا۔ "چلو...... جلدی سے تیار ہو جاؤ...... میں آرزو سے مل کر آ رہا ہوں۔"

اس نے مسکرا کر ثانی کو دیکھا اور اس کی پیٹھ پر ایک دھپ جماتا ہوا کمرے سے
گیا۔

آئینہ۔

آئینہ آرزو کے حسن سے سنور رہا تھا۔ یہ کہنا غلط تھا کہ آرزو سنور رہی تھی۔
تو جب بھی مقابل آتی تھی' آئینے کی قسمت سنور جاتی تھی۔

آج اس نے سیاہ حاشیے والی سنہری رنگ کی ساڑی پہنی تھی۔ دور سے دیکھنے
یوں معلوم ہوتا ہے۔ جیسے گورے بدن پر سونا پگھل رہا ہے۔ اپنی گھنی زلفوں کو چار حصو
میں بانٹ کر رولر کے ذریعے ایک پھول نما جوڑا بنایا تھا...... لیکن اس جوڑے میں کسی
ہاتھوں کا لگایا ہوا پھول نہیں تھا۔

آرزو نے آئینے میں خالی جوڑے کو دیکھتے ہوئے سوچا۔ "اتنے قریب ہونے پر
ارمان نے میرے جوڑے میں پھول نہیں لگایا۔ کیوں؟...... کیا وہ اب تک میری محبت
آزما رہے ہیں......؟"

پھر اس نے خود ہی تردید کی۔ "نہیں...... غلطی میری ہی ہے۔ شب برات کو م
نے جوڑا بنایا ہی نہیں تھا۔ وہی تو پہلی رات تھی جب ارمان نے سنجیدگی سے اپنی محبت
یقین دلایا تھا۔ اس کے بعد آج پہلی بار میں نے جوڑا بنایا ہے۔"

اس نے آئینے میں اپنا آپ دیکھتے ہوئے کہا۔ "اچھی بات ہے' آج میں دیکھوں
کہ انہیں میرے خالی جوڑے کا احساس ہوتا ہے یا نہیں۔"

وہ سوچ میں گم تھی کہ دروازہ کھلا اور ارمان کمرے میں داخل ہوا۔

آرزو نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ کیونکہ دور آئینے کی سطح پر ارمان کا سراپا نظر آ
تھا۔ نیوی بلو کلر کے سوٹ میں اس کی شخصیت بے حد جاذب نظر ہو گئی تھی۔ قدو قام
میں بھی ایک نئی دلکشی پیدا ہو گئی تھی۔ دلکشی کے معنی دل کھینچنا ہے تو...... آرزو کا د
آپ ہی آپ کھینچا جا رہا تھا۔

وہ سحر زدہ سی ہو کر اپنی جگہ سے اٹھی اور ارمان کی طرف ہولے ہولے اس طر
بڑھنے لگی۔ جیسے نیند میں چل رہی ہو۔ اس کی آنکھیں اپنے محبوب کے چہرے پر لگی ہو
تھیں۔ جیسے آنکھوں کے سامنے سارے نظارے دھل گئے ہوں' صرف محبوب کا چہرہ

گیا ہو۔

وہ قریب آئی...... اور قریب...... ذرا اور قریب...... اچھا تھوڑا سا اور قریب......
یعنی اتنے قریب کہ سانسوں کی سرگم سنائی دینے لگی۔

چند ساعت تک وہ اسے دیکھتی رہی' بڑی محبت سے' بڑی اپنائیت سے اور بڑی
لگاوٹ سے...... پھر اس نے دوسرا ہاتھ کی کن انگلی کو اپنی کاجل بھری آنکھوں کے ایک
سرے سے دوسرے تک پھیرا۔ جیسے سرمہ کی سلائی پھیری جاتی ہے۔ اس کے بعد اس
نے کن انگلی کو آگے بڑھا کر ارمان کی پیشانی پر ایک ننھا سا ٹیکا لگا دیا۔

"یہ کیا......؟" ارمان نے مسکرا کر پوچھا۔

اس نے چڑھتی ہوئی سانسوں کے درمیان کہا۔ "ڈرتی ہوں...... کہیں میری نظر نہ
لگ جائے۔"

"نظر لگتی ہے تو لگنے دو......" ارمان نے کہا...... "ورنہ کسی اور کی نظر لگ جائے
گی۔"

آرزو نے اپنا سر اس کے سینے پر رکھ دیا اور آنکھیں بند کرتے ہوئے بولی۔ "خدا
نہ کرے کہ تمہیں کوئی نظر بھر کر دیکھے۔"

"کیا بات ہے' آج میرے لیے تم پریشان کیوں ہو رہی ہو؟"

"میں خود نہیں جانتی...... پتہ نہیں کیوں' مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے کوئی تمہیں مجھ
سے چھین رہا ہے۔"

اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "تم تو پاگل ہو گئی ہو اور تمہارے ساتھ میں بھی ہوش
سے بیگانہ ہو رہا ہوں۔ اب یہی دیکھو نا' جو کچھ میں تم سے کہنے آیا تھا۔ اسے بھول کر
تمہارے پیار میں کھو گیا ہوں۔"

"کیا کہنے آئے تھے؟"

"یہی...... کہ تم بھائی جان کے ساتھ چلی آنا۔ مجھے ابھی اور اس وقت گرین روم
کی طرف جانا ہوگا۔"

"کیوں...... اسٹیج کا کام مکمل نہیں ہوا؟"

"وہ تو ہو گیا ہے لیکن شاہدہ نے پریشان کر رکھا ہے۔ میں جب تک نہیں جاؤں گا۔

وہ میک اپ نہیں کرے گی۔"

آرزو اس کے سینے سے الگ ہو گئی۔

"تو اتنی محبت ہے کہ وہ تمہارے بغیر میک اپ بھی نہیں کر سکتی۔" اس کے لہجے میں طنز تھا۔

ارمان نے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "غلط نہ سمجھو آرزو!...... تم تو جانتی ہو کہ وہ مفت ڈانس کرنے یہاں آئی ہے۔ اس لیے نخرے برداشت کرنے ہی پڑیں گے۔"

"جی ہاں...... اتنے بڑے کالج میں تم ہی نخرے برداشت کرنے کے لیے رہ گئے ہو۔"

"اوہو...... تم سمجھتیں کیوں نہیں کہ میں اُسے اپنی ذمہ داری پر یہاں لایا ہوں۔" اس نے غصہ سے منہ پھیرتے ہوئے کہا۔

"جب نخرے اٹھانے کے لیے لے آئے ہو تو پھر مجھے فریب دینے کے لیے یہاں کیوں آئے ہو۔"

"میرے دل میں کھوٹ ہوتا تو میں تمہیں فریب دینا چاہتا تو یوں تمہارے سامنے آ کر صاف گوئی سے کام نہ لیتا۔"

بات بالکل صحیح تھی۔ وہ کچھ نرم پڑ گئی۔ ارمان نے قریب آ کر اس کے شانوں پر ہاتھ رکھا وہ کچھ اور پگھل گئی۔

"آرزو! محبت اعتماد کے بغیر نہیں ہوتی۔ زندگی کی راہوں میں شاہدہ جیسی ہزاروں لڑکیاں ملتی ہیں...... لیکن آرزو جیسی لڑکی کبھی کبھی کسی خوش نصیب کو ملتی ہے...... بار بار روٹھنے والی اور ہر بار من جانے والی...... وہ دیکھو ابھی ناک پر غصہ ہے لیکن ابھی ہونٹوں پر مسکراہٹ آ جائے گی۔"

آرزو نے ہونٹوں کو سختی سے بھینچ لیا کہ نہیں مسکرائے گی۔

ارمان نے اس کے چہرے کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔ "وہ دیکھو...... وہ آئی...... وہ آئی مسکراہٹ...... ارے' میں نے تو مسکرانے کے لیے کہا تھا لیکن تم ہنسنے کی تیاری کر رہی ہو......"

آرزو کی ہنسی چھوٹ گئی...... اس نے اپنی دونوں ہتھیلیوں سے چہرے کو ڈھانپ

...... ارمان نے اس کے کانوں کے قریب آ کر سرگوشی کی...... گرم گرم سانسوں میں لپٹی ہوئی سرگوشی......

"آرزو!...... واپسی پر جوڑا نہ کھولنا۔ آج ہمارے لان میں سیوتی کا ایک پھول کھلا ہے......"

یہ کہہ کر وہ چلا گیا لیکن وہ سرگوشی دیر تک اس کے کانوں میں گونجتی رہی۔

شاہدہ نے واقعی ناک میں دم کر رکھا تھا۔

ارمان نے جیسے ہی گرین روم میں قدم رکھا۔

اس نے بپھر کر کہا۔ "میں ڈانس نہیں کروں گی۔ آخر تم لوگوں نے مجھے سمجھ رکھا ہے؟"

"آخر بات کیا ہوئی؟"

"یعنی کہ بات کچھ نہیں ہوئی۔ مجھے یہاں لا کر پھینک دیا اور خود اسمارٹ بنے گھو رہے ہو۔"

"بس' اتنی سی بات ہے......" اس نے ہنس کر کہا...... "اچھا' چلو...... تم بھی میک اپ کر کے اسمارٹ بن جاؤ۔"

"میک اپ کیا خاک کروں گی......؟ یہاں تو پورا سامان ہی نہیں ہے...... اگر م اپنا میک اپ بکس نہ لے کر آتی تو کیا ہوتا؟"

"وہ تم ضرور لاتیں...... عورت سب کچھ بھول جاتی ہے لیکن میک اپ کا سا کبھی نہیں بھولتی۔"

"دیکھو!...... مجھ سے مذاق نہ کرو۔ میں تم سے ناراض ہوں۔"

"آخر ناراضگی کی وجہ؟"

شاہدہ نے سر کو جھٹک کر کہا۔ "اونہہ...... جیسے جانتے ہی نہیں۔ مجھ سے وعدہ کیا کہ شام کو سیر کراؤ گے۔ پھر کیوں نہیں آئے۔"

"وہ...... وہ......" وہ گڑبڑا گیا۔

"ہاں...... ہاں...... صاف کیوں نہیں کہتے کہ جملہ حقوق محفوظ ہیں۔ اس نے آ

نہیں دیا......" شاہدہ نے ہاتھ نچا کر کہا۔

"یا وحشت!...... تم تو سوتیلی بیوی کی طرح لڑائی کر رہی ہو۔"

"یہ سوتیلی بیوی کیا ہوتی ہے......؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"یعنی وہ عورت جو بیوی نہیں ہوتی لیکن بیوی کی طرح ہاتھ ہلا ہلا کر کوستی ہے اور لڑائی کرتی ہے۔"

"باتیں بنانا خوب جانتے ہو۔" اس نے چڑ کر کہا۔

"مشکل تو یہی ہے کہ تمہارے سامنے بات بھی نہیں بنتی...... اچھا' اب چلو' میک اپ کر لو۔ دیر ہو رہی ہے۔"

وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا آئینے کے سامنے لے آیا۔

شاہدہ نے کہا۔ "میک اپ کروں گی لیکن ایک شرط پر۔"

"وہ کیا؟"

"تم گرین روم سے باہر نہیں جاؤ گے۔"

"بالکل نہیں جاؤں گا۔"

"اور دوسری شرط یہ ہے کہ شو کے بعد مجھے سیر کراؤ گے۔"

"اتنی رات کو......؟" اس نے گھبرا کر پوچھا۔

"رات اور دن میں نہیں جانتی...... صبح میں واپس چلی جاؤں گی۔"

"لیکن رات کو سیر کرنے کی کیا تک ہے۔"

شاہدہ نے مسکرا کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "چاندنی رات ہے' راوی کی سیر کریں گے۔"

"اگر وہیں ڈوب مریں تو کیا حرج ہے......؟" اس نے جھنجلا کر پوچھا۔

"وہ موت میرے لیے بڑی حسین ہوگی......" اس نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

ارمان سوچ میں پڑ گیا۔ شو کے بعد اس نے آرزو سے وعدہ کیا تھا کہ وہ کوٹھی کے لان میں ملیں گے اور یہاں شاہدہ گلے پڑ رہی تھی۔ وہ صاف طور پر انکار بھی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ بھی ایک ضدی لڑکی ہے۔ کہیں اس کا انکار سن کر چیرٹی شو ناکام نہ بنا دے۔

اس نے فی الحال اسے ٹالنے کے لیے کہا۔ "اچھی بات ہے۔ سر کے بل چلوں گا۔"

وہ خوش ہو کر میک اپ کرنے لگی اور اپنے سامنے آئینے کے قریب ارمان کو بٹھا لیا۔

"تم مجھے دیکھتی رہو گی تو میک اپ کیا کرو گی؟"

"تم کسی آئینہ سے کم تو نہیں ہو......" اس نے مسکرا کر کہا۔

اور پیچھے ہاتھ بڑھا کر بلاوز کا ہک کھولنے لگی۔ بلاوز کا گلا پہلے ہی اتنا کشادہ تھا کہ سینے کے فراز کو چھو کر گزرتا تھا۔ وہ ہک اس لیے کھول رہی تھی کہ گریبان کچھ اور ڈھیلا ہو جائے۔ تاکہ گردن کے اطراف غازے کی لیپ چڑھ سکے۔

ارمان نے آنکھوں کو بند کر لیا اور دل ہی دل میں کہا۔ "یا وحشت!"

"یہ تم نے آنکھیں کیوں بند کر لیں......؟" اس نے تعجب سے پوچھا۔

"کچھ نہیں، یوں ہی ذرا دیکھ رہا تھا کہ آنکھیں بند کرنے کے بعد بھی تم نظر آتی ہو یا نہیں۔"

"جھوٹے کہیں کے......! ادھر آؤ، ذرا یہ ہک کھول دو۔"

"آں......!" اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں...... "مم میں......"

"ہاں...... چلو آؤ...... ورنہ دیر ہو جائے گی مجھ سے شکایت نہ کرنا۔"

اس وقت اسٹیج کی جانب سے پہلی گھنٹی بجائی گئی۔ وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"ارے باپ رے! آدھا گھنٹہ رہ گیا ہے۔"

وہ شاہدہ کی پشت پر آ کر ہک کھولنے لگا۔ بھرا بھرا جسم بلاوز کے اندر اس طرح کسا ہوا تھا کہ ہک ٹس سے مس نہ ہوا۔

"کیا مصیبت ہے......!" وہ بڑبڑانے لگا۔

اس کی پریشانی دیکھ کر شاہدہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔ وہ شرارت سے سانس روکے ہوئے تھی کہ ہک نہ کھلے لیکن ہنستے ہی جسم ڈھیلا پڑ گیا اور اب ایک جھٹکے سے کھل گیا۔

وہ اطمینان کی سانس لے کر اپنے ماتھے سے پسینہ پونچھنے لگا۔

میک اپ مکمل ہونے تک دوسری گھنٹی بھی بج چکی تھی۔

تیسری گھنٹی سے پہلے ہی اس نے بالوں کا اسٹائل بدل کر ایک بڑا سا جوڑا بنا لیا۔ اور گلدان سے ایک پلاسٹک کا پھول نکال کر کہا۔ "لو...... اسے جوڑے میں لگا ...ـ"

وہ پریشان ہو گیا۔ حالانکہ جوڑے میں پھول لگانا کوئی بری بات نہیں تھی اور وہ بھی ...سٹک کا نقلی پھول۔"

"ارمان......!" شاہدہ نے مسکراتے ہوئے کہا...... "میں نے اس بات کا اعتراف کیا کہ میں تمہارے گیتوں کی پرستار ہوں۔ مجھے تمہارا وہ گیت اب تک یاد ہے۔

اپنی ریشمی زلفوں کو سمیٹ کر
ایک جوڑا بنا لے
اور میرا انتظار کر
اس جوڑے میں پیار کا ایک پھول ٹانکنے کے لیے
میں آ رہا ہوں

تم آ چکے ہو اور میں نے جوڑا بنا لیا ہے۔ آگے بڑھو اور اس پھول کو میرے ...ے میں ٹانک دو۔ آج اسے جوڑے میں سجا کر میں ناچوں گی اور جھوم جھوم کر ناچوں ...۔"

"نہیں شاہدہ......!" ارمان نے سنجیدگی سے کہا...... "وہ گیت میں نے تمہارے لیے ...گایا تھا۔"

"میں جانتی ہوں......" اس نے مسکرا کر کہا...... "تمہارا گیت اسی خوش نصیب ...کے لیے ہے۔ جس کا تم ذکر کر چکے ہو...... لیکن میں نے یہ تو کبھی نہیں کہا کہ میں ...ڑکی کی محبت چھیننا چاہتی ہوں۔ یہ کوئی سچ مچ کا پھول نہیں ہے۔ مجھ جیسی ناچنے والی ...ندگی کاغذ کا ایک پھول ہے اور میں کاغذ کے پھولوں سے بہل جاتی ہوں۔ میں جانتی ...کہ میری زندگی میں کوئی مرد پاک اور مصفا محبت لے کر نہیں آئے گا۔"

"تم شاید ناراض ہو گئیں......؟" ارمان نے کہا۔

"نہیں...... میری جان کی قسم، میں تم سے کبھی ناراض نہیں ہو سکتی۔ ہاں شکایت کر ...ں...... کہ تم کیسے انسان ہو، کوئی بہلنا چاہتا ہے تو تم اسے کھلونے سے بھی نہیں بہلا

سکتے؟"

ارمان نے پلاسٹک کے پھول کو دیکھا۔ واقعی وہ ایک کھلونا ہی تھا۔ جس سے وہ و
طور پر شاہدہ کو بہلا سکتا تھا۔ اس نے سر جھکا کر شاہدہ کے ہاتھ سے پھول لے لیا۔
پھول سے جوڑے تک کا فاصلہ بہت کم تھا لیکن یہ فاصلہ اس فاصلے کو کاٹ کر
تھا۔ جسے وہ طے کرتے ہوئے آرزو کے جوڑے تک پہنچنا چاہتا تھا۔ وہ اس حقیقت
بھول گیا کہ کبھی کبھی وقتی بہلاوا، ساری زندگی کا پچھتاوا بن جاتا ہے۔

آرزو باتیں کرتی ہوئی اور ہنستی ہوئی روشن اور پرنسپل کے ساتھ وہاں سے
رہی تھی کہ اچانک اس کے قدم رک گئے۔ اس کے ساتھ ہی روشن اور پرنسپل نے
گرین روم کے کھلے ہوئے دروازے سے دیکھا ارمان، شاہدہ کے جوڑے میں پھول
رہا تھا۔

آرزو کے دل میں ایک گھونسہ سا لگا۔ اس کا جی چاہا کہ وہیں پھوٹ پھوٹ
رونے لگے لیکن وہ پرنسپل کے سامنے رونے کا جواز کہاں سے پیدا کرتی...... روشن
چور نظروں سے مسکراتے ہوئے آرزو کو دیکھا...... اس لڑکی نے سختی سے اپنے ہونٹ
بھینچ لیا تھا اور آنکھوں میں آنے والے آنسوؤں کو بڑی مشکلوں سے ضبط کر رہی تھی۔

ارمان پھول لگا کر پلٹا تو دروازے کے باہر آرزو کو دیکھ کر گھبرا سا گیا۔ حالانکہ
نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا لیکن وہ اپنی بے گناہی کا یقین بھی نہیں دلا سکتا تھا۔

آرزو نے اسے غصہ اور حقارت سے دیکھا اور تیزی سے پلٹ کر چلی گئی۔

روشن بھی مسکراتا ہوا اس کے پیچھے چلا گیا۔

بوڑھے پرنسپل نے عینک کے پیچھے سے جھانکتے ہوئے ارمان سے کہا۔ "ویرا
ڈسٹنس بٹوین دی جینڈر اینڈ آل دی وے۔ ڈیٹ ڈسٹنس شڈ بی میٹینڈ...... آئی نو
اے گڈ بوائے!"

"دو صنف کے درمیان ایک فاصلہ ہوتا ہے اور وہ فاصلہ ہر صورت میں برقرا
چاہئے...... ویسے میں جانتا ہوں کہ تم ایک اچھے لڑکے ہو......!"

"تھینک یو سر......!" ارمان نے سر جھکا کر کہا۔

پرنسپل کے جانے کے بعد شاہدہ نے پوچھا۔ "وہ لڑکی کون تھی؟"

ارمان نے دانت پیستے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ اس کے جی میں آیا کہ وہ اسے
ڑے سے پکڑ کر اوپر چھت سے لٹکا دے۔

لیکن اسی وقت تیسری گھنٹی بجنے لگی...... شاہدہ کو اسٹیج پر بلایا جا رہا تھا۔ اب وہ کوئی
ت بات کہہ کر اس ڈانسر کا موڈ خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اس نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔ "آؤ...... تمہیں فوراً ہی اسٹیج پر پہنچنا ہے۔"

رقص اپنے شباب پر تھا۔

شاہدہ اپنے جوڑے میں فتح و نصرت کا تمغہ سجائے ناچ رہی تھی اور آرزو کو یوں
وس ہو رہا تھا۔ جیسے اس کے بالوں میں لگا ہوا سرخ گلاب اپنی سرخ زبان نکالے اسے
ا رہا ہے۔

وہ رقص نہیں دیکھ رہی تھی۔ سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھی۔ اسٹیج کی بائیں طرف
ز کی آڑ میں ارمان کھڑا ہوا تھا اور دور بیٹھی ہوئی آرزو کو دیکھ رہا تھا۔ وہ قریب آ کر اس
غلط فہمی دور نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ اس کے اطراف روشن اور پرنسپل بیٹھے ہوئے
ے۔

روشن رقص دیکھنے میں محو تھا۔ یا یوں کہنا چاہئے کہ شاہدہ کے لچکتے ہوئے جسم اور
ی توبہ شکن اداؤں میں گم ہو گیا تھا۔

وہ لڑکی روشن کے شرابی ذہن پر پہلی نظر میں چھا گئی تھی۔ اس لڑکی نے دیکھتے ہی
تے روشن کی سب سے بڑی مشکل آسان کر دی تھی۔ وہ اگر چاہتا تو ہزار کوششوں کے
ود آرزو کو ارمان کی آوارگی کا یقین نہ دلا سکتا تھا۔ لیکن اس لڑکی نے ایک ہی جھٹکے میں
ت کے رشتے کو توڑ کر رکھ دیا تھا۔

پھر اسے شاہدہ پر پیار کیوں نہ آتا...... وہ ایک رقاصہ تھی اور وہ اپنی دولت سے
ے بہ آسانی خرید سکتا تھا۔

اس رقاصہ پر اس کا دل کیوں نہ آتا...... وہ جوان تھی اور بھری ہوئی بوتل کی
ح للچاتی تھی۔ اس میں آرزو کی طرح سبک اور لوچ نہیں تھا۔ وہ تو کمان کی طرح کھنچتی
اور تیر کی طرح جگر کے پار ہو جاتی تھی۔

اس کی ایک طرف آرزو تھی جو اپنے ساتھ لاکھوں روپے کی جائیداد لئے بیٹھی

تھی۔ تجارتی نقطہ نظر سے وہ بہت اہم تھی...... اس کی دوسری جانب شاہدہ تھی جو آئندہ بھی ایک کامیاب مہرے کی طرح ارمان کو مات دے سکتی تھی۔ سازشی نقطہ نظر سے وہ بھی روشن کے لیے بہت اہمیت رکھتی تھی۔

روشن کی نگاہیں شاہدہ کے تھرکتے ہوئے جسم پر تھیں لیکن ذہن میں بچھی ہوئی بساط پر وہ اس جسم کو ایک مہرے کی طرح استعمال کر رہا تھا۔

"میں گر جاؤں گی......" اچانک آرزو نے سر تھام کر کہا۔

"تھوڑی دیر اور ٹھہر جائیے......!" روشن نے کہا...... "اس ڈانس کے بعد چلیں گے۔"

"نہیں...... میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔ آپ ڈانس دیکھیں۔ میں تنہا جا سکتی ہوں۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے، چلئے میں بھی چلتا ہوں۔"

وہ دونوں پرنسپل سے معذرت چاہتے ہوئے اٹھ گئے۔

ونگ کے پاس سے ارمان سب کچھ دیکھ رہا تھا...... وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ آرزو پرنسپل کی خاطر وہاں اتنی دیر تک بیٹھی ہوئی تھی اور اب سر تھام کر، شاید درد سر کا بہانہ کر کے اٹھ گئی ہے۔

وہ بھی ونگز کے درمیان سے نکل کر مین گیٹ کی طرف آیا۔ دور برآمدے کے آخری سرے پر وہ روشن کے ساتھ جا رہی تھی۔

"آرزو......!" اس نے آواز دی۔

چلتے چلتے آرزو کے قدم ایک ساعت کے لیے رکے۔ پھر وہ انجان بن کر پارکنگ ایریئے کی طرف بڑھ گئی۔ روشن کار نکالنے کے لیے آگے چلا گیا۔

"آرزو......!" محبت میں ڈوبی ہوئی آواز نے اس کا پیچھا کیا۔

اس کے قدم پھر رک گئے۔

ارمان نے قریب آ کر کہا۔ "میں جانتا ہوں کہ تم مجھ سے ناراض ہو لیکن جو کچھ بھی تم نے دیکھا ہے، وہ حقیقت نہیں تھی۔"

آرزو نے اس کی طرف گھور کر دیکھا۔ اس کے لبوں پر تلخ مسکراہٹ تھی۔ اس

نے زبان سے کچھ نہیں کہا لیکن اس کی آنکھوں سے جھانکتا ہوا کرب صاف کہہ رہا تھا کہ آنکھوں سے دیکھی ہوئی حقیقت جھٹلائی نہیں جا سکتی۔

ارمان اسے یقین دلا رہا تھا۔ "میں مجبور تھا آرزو!...... اگر اس کے جوڑے میں پھول نہ لگاتا تو وہ سارا پروگرام اپ سیٹ کر دیتی۔"

آرزو نے پھر بھی کچھ نہیں کہا۔ اس کے دونوں ہاتھ آہستگی اٹھے اور اپنے جوڑے کی طرف چلے گئے...... ارمان نے سمجھا کہ شاید وہ اپنے جوڑے کا احساس دلا رہی ہے۔

اس نے جلدی سے کہا۔ "محبت کرنے والے صرف ایک ہی جوڑے میں پھول ٹانکتے ہیں اور مجھے تم سے...... اور صرف تم سے محبت ہے...... آج ابھی اور اسی وقت میں تمہارے جوڑے میں پھول لگاؤں گا۔"

اس نے آرزو کی جانب ہاتھ بڑھایا لیکن وہ ایک قدم پیچھے ہٹ کر پلٹ گئی اور کار کی جانب بڑھنے لگی۔ شاید اس نے بالوں میں سے کلپ اور کانٹوں کو نکال دیا تھا۔

ارمان نے دیکھا۔ ہر قدم پر اس کا جوڑا کھلتا جا رہا تھا۔

اب ان کالی گھٹاؤں میں پھول کے مہکنے کے لیے کوئی جگہ نہ تھی۔

شاہدہ اسٹیج سے واپس آ کر ارمان کو تلاش کر رہی تھی۔ ارمان تو اسے نہیں ملا۔ البتہ گرین روم میں ثامی سے ملاقات ہو گئی۔

"ارمان کہاں ہے......؟" اس نے پوچھا۔

ثامی نے اسے شوخی سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "پتہ نہیں، کہاں ہے۔ فی الحال مجھے ہی ارمان سمجھ لو۔"

شاہدہ سوچ میں پڑ گئی۔ ارمان نے اس سے وعدہ کیا تھا...... کہ شو کے بعد سیر کو جائیں گے لیکن وہ لاپتہ ہو گیا تھا۔

"کہیں وہ گھر تو نہیں چلا گیا؟"

"ابھی یہاں بہت سا کام پڑا ہے۔ وہ گھر کیسے جا سکتا ہے۔" ثامی نے کہا۔

"لیکن میرا کام تو ختم ہو گیا ہے۔ میں پرنسپل صاحب کی کوٹھی میں جا رہی ہوں۔"

"کہو تو، میں تمہیں پہنچا دوں۔"

"نہیں...... وہ پرنسپل صاحب کا ڈرائیور پہنچا دے گا۔"

ثامی نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "ہائے...... کبھی مجھے بھی خدمت کا موقع دیا کرو۔"

شاہدہ نے مسکرا کر پوچھا۔ "واقعی......؟"

ثامی سے سینے پر ہاتھ رکھ کر سر کو خم کرتے ہوئے کہا۔ "آزمائش شرط ہے۔"

"اچھا تو پھر ایسا کرو......"

وہ ڈریسنگ ٹیبل کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ دراز کھول کر اس نے ایک کاغذ اور قلم نکالا اور کچھ لکھنے لگی۔

ثامی احمقوں کی طرح اسے تک رہا تھا۔

اس نے لکھنے کے بعد کاغذ کو تہہ کیا اور اسے ثامی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"یہ رقعہ ارمان کو دے دینا۔"

اس نے رقعہ کو ہاتھ میں لے کر سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ شاہدہ نے جواباً مسکراتے ہوئے بڑے پیار سے اس کا گال تھپتھپایا اور پھر اٹھلاتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

ثامی کے لیے یہ بھی ایک انعام سے کم نہ تھا کہ شاہدہ نے اسے پیار سے دیکھا تھا اور اس کا گال تھپتھپا کر اس طرح چلی گئی تھی۔ جیسے وہ یہاں ڈانس کرنے نہیں، صرف اس کا گال سہلانے آئی تھی۔

دوسری طرف سے ارمان سر جھکائے چلا آ رہا تھا۔ اس نے کوٹ اتار کر کاندھے سے لٹکا لیا تھا۔ سر کے بال ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے اور چہرے سے پریشانی ظاہر ہو رہی تھی۔

"کیا بات ہے......؟" ثامی نے پوچھا...... "کچھ پریشان نظر آ رہے ہو۔"

"نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"ہوں...... سمجھ گیا، شاید آرزو سے پھر جھگڑا ہو گیا ہے۔"

ارمان جواب دیئے بغیر آگے بڑھ گیا۔

ثامی نے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔ "یار جھگڑا تو ہوتا ہی رہتا ہے۔ اس میں پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ وہ شاہدہ تمہارا پوچھ رہی تھی۔"

"پوچھنے دو۔"

"اس نے یہ رقعہ دیا ہے۔"

"پھاڑ کر پھینک دو۔"

"عجیب آدمی ہو......!" اس نے شانے اچکا کر کہا۔

یکایک کسی کی چیخ سنائی دی۔ وہ دوڑتے ہوئے اسٹیج کی جانب گئے۔ دوسرے لوگ بھی چیخ سن کر بھاگتے ہوئے آئے تھے۔ ایک لڑکا جو اوپر کھڑا ہوا اسٹیج پر روشنی پھینک رہا تھا۔ اچانک پاؤں پھسلنے کی وجہ سے گر پڑا تھا۔ ارمان نے اپنے کاندھے سے لٹکا ہوا کوٹ ثامی کی طرف پھینکا اور زخمی لڑکے کو جھک کر اٹھانے لگا۔ وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔

"اسے ہسپتال لے جانا چاہئے......" کسی نے کہا۔

"نہیں...... قریب ہی ایک ڈسپنسری ہے، وہیں لے چلو۔"

ارمان نے اس کی طرف سر اٹھا کر دیکھا۔ جس نے ڈسپنسری کا حوالہ دیا تھا۔

اس نے کہا۔ "ٹھیک ہے...... تم ساتھ چلو۔"

وہ دونوں زخمی لڑکے کو اٹھا کر باہر کی طرف چلے گئے۔ لوگ ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ وہ کیسے گرا......؟ کہاں سے گرا......؟ کچھ لوگ سوال کر رہے تھے اور کچھ جواب دے رہے تھے۔

ثامی نے ارمان کے کوٹ کی طرف دیکھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں کوٹ تھا اور دوسرے ہاتھ میں شاہدہ کا دیا ہوا رقعہ۔

وہ کوٹ پہنتے ہوئے بڑبڑانے لگا۔ "پھاڑ کر پھینک دو......"

"عجیب آدمی ہے۔ بھلا خوبصورت ہاتھوں سے لکھی ہوئی تحریر بھی کبھی پھینکی جاتی ہے۔"

وہ کوٹ پہن کر رقعہ کھولنے لگا...... شاہدہ نے لکھا تھا۔

"ارمان!

یاد ہے، تم نے شو کے بعد کہاں چلنے کا وعدہ کیا تھا۔ وعدہ کے مطابق تم آج رات میرے ساتھ گزارو گے...... احتیاطاً پچھلے زینے سے آنا۔ میں انتظار کروں گی۔

تمہاری شاہدہ۔"

ثامی نے رقعہ کو تہہ کر کے کوٹ کی جیب میں رکھا اور مسکراتے ہوئے سوچنے لگا۔

"ارمان کو شاہدہ سے دلچسپی نہیں ہے لیکن مجھے تو ہے...... کوئی دوسری لڑکی مجھے لفٹ نہ دیتی۔ ایک شاہدہ ہے جو مجھے محبت کی نظروں سے دیکھتی ہے...... ہائے! کتنے پیار سے گال سہلا کر گئی ہے۔"

کوٹ کی جیب میں ٹامی کا ہاتھ تھا اور ٹامی کے ہاتھ میں شاہدہ کا رقعہ دبا ہوا تھا لیکن نہیں، جیب کے اندر جیسے وہ رقعہ نہیں تھا۔ شاہدہ تھی جو اس کی مٹھی میں آ تھی۔

رات گہری تھی لیکن تاریک نہیں تھی۔

پرنسپل کی کوٹھی چاندنی میں خاموش کھڑی ہوئی تھی۔ چاروں طرف گہرا سناٹا اتنا گہرا سناٹا کہ ٹامی کو اپنے دل کی دھڑکنیں تک سنائی دے رہی تھیں۔ وہ کوٹھی کے احاطہ کو پھلانگ کر آیا تھا۔ وہ چور نہیں تھا لیکن چوروں کی طرح یہاں چلا آیا تھا۔ سوچے سمجھے بغیر...... کہ رات کی تاریکی میں محبت نہیں کی جاتی..... اگر کی جائے تو دنیا گناہ سمجھتی ہے۔

کوٹھی کے اندر تمام کمروں کی بتیاں بجھی ہوئی تھیں۔ اوپری منزل پر صرف کمرے کی کھڑکیاں روشن تھیں اور اسے اشارتاً کہہ رہی تھیں کہ شاہدہ ابھی جاگ ہے۔

شاہدہ......!

یہی ایک لڑکی تھی جو اکثر اسے لفٹ دے دیا کرتی تھی۔ اس لیے کہ اس کا پیشہ یہی تھا لیکن پیشے کی طرف کون دھیان دیتا ہے۔ ناچنے والی کی مسکراہٹ اچھے اچھو محبت کے فریب میں مبتلا کر دیتی ہے۔ پھر ٹامی جیسا نوجوان اس محبت کے فریب میں کر یہاں تک کیوں نہ آتا؟

پچھلا زینہ اس سے چند قدم کے فاصلے پر تھا لیکن وہ سہم کر رک گیا۔ اس سامنے سب سے نچلے زینے پر ایک کتا سو رہا تھا۔ وہ لیلیٰ کا کتا نہیں تھا جو عاشق کو پہچا خوش آمدید کہہ دیتا۔ اگر اسے ذرا آہٹ مل جاتی تو وہ اب تک اس پر چھلانگ لگا د یا پھر بھونک بھونک کر ساری کوٹھی سر پر اٹھا لیتا۔

وہ سر کھجاتے ہوئے سوچنے لگا۔ شاہدہ تک پہنچنے کا جو آسان راستہ تھا، وہاں

لگ چکا تھا۔ وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ جیسے کوئی دوسرا راستہ تلاش کر رہا ہو۔ اتنی دور آ کر اور احاطے کی دیوار کو پھلانگ کر اب ناکام واپس جانے کے لیے دل نہیں چاہتا تھا۔

وہ دبے پاؤں کوٹھی کی دائیں جانب چلا آیا۔ یہاں چاند کی روشنی نہیں تھی، کوٹھی کا سایہ تھا۔ جس کی وجہ سے کسی حد تک تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ دیوار سے لگا ہوا گندے پانی کا ایک پائپ اوپری منزل تک چلا گیا تھا۔ پائپ سے ایک ہاتھ کا فاصلہ پر ایک روشن کھڑکی نظر آ رہی تھی۔

ٹامی نے کوٹ اتار کر کاندھے پر رکھا اور آستین چڑھا کر پائپ پر چڑھنے لگا۔ بچپن سے ہی درختوں پر چڑھنے کی مشق اچھی خاصی تھی۔ اس لیے وہ بہ آسانی پائپ سے چپکا ہوا آہستہ آہستہ چڑھنے لگا۔

ابھی اس نے بمشکل تین گز کا فاصلہ طے کیا تھا کہ اچانک رک گیا۔ اسے اپنے پیچھے کسی کی غراہٹ سنائی دی تھی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو وہی کتا کھڑا ہوا اپنے جسم کو اینٹھ رہا تھا اور اسے اونگھتی ہوئی آنکھوں سے دیکھ کر غرا رہا تھا۔

"ہی...... ہی...... ہی......" خوف کے باوجود ٹامی کی ہنسی نکل گئی...... "یار! کیوں کباڑا کرتے ہو۔"

"بھوں.....!"

"ارے، باپ رے......!" وہ پھسلتا ہوا نیچے آ گیا۔

"بھوں...... بھوں...... بھوں......" وہ آگے بڑھنے لگا۔

ٹامی کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ سارا عشق رفو چکر ہو گیا تھا۔ اب تو عزت بچانے کا مسئلہ درپیش تھا۔ وہ کوٹ لہرا لہرا کر کتے کو دور بھگانے کی کوشش کرنے لگا۔ ساتھ ہی یہ کوشش بھی تھی کہ وہ کسی طرح احاطے کی دیوار تک پہنچ جائے۔

اسی وقت نیچے سے کسی نے للکارا۔ "کون ہے......؟"

ٹامی نے سر گھما کر دیکھا۔

نائٹ چوکیدار ہاتھ میں لاٹھی لیے دوڑا چلا آ رہا تھا۔ "چور...... چور...... پکڑو چور ہے.....!"

وہ چیختا ہوا آیا اور لاٹھی کا ایک وار کیا۔ ٹامی بڑی پھرتی سے چھلانگ لگا کر ایک

طرف ہو گیا۔ پیچھے سے کتا اچھلتا ہوا آیا تھا۔ لاٹھی ٹھیک اس کے سر پر پڑی۔

"چیاؤں...... چیاؤں......"

وہ چیختا ہوا ایک طرف ڈھیر ہو گیا۔

چوکیدار نے پلٹ کر دوسرا وار کرنا چاہا لیکن اس سے پہلے ہی ثامی نے ایک الٹا ہا
رسید کیا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے گیا۔ اس کے ہاتھ سے لاٹھی چھوٹ گئی تھی اور ثامی کے
ہاتھ سے کوٹ گر پڑا تھا۔

دونوں گتھم گتھا ہو گئے۔ شور سن کر اوپری منزل کی کھڑکی کھلی اور شاہدہ نے سر
نکال کر دیکھا۔ اسے تاریکی میں دو سائے لڑتے ہوئے نظر آئے تھے۔

وہ ثامی کو پہچان نہ سکی۔ چوکیدار کے چیخنے کے مطابق وہ اسے چور سمجھ رہی تھی۔
ثامی کو بھی اوپری منزل کی طرف دیکھنے کی فرصت کہاں تھی۔ اس نے داؤ لگتے ہی چوکیدار
کو پیٹھ پر لاد کر زمین پر پٹخ دیا اور بے تحاشہ احاطہ کی دیوار کی جانب بھاگنے لگا۔

چوکیدار نے جیب سے چاقو نکال کر کھولتے ہوئے کہا۔ "سسر کے ناتی۔ ہم کا جل
دے کے کہاں جائب۔"

اس نے نشانہ باندھ کر چاقو پھینکا۔ ثامی دیوار پر چڑھ چکا تھا۔ چاقو ٹھیک اس کی
پشت پر آکر لگا۔

"آہ......!" اس کے حلق سے ایک کراہ نکلی۔

چاقو پشت پر گہرا نہیں اترا تھا۔ اس نے پیچھے کی طرف ہاتھ لے جا کر دستہ کو پکڑا
اور ایک جھٹکے سے اسے کھینچ کر نکال لیا۔ پھر اس سے پہلے کہ چوکیدار دوڑتا ہوا اس کے
قریب آتا۔ اس نے دیوار کی دوسری جانب چھلانگ لگا دی۔

"کون ہے؟ چوکیدار!"

پرنسپل تیز قدموں سے چلتا ہوا آیا۔ وہ اپنے ہاتھوں میں رائفل پکڑے ہوئے تھا۔

"صاحب جی!...... چور تھا' سسر اپچ کر نکل گیا۔" چوکیدار نے ہانپتے ہوئے کہا۔

شاہدہ اوپری منزل سے جھانک رہی تھی۔ کمرے کی روشنی کھلی ہوئی کھڑکی سے باہر
آ رہی تھی اور دور گھاس کے ایک قطعہ پر پھیل رہی تھی۔

پرنسپل نے اپنی بوڑھی مگر تیز نظروں سے دیکھا۔ گھاس کے اس قطعہ پر کسی کا

ٹ پڑا ہوا تھا۔

اتنی دیر کے رکے ہوئے آنسو روکے نہیں رکتے تھے۔ آرزو بستر پر اوندھی پڑی ہچکیاں لے لے کر رو رہی تھی۔ اس نے تو یہی کوشش کی تھی کہ ان آنسوؤں کی کہانی کسی پر ظاہر نہ ہونے پائے۔ لیکن سرہانے کھڑی ہوئی عصمت کو ساری کہانی معلوم ہو چکی تھی...... کچھ تو روشن کی زبان سے اور کچھ آنسوؤں کی زبانی۔

روشن نے صرف اتنا ہی بتایا تھا کہ اسے ارمان کی آوارگی سے صدمہ پہنچا ہے لیکن صدمہ تو اسی کی ذات سے پہنچتا ہے۔ جس سے بہت ہی گہرا تعلق ہو۔ جس سے بہت ساری امیدیں وابستہ کرلی گئی ہوں...... اور یہ آنسو بتا رہے تھے کہ ارمان کی ذات سے وابستہ کی ہوئیں امیدیں ٹوٹ گئی ہیں اور وہ گہرا تعلق جسے محبت کہتے ہیں' ایک فریب ثابت ہو چکا ہے۔

عصمت کو معلوم ہو چکا تھا کہ آرزو اس کے کس بیٹے کو پسند کرتی ہے لیکن اس کا اظہار بڑے ہی تلخ انداز میں ہو رہا تھا۔

وہ اب تک شش و پنج میں تھی کہ اپنے بیٹے کی آوارگی کو تسلیم کرے یا نہ کرے۔ ماں کا دل نہیں مانتا تھا کہ وہ بیٹا جس نے آج تک کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا تھا۔ کس طرح ایک طوائف سے وابستہ ہو کر ماں کی نظروں سے گرنا چاہئے گا۔

"مجھے یقین نہیں آتا کہ اس نے ایسی حرکت کی ہے۔"

آرزو نے روتے ہوئے عصمت کی بات سنی لیکن بات کا جواب نہیں دیا۔ وہ ارمان کے متعلق اب کسی قسم کی بات کرنا ہی نہیں چاہتی تھی۔

عصمت نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "تم اس کے لیے اپنا جی ہلکان نہ کرو...... اسے آنے دو تو پھر دیکھنا کہ میں اس کے ساتھ کیسی سختی سے پیش آتی ہوں۔"

"مجھے کسی سے کوئی شکایت نہیں ہے آنٹی......! میں بھلا کیوں کسی کے لیے اپنا جی ہلکان کروں گی۔"

"تو پھر تم رو کیوں رہی ہو؟"

"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے...... میں ڈیڈی کے پاس جاؤں گی۔"

عصمت کے لبوں پر سنجیدہ سی مسکراہٹ آگئی۔

اس نے کہا۔ "میں سب سمجھتی ہوں۔ ارمان سے روٹھ گئی ہو تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم مجھ سے بھی روٹھ کر چلی جاؤ۔"

"میں آپ سے کبھی روٹھ کر نہیں جاسکتی۔ میرا دل جانتا ہے کہ میں آپ سے کتنی محبت کرتی ہوں لیکن کچھ عرصہ کے لیے مجھے جانے کی اجازت دے دیجئے...... میرا دل گھبرا رہا ہے۔"

"دل گھبرا رہا ہے تو چلو' میں سیر کرا لاتی ہوں لیکن تم بھائی جان کے پاس جانے کی ضد نہ کرو۔ انہوں نے تمہارا اداس چہرہ دیکھا تو مجھ سے شکایت کریں گے۔"

بات ٹھیک ہی ہے...... آرزو نے سوچا...... ارمان نے جو کچھ بھی کیا ہے۔ اس کی وجہ سے ڈیڈی کے سامنے آنٹی کو شرمندگی اٹھانی پڑے گی۔

وہ ضد کرنے کی بجائے خاموش ہو گئی۔ اسی وقت ارمان کمرے کے سامنے سے گزر رہا تھا۔

عصمت نے اسے دیکھتے ہی آواز دی۔ "ارمان...... ادھر آؤ۔"

ارمان سر جھکائے کمرے میں آیا۔ آرزو لیٹی ہوئی تھی۔ اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا لیکن اس کا نام سنتے ہی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

عصمت نے بیٹے کو دیکھتے ہی سختی سے پوچھا۔ "یہ آرزو کیوں رو رہی ہے۔"

ارمان نے گہری نظروں سے آرزو کو دیکھا۔ جو اس کی طرف سے منہ پھیرے بیٹھی ہوئی تھی۔

پھر اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "غلط فہمی کی وجہ سے۔"

"کیا روشن اور پرنسپل کو بھی غلط فہمی ہوئی ہے؟"

"جی ہاں......! لیکن وہ تسلیم نہیں کریں گے۔ آرزو کو بھی یقین نہیں آئے گا۔ اس

لیے کہ میں نے واقعی شاہدہ کے جوڑے میں پھول لگایا ہے لیکن اس وقت میری حیثیت ایک ڈرامہ سیکرٹری کی تھی۔ چیریٹی شو کی کامیابی اور ناکامی کا انحصار میری صلاحیتوں پر تھا۔ آج میں نے صرف شاہدہ کے جوڑے کو نہیں' اسٹیج کو بھی پھولوں سے سجایا تھا۔ چیریٹی شو کے بجٹ کو کم سے کم کرنے کے لیے آج میں نے صرف شاہدہ کی خوشامدیں نہیں کیں۔ بلکہ اسٹیج پر حاضر ہونے والے ہر فنکار کی خوشامدیں کی ہیں...... میں کیا کرتا؟ میرے ذمے کام ہی ایسا سونپا گیا تھا۔ ایک ڈرامہ سیکرٹری اپنوں کو ناراض کر سکتا ہے لیکن شو کے وقت کسی فنکار کو ناراض نہیں کر سکتا۔ میں آپ سے اتنا ہی کہہ سکتا ہوں امی! کہ میں ایسا ذلیل نہیں ہوں جیسا کہ دیکھنے والی نگاہوں نے مجھے سمجھا ہے۔"

اتنا کہہ کر اس نے ایک نظر آرزو پر ڈالی اور تیزی سے پلٹ کر باہر چلا گیا۔ آرزو نے سر اٹھا کر دیکھا۔ جو بات وہ کہہ گیا تھا' وہ دل کو لگتی تھی۔

دل کو تو اس کی ہر بات لگتی تھی۔ کیا اچھی' کیا بری' محبت کرنے والے اپنوں کی اچھائی کو بھی پسند کرتے ہیں اور برائی کو بھی پیار کی ایک ادا سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں۔

یہی کیا کم تھا کہ ارمان نے اپنی صفائی پیش کی تھی اور بڑے ہی ٹھوس انداز میں پیش کی تھی...... آرزو قائل ہو رہی تھی اور عصمت قائل ہو چکی تھی۔

اس نے آرزو کے قریب آ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "ذرا سی بات پر اتنی بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہو جانا دانش مندی نہیں ہے۔ تم پڑھی لکھی ہو اور سمجھ دار ہو' ایسی الجھنوں کو اپنی ذہانت سے سلجھانا چاہئے۔"

پھر اس نے مسکراتے ہوئے آرزو سے کہا۔ "ویسے تمہارے آنسوؤں نے میری ایک بہت بڑی مشکل آسان کر دی ہے۔ اب مجھے یہ نہیں پوچھنا پڑے گا کہ تم نے کون سا دولہا پسند کیا ہے؟"

آرزو نے دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرے کو ڈھانپ لیا اور لجاتی ہوئی گھٹنوں پر ٹیک کر بیٹھ گئی۔ عصمت اپنی ہونے والی بہو کو بڑی محبت سے دیکھنے لگی۔ بڑی مدت کے بعد ایک بیٹی یا ایک بہو کی حسرت پوری ہو رہی تھی۔ اس نے آرزو کا دوپٹہ ٹھیک کرتے ہوئے اس کے سر پر آنچل ڈال دیا۔

"سدا خوش رہو...... شاد آباد رہو......!" اس نے سر پر ہاتھ رکھ کر دعائیں دیں اور

مسکراتی ہوئی کمرے سے جانے لگی۔

دروازے پر پہنچ کر اس نے کہا...... "رات زیادہ ہو گئی ہے' اب آرام کرو۔"

وہ کمرے کی بتی بجھاتی ہوئی چلی گئی۔

اس کے جاتے ہی آرزو نے بستر پر گر کر تکیئے کو اپنے سے بھینچ لیا۔

ہائے! یہ کیا ہو گیا؟...... ابھی تو ارمان سے شکایت رہ گئی تھی...... ابھی تو میں اچھی طرح لڑنا جھگڑنا چاہتی تھی...... لیکن یہ آنٹی نے سر پر آنچل ڈال کر مجھے کتنا کمزور کر دیا ہے۔ اب تو میں ان سے جھگڑ بھی نہیں سکتی...... یہ آنٹی نے سہاگنوں والی دعائیں دے کر مجھے کس بندھن میں جکڑ دیا ہے۔ اب تو میں زبان پر حرف شکایت بھی نہیں لا سکتی۔"

وہ ارمان سے کیا لڑتی' اپنے ہی جذبوں سے لڑنے لگی۔ سرکش جذبوں سے کون لڑ سکتا ہے؟ انہیں جتنا دباؤ' اتنا ہی ابھرتے جاتے ہیں۔ وہ خود ہی نڈھال ہوتی چلی گئی۔

"آرزو۔"

وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ ارمان دروازے پر کھڑا تھا۔ کمرے میں اندھیرا تھا لیکن کھڑکی سے آنے والی چاندنی میں اس کی ہلکی ہلکی سی جھلک نظر آ رہی تھی۔ وہ بھی گھبرا کر کھڑی ہو گئی اور اس کی طرف سے رخ پھیر کر آپ ہی آپ سمٹنے لگی۔ اس کے سر پر سہاگ کی دعاؤں کا مہکتا ہوا آنچل اب تک رکھا ہوا تھا اور اسے ارمان کی اہمیت کا احساس دلا رہا تھا۔

ارمان نے قریب آتے ہوئے کہا۔ "میں امی کے سامنے ایک بات نہ پوچھ سکا...... اب پوچھ رہا ہوں کہ ہزار ناراضگی کے باوجود کیا تم مجھ سے نفرت کر سکتی ہو؟"

ارمان نے بڑے پیار سے اسے کے شانوں پر ہاتھ رکھا۔

وہ پہلے بھی ان ہاتھوں کی گرفت میں آئی تھی لیکن آج یہ ہاتھ سہاگ کا تصور لے کر اس کے شانوں تک پہنچے تھے۔ وہ ہولے سے کانپ گئی...... نہیں...... وہ نہیں کانپی۔ جذبے تھرا گئے۔

"میں جانتا ہوں......" ارمان نے کہا...... "تم مجھ سے ناراض ہو سکتی ہو لیکن نفرت نہیں کر سکتیں۔"

وہ آہستہ آہستہ اس کی طرف پلٹ گئی اور اپنی آنکھیں بند کرتے ہوئے اپنا سر اس کے سینے پر رکھ دیا۔

"ارمان......!" اس نے کانپتے ہوئے لہجے میں کہا...... "میرے پیار کا سارا سرمایہ تم سے ہے۔ تم ہی سوچو! تمہیں کسی لڑکی کے قریب دیکھ کر مجھے کتنا صدمہ ہو گا؟"

"میں تمہارے احساسات کو سمجھتا ہوں لیکن آرزو!...... ہر انسان اپنے پیشے اور اپنی ذمہ داریوں سے مجبور ہوتا ہے۔ تم ایک ڈاکٹر ہو اگر تم کسی مریض کا ہاتھ پکڑ لیتی ہو تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ محبت کا اظہار کر رہی ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ تم اس کی نبض دیکھتی ہو۔ اسی طرح ایک ڈرامہ سیکرٹری اپنی آرٹسٹ کے جوڑے میں پھول لگاتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ محبت کا اظہار کر رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنی آرٹسٹ کو زیادہ سے زیادہ بنا سنوار کر اسٹیج پر پیش کرنا چاہتا ہے...... کیا اتنی سی بات تم نہیں سمجھ سکتیں؟"

آرزو نے اثبات میں سرہلایا۔ جیسے کہہ رہی ہو...... "ہاں سمجھتی ہوں۔"

ارمان نے ہنستے ہوئے کہا۔ "سمجھتی ہو...... لیکن ذرا دیر سے......"

آرزو نے مسکرا کر آنکھیں کھول دیں۔ اس کی نگاہوں کے بالکل قریب سیوتی کا ایک پھول مسکرا رہا تھا۔

"یہ کہاں سے آگیا؟"

اس نے ارمان کے سینے سے سر اٹھا کر دیکھا۔ قمیض کے گریبان کے سب سے اوپری کاج میں وہ پھول لگا ہوا تھا اور کھڑکی سے آنے والی چاندنی میں آرزو کو کسی کا وعدہ یاد دلا رہا تھا۔

ارمان نے اس کے قریب جھکتے ہوئے سرگوشی کی۔ "میں نے تم سے کہا تھا کہ واپسی پر جوڑا نہ کھولنا۔"

اس نے سر کو جھکا لیا اور دل ہی دل میں پچھتانے لگی۔

ارمان نے پھر سرگوشی کی۔ "میں...... پھول لے آیا ہوں آرزو۔"

آرزو نے ایک گہری سانس لی اور اس کے ہاتھ گردن کے پیچھے چلے گئے...... کھلی ہوئی زلفیں سمٹنے لگیں...... دو نازک سے ہاتھوں کے درمیان بل کھانے لگیں...... دائرے کی صورت میں چکرانے لگیں اور پھر کنڈلی مار کر اس کی گردن پر بیٹھ گئیں۔

اس نے میز پر پڑے ہوئے کلپ اور کانٹوں کو جوڑے میں لگایا اور آہستہ آہستہ

ی ہوئی کھڑکی کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔

چاندنی اس کے چہرے کو چھو رہی تھی اور آخر شب کی ہوائیں کانوں میں گوشیاں کر رہی تھیں کہ...... دیکھ! تیرے پیچھے وہ ہولے ہولے آ رہا ہے۔ اپنے ہاتھوں پھول لیے۔

"ٹن...... ٹن...... ٹن......!" دور کہیں گھڑیال نے تین بجائے۔

رات جا رہی تھی۔ فاصلہ مٹ رہا تھا۔

پھول سے جوڑے تک کا فاصلہ بہت تھوڑا رہ گیا۔

ارمان کے ہاتھ جوڑے تک پہنچے...... صرف ایک سیکنڈ کا فاصلہ رہ گیا۔

"کھٹ......!" سوئچ آن ہوا۔

اندھیرا کمرہ اچانک روشن ہو گیا۔ دونوں نے ایک ساتھ پلٹ کر دیکھا۔ دروازے پر شن کھڑا ہوا تھا۔ اس نے چبھتی ہوئی نظروں سے پھول کو دیکھا۔ پھر آرزو کے جوڑے ...... اور پھر طنزیہ لہجے میں کہا۔ "ہم...... تو جوڑے میں پھول لگایا جا رہا ہے۔"

آرزو نے گردن جھکا لی۔

ارمان نے سنجیدہ اور مستحکم لہجے میں کہا۔ "بھائی جان!...... ہم نے ایک دوسرے کو یک حیات بنانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"اچھا......!" روشن نے نفرت سے پوچھا...... "پھر شاہدہ کا کیا بنے گا؟"

"شاہدہ کے متعلق آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"بہت اچھے......!" اس نے ہنستے ہوئے کہا...... "وہ غلط فہمی رات کے تین بجے تم ے ملنے آئی ہے...... اور ڈرائنگ روم میں تمہارا انتظار کر رہی ہے۔"

"شاہدہ......؟" ارمان نے حیرت سے پوچھا۔

آرزو نے بھی چونک کر روشن کو دیکھا۔

وہ نفرت سے کہہ رہا تھا۔ "ہاں وہ تنہا نہیں ہے۔ پرنسپل صاحب بھی ساتھ ہیں۔ ہرہے کہ امی بھی وہاں موجود ہوں گی...... لہٰذا مس آرزو کو بے وقوف بنانے کے لیے انے جو محبت کا ڈھونگ رچایا ہے، اسے ابھی رہنے دو اور میرے ساتھ چلو۔ امی تمہیں رہی ہیں۔"

ارمان اور آرزو نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ارمان کی آنکھوں سے مستقل جھانک رہی تھی لیکن آرزو کی آنکھوں سے گھبراہٹ مترشح تھی...... یہ کیا ہو گیا؟...... ہو رہا ہے؟...... جوڑے سے پھول تک کا یہ مختصر فاصلہ طے کیوں نہیں ہوتا؟...... ا نگاہیں سوال کر رہی تھیں۔

"آؤ...... چلیں!" ارمان نے اس سے کہا۔

وہ سر جھکائے اس کے ساتھ چلنے لگی۔

ڈرائینگ روم میں پرنسپل بیٹھا ہوا عصمت سے باتیں کر رہا تھا۔ ان سے ذرا پر شاہدہ ایک صوفہ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ارمان کو آتا دیکھ کر پرنسپل نے ناگواری کا اظہا اس کے سلام کا جواب بھی اس نے بڑی بے رخی سے دیا۔

عصمت نے اسے دیکھتے ہی سوال کیا۔ "ارمان!...... تم آج کس وقت گھر آئے ہو؟"

"جی، یہی کوئی دو بجے کے قریب۔"

"اتنی رات تک کہاں تھے؟"

ارمان نے فوراً ہی جواب نہیں دیا۔ اس نے آرزو کی طرف دیکھا وہ اس کا؛ سننے کے لیے کچھ بے چین سی نظر آ رہی تھی۔

ارمان نے ماں کے سامنے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "آرزو کی ناراضگی نے مجھے ؛ کر دیا تھا۔ ...... مجھے ذہنی سکون کی ضرورت تھی۔ اس لیے میں کوٹھی کے سامنے پارک میں جا کر بیٹھ گیا تھا۔"

پرنسپل نے اپنی عینک درست کرتے ہوئے پوچھا۔ "پارک میں بیٹھنے گئے شاہدہ سے ملنے کے لیے میری کوٹھی میں آئے تھے؟"

"شاہدہ سے ملنے؟"...... ارمان نے حیرت سے شاہدہ کو دیکھا۔

پرنسپل نے شاہدہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "تم بتاؤ کہ حقیقت کیا ہے؟"

شاہدہ پہلو بدلتی ہوئی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی اور کہنے لگی۔ "ارمان!...... تم شریف گھرانے کے فرد ہو، میں نہیں چاہتی تھی کہ میرے ساتھ بدنام ہو جاؤ۔ آ میں نے رقعہ لکھ دیا تھا کہ کوٹھی کے پچھلے زینے سے آنا...... اب اس سلسلے میں

غلطی ہو گئی ہے تو بتاؤ میں کیا کروں؟"

"کیا بکواس کر رہی ہو؟"...... ارمان نے بگڑ کر کہا...... "کب تم نے رقعہ لکھا تھا اور کون تم سے ملنے آیا تھا؟"

"تم......!" شاہدہ نے کہا...... "اب انکار کرنے سے کوئی فائدہ نہ ہو گا...... غلطی تمہاری ہے۔ تم وہاں اپنا کوٹ چھوڑ کر چلے آئے ہو۔"

"کوٹ......!" ارمان نے گھبرا کر کہا۔

اب اسے یاد آ رہا تھا کہ اس نے اپنا کوٹ کہیں چھوڑ دیا ہے...... کہاں چھوڑ دیا ہے؟ وہ ذہن پر زور ڈالنے لگا۔

پرنسپل نے اپنے قریب رکھا ہوا ایک کاغذ کا پیکٹ اٹھایا اور اس میں سے ارمان ا کوٹ نکال کر سامنے تپائی پر رکھ دیا۔

آرزو کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا...... نیوی بلو کلر کا کوٹ...... شام کو یہ کوٹ پہنے ارمان کتنا جچ رہا تھا۔ آرزو نے اس کی پیشانی پر ایک ننھا سا ٹیکا لگایا تھا...... لیکن اس کے پیار کو نظر لگ ہی گئی۔ ایک ڈائن نے اس کی ساری آرزوؤں کو چبا ڈالا تھا۔

ذہن پر زور ڈالتے ہی ارمان کو یاد آ گیا۔

اس نے جلدی سے کہا۔ "یہ کوٹ میں نے ٹامی کو دیا تھا۔"

"جی ہاں......!" روشن نے طنزیہ کہا...... "اب ٹامی یہاں آ کر تمہاری خاطر جھوٹ بولے گا کیونکہ وہ تمہارا دوست ہے۔ تمہارے پیسوں سے وہ تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ تمہارے پیسوں سے وہ عیاشی کرتا ہے اس لیے تمہارے احسانوں کا بدلہ چکانے کے لیے وہ اس الزام کو اپنے سر لے سکتا ہے۔"

یہ بات سننے والوں کے دلوں کو لگ رہی تھی۔ یہ حقیقت سب ہی جانتے تھے کہ ٹامی، ارمان کا احسان مند ہے۔ وہ اپنے محسن کی خاطر بڑے سے بڑا الزام اپنے سر لے سکتا ہے۔"

"ارمان......!" پرنسپل نے کہا...... "ٹامی کو اپنا سہارا بنانے کی کوشش نہ کرو۔ تمام ثبوت تمہارے خلاف ہیں۔ میری کوٹھی میں صرف تمہارا کوٹ ہی نہیں، کوٹ کے ساتھ یہ رقعہ بھی پایا گیا ہے اور یہ رقعہ تمہارے جرم کا کھلا ثبوت ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے

رقعہ آگے بڑھا دیا۔

روشن نے اسے کھول کر پڑھا...... اور پھر آرزو کی طرف گہری نظروں سے دیکھ
ہوئے اس کی طرف بڑھا دیا۔

آرزو نے اسے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے لے کر پڑھا۔

"ارمان!

یاد ہے' تم نے شو کے بعد کہاں چلنے کا وعدہ کیا تھا۔ وعدہ کے مطابق تم آج کی را
میرے ساتھ گذارو گے...... احتیاطاً پچھلے زینے سے آنا۔ میں انتظار کروں گی۔

تمہاری شاہدہ"

آرزو کی تھرتھراتی ہوئی انگلیوں سے یہ رقعہ چھوٹ کر فرش پر آ گیا۔ ارمان ا
ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا اور یہ اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ وہ پوری طرح اس
بدظن ہو چکی ہے...... اس نے فرش پر گرے ہوئے رقعہ کو اٹھا کر پڑھا۔ وہ معمولی
رقعہ اسے ایک ناکردہ جرم میں ملوث کر رہا تھا اور وہ کوٹ اس جرم کا ثبوت بن کر سا
پڑا ہوا تھا...... اس کا دل کہہ رہا تھا کہ ثامی یہ کوٹ پہن کر ضرور شاہدہ سے ملنے گیا ہو گا......

اس نے شاہدہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "شاہدہ!...... اگر تمہارے دل میں ذ
سا بھی ایمان ہے تو سچ سچ بتاؤ' کیا پرنسپل صاحب کی کوٹھی میں تم نے مجھے دیکھا ہے؟"

"نہیں...... میں اوپری منزل میں تھی۔ تمہیں دور سے پہچان نہ سکی۔ چوکیدا
تمہیں چور سمجھ کر لڑ رہا تھا۔ میں نے بھی یہی سمجھا کہ شاید کوئی چور ہے لیکن تمہار
کوٹ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ تم ہی تھے۔"

"یہ جھوٹ ہے......" اس نے چیخ کر کہا...... "ثامی وہ کوٹ پہن کر تمہارے پاس گ
ہو گا۔"

پھر اس نے پرنسپل کی طرف پلٹتے ہوئے کہا۔ "سر!...... اگر چوکیدار کسی سے لڑ رہا
ہے تو یقیناً وہ ثامی کو پہچان لے گا۔"

"وہ صورت سے کسی کو نہیں پہچان سکتا۔ میں نے اس سے حلیہ دریافت کیا
لیکن اندھیرے کی وجہ سے وہ صحیح بیان نہیں دے سکا۔ لیکن ارمان!...... اس واقعہ کے
پیش نظر میرے سامنے دو ہی راستے ہیں...... ایک تو یہ کہ کسی چور کے متعلق تھانے میں

پورٹ درج کروا دوں لیکن اس صورت میں بھی تمام ثبوت کو دیکھتے ہوئے پولیس
ہمارے دروازے پر آئے گی اور پھر اس میں میری بھی بدنامی ہے کہ میں نے ایک بدچلن
کی کو اپنے ہاں ٹھہرایا تھا۔ حالانکہ مجھے یہی کہا گیا تھا کہ یہ کسی شریف گھرانے سے تعلق
کھتی ہے۔ اسی لیے میں دوسرا راستہ اختیار کرتے ہوئے سیدھا یہاں چلا آیا۔ روشن
احب سے میرے اچھے تعلقات ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ بات اسی گھر کی چار دیواری میں
تم ہو جائے تو بہتر ہے۔

آج مجھے شدت سے اس بات کا احساس ہو رہا ہے کہ تعلیمی اداروں میں ناچ رنگ
ی محفلیں منعقد نہیں ہونی چاہئے' خواہ وہ چیریٹی شو کے نام پر ہی کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ
ہر سے آئی ہوئی شاہدہ جیسی ایک گندی مچھلی سارے تالاب کو گندا کر دیتی ہے۔

میں اس لڑکی کو ایک لمحہ کے لیے بھی اپنی کوٹھی میں برداشت نہیں کر سکتا تھا۔
ی لیے یہاں لے آیا ہوں اس وقت چار بجنے والے ہیں۔ پشاور جانے والی ٹرین آدھ
گھنٹے کے بعد روانہ ہو گی' مسٹر روشن! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ شاہدہ کو
سٹیشن تک پہنچا دیں۔ یہ آپ کا بہت بڑا احسان ہو گا مجھ پر......"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں......؟" روشن نے کہا...... "آپ کا حکم سر آنکھوں پر
آپ اطمینان رکھیں۔ میں شاہدہ کو اسٹیشن پہنچا دوں گا۔" پرنسپل نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"شکریہ!...... خدا حافظ!" یہ کہہ کر وہ ڈرائنگ روم سے چلا گیا۔

ارمان نے آرزو کی جانب دیکھا۔ وہ سکتے کے عالم میں آنکھیں پھیلائے بت بنی
کھڑی ہوئی تھی۔

ارمان نے اپنی صفائی پیش کرنے کے لیے اسے مخاطب کیا۔ "آرزو......!"

وہ جیسے خیالات سے ایک دم چونک پڑی۔ اس نے سپاٹ نظروں سے اسے دیکھا۔
پھر اس کی آنکھوں میں دل کا سارا درد و کرب اتر آیا۔

اس نے روشن کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "روشن صاحب!...... کل کی سیٹ بک
کرا دیجئے۔ میں ڈیڈی کے پاس جاؤں گی۔"

"آروز......!" عصمت نے گھبرا کر صوفہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"بس آنٹی!......" اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا...... "اگر آپ کو ذرا سا بھی احساس ہے

کہ ایک ناچنے والی کے سامنے میری کتنی بے عزتی ہوئی ہے تو آپ مجھے رکنے کے لیے کہیں...... میں ہر حال میں کراچی جاؤں گی۔"

یہ کہہ کر وہ غصہ میں پلٹی اور تیز تیز قدم بڑھاتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف گئی۔

ارمان نے دل برداشتہ ہو کر ماں کی طرف دیکھا۔

"امی!"

"خبردار!...... مجھے امی نہ کہنا....." عصمت نے غصہ سے کہا...... "میں تمہار صورت بھی دیکھنا نہیں چاہتی۔"

اس نے بیٹے سے منہ پھیر لیا لیکن چہرے سے ممتا کا درد نہ چھپا سکی۔

ارمان نے التجا کی۔ "پہلے میری بات سن لیجئے امی۔"

"اب سنانے کے لیے کیا رہ گیا ہے؟ کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ یہ کوٹ تمہارا نہ ہے؟...... یہ رقعہ تمہارے لیے نہیں لکھا گیا ہے؟...... کیا اس سے پہلے بھی تمہاری آوا کی داستان میں نے نہیں سنی ہے؟"

خدا کے لیے میرے سامنے سے ہٹ جاؤ ارمان!...... میں ایک ماں بن کر اب یہ فیصلہ نہیں کر سکی ہوں کہ تم سے کیسے نفرت کروں۔ کس طرح تمہیں دل سے نکال پھینک دوں؟"

"آپ مجھ سے نفرت نہیں کر سکتیں، امی!......" اس نے پورے اعتماد سے کہا۔

عصمت کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے بڑی ہی دکھی لہجے میں کہا۔ "نفر نہیں کر سکتی لیکن خاندان کی اس عزت کا ماتم تو کر سکتی ہوں۔ جسے تم اس بد چلن لڑکی قدموں میں ڈال چکے ہو۔ تمہاری آوارگی کی داستان جب دنیا والوں کی زبان پر آئے گ ندامت تمہیں نہیں مجھے ہوگی۔ سر تمہارا نہیں، میرا جھکے گا۔"

اس نے آنچل سے منہ چھپا لیا اور روتی ہوئی ڈرائینگ روم سے چلی گئی۔

اب وہاں شاہدہ اور روشن رہ گئے تھے۔ ایک سر جھکائے بیٹھی تھی اور دوسرا نظروں سے ارمان کو دیکھ رہا تھا۔

ارمان نے اوپری برآمدے کی جانب دیکھا۔ جہاں آرزو کے کمرے کا دروازہ تھ

لا ہوا تھا۔ وہ آگے بڑھ کر آہستہ آہستہ ڈرائنگ روم کے زینے پر چڑھنے لگا۔

روشن اسے چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ کیونکہ ارمان کا رخ آرزو کے ے کی طرف تھا۔ اس کے دل میں ایک اضطراب سا پیدا ہو رہا تھا کہ آرزو پھر کہیں ی محبت بھری باتوں میں نہ آ جائے۔

لیکن نہیں!...... اس نے خود کو اطمینان دلایا...... اس کی آوارگی کے اتنے ٹھوس سامنے آنے کے بعد اب آرزو اس کے فریب میں نہیں آئے گی...... شاہدہ نے جس ز سے محبت کے رشتے کو کاٹا ہے۔ اب اس انداز کافرانہ کے سامنے ارمان کا کوئی حربہ نہیں آئے گا۔

واقعی انسان نے بڑے بڑے مہلک ہتھیار بنائے ہیں لیکن عورت جیسی دو دھاری ر نہ بنا سکا...... اس نے مسکرا کر شاہدہ کو دیکھا۔ شاہدہ نے بچپن ہی سے جواباً مسکرانا ا تھا۔ وہ بھی روشن کو دیکھ کر مسکرانے لگی۔

"تم بیٹھو، میں ابھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔" روشن یہ کہتا ہوا اپنے کمرے کی ف چلا گیا۔

آنسو، پھر آرزو کا مقدر بن گئے تھے۔

اس کا رونا بجا تھا۔ ایسے موقع پر کوئی بھی لڑکی ہوتی تو وہ اپنے محبوب کو بے وفا ہ کر ضرور آنسو بہاتی...... کہیں سے کوئی ایسا تنکے برابر ثبوت بھی نہیں تھا جو ارمان کی گناہی کا ہلکا سا یقین ہی دلا دیتا...... سارے واقعات اور ساری شہادتیں اس کے خلاف ں۔

اس کی بے وفائی ثابت ہونے کے بعد اب تو پچھلے واقعات بھی اسے گناہگار ثابت رنے لگے تھے...... وہ شاہدہ کو چیریٹی شو کی دعوت دینے گیا تھا...... ایک ہی دن میں واپس جانا تھا لیکن وہ دوسرے دن آیا تھا...... عصمت سے کہا تھا کہ بس کا حادثہ ہوتے ہوتے گیا۔ ٹائر برسٹ ہو گیا تھا۔ دوسری بار آرزو سے اس نے کہا تھا کہ ٹامی کے ہاں رہ گیا

آرزو کو اب ایک ایک بات یاد آ رہی تھی کہ ارمان کس طرح شاہدہ کی تعریفیں کیا رتا تھا۔

"آہا' ہا...... کیا غضب کا حسن پایا ہے...... چراغ لے کر ڈھونڈو تو سارے جہاں ایسی خوبصورت لڑکی نہیں ملے گی......"

آرزو کو اس کی ایک ایک بات رلا رہی تھی۔

دروازے پر آہٹ ہوئی' اس نے پلٹ کر دیکھا...... ارمان اداس چہرہ لیے کھڑا تھ

"چلے جاؤ یہاں سے......" اس نے بپھر کر کہا...... "میرے کمرے میں بغیر اجا آنے کا تمہیں کیا حق پہنچتا ہے۔"

"وہی حق...... جو تم نے مجھے دے رکھا ہے۔" اس نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

آرزو نے پیچھے ہٹتے ہوئے جواب دیا۔ "وہ میری بھول تھی۔ میں اس بھول پر عمر پچھتاتی رہوں گی لیکن تم سے بات کرنا بھی گوارا نہیں کروں گی۔"

"تم میرے متعلق جو بھی فیصلہ کرو لیکن پہلے میری بات سن لو کہ میں اپنی ص میں کیا کہنا چاہتا ہوں؟"

"میں ایک لفظ بھی نہیں سننا چاہتی...... تم کون ہوتے ہو' مجھ سے باتیں کر والے؟"

ارمان نے آگے بڑھ کر اس کے دونوں بازوؤں کو مضبوطی سے اپنی گرفت میں لیا اور جھلا کر کہا۔ "تم نہیں جانتیں کہ میں کون ہوں لیکن میں جانتا ہوں کہ تم میری لگتی ہو؟ اگر تم نے سیدھی طرح میری بات نہ سنی تو میں جبراً تمہیں سناؤں گا۔"

جوش کی شدت سے ارمان کی انگلیاں آرزو کے بھرے بھرے بازوؤں میں کھب تھیں اس نے پہلی بار ارمان کو غصہ کی حالت میں دیکھا تھا...... یہ وہ شریر اور منچلا ار نہیں تھا...... وہ تو بالکل بدل چکا تھا۔ اس کی بے وفائی کے بعد آرزو اس کا یہ دوسرا دیکھ کر گھبرا گئی۔

اس نے پوری قوت سے اپنے بازوؤں کو جھٹکا دے کر خود کو چھڑا لیا اور بھاگتی ہ صوفہ کے پیچھے چلی گئی۔

پھر اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "تم پاگل ہو گئے ہو......؟ اپنے گناہوں کا راز کھ دیکھ کر اپنی اصلیت پر آ گئے ہو...... میں شاہدہ نہیں ہوں کہ تمہاری زبردستی کا شکار جاؤں گی۔"

یہ کہہ کر وہ دوڑتی ہوئی باتھ روم کی طرف گئی۔

ارمان نے اس کا پیچھا کرتے ہوئے کہا۔ "آرزو!...... سنو تو...... مجھے غلط نہ سمجھو......!"

لیکن اس کے پہنچنے سے پہلے ہی آرزو نے باتھ روم کا دروازہ بند کر دیا۔

ارمان نے دروازے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "آرزو!...... خدا کے لیے میری بات سن لو!"

اس نے دوسری طرف سے چیخ کر کہا۔

"میں کچھ نہیں سننا چاہتی۔ تم یہاں سے چلے جاؤ!"

"ضد نہ کرو آرزو!...... ایک غلط فہمی ساری زندگی کا پچھتاوا بن جائے گی۔"

دوسری طرف سے آرزو کی آواز نہیں آئی...... ہاں' پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی۔ شاید آرزو نے باتھنگ ٹب کا نل کھول دیا تھا۔ پانی گرنے کی آواز میں شدت آ گئی۔

اس کے بعد شاور بھی پوری رفتار سے کھل گیا۔ شاور ایسا ہی تھا' جیسے تیز موسلادھار بارش ہو رہی ہو۔

اب...... اتنی دیر کے بعد اسے اپنی کم مائیگی کا احساس ہوا کہ لوگوں نے کس طرح اسے نظروں سے گرا دیا ہے حتیٰ کہ آرزو بھی اس سے بات کرنا گوارا نہیں کرتی ہے۔ باتھ روم کی محدود فضا میں پانی زور شور سے گونجتا ہوا۔ اس کی بے وقعتی پر قہقہے لگا رہا تھا۔

اس نے سختی سے ہونٹوں کو بھینچ لیا اور درو ے کے ہینڈل کو اتنی مضبوطی سے اپنی مٹھی میں جکڑ لیا۔ جیسے اپنی محبت کا گلا گھونٹ رہا ہو۔

ٹھیک ہے۔ جب اس گھر میں محبت نہ رہی' بھائی چارگی اور ممتا کا اعتماد نہ رہا تو وہ یہاں رہ کر کیا کرے گا؟

وہ تیزی سے پلٹ گیا۔

ٹھیک ہے' آرزو اس گھر کو کیا چھوڑے گی' اس سے پہلے ہی وہ گھر چھوڑ کر چلا جائے گا۔

وہ آرزو کے کمرے سے نکل گیا...... الوداع میری محبوبہ! اب اپنے جوڑے کو

میرے انتظار میں نہ سجانا۔

وہ سیڑھیاں اترتا ہوا روشن کے قریب سے گزر گیا۔

خدا حافظ۔ بھائی جان!...... ابا جان مرحوم کی جائیداد آپ کو مبارک ہو۔ اب اس گھر میں کوئی سازشی کھیل کھیلا نہ جائے گا۔

وہ ڈرائینگ روم میں بیٹھی ہوئی شاہدہ کے پاس سے نظریں اٹھائے بغیر گزر گیا...... اس معاشرے کے شوکیس میں سجی ہوئی لڑکی...... تیرا کاروبار سلامت رہے۔ اب کوئی دوسرا گھر دیکھ...... میں تو لٹ کر جا رہا ہوں۔

کوٹھی سے باہر آ کر اس نے دیکھا۔ صبح کاذب کی ملگجی روشنی میں کوٹھی اداس اور مغموم نظر آ رہی تھی۔ اس کوٹھی نے پچیس سال تک اسے اپنی گود میں پالا تھا۔ ایک ماں کی طرح......"

اس نے آنکھیں بند کرتے ہوئے اپنی امی کو تصور میں لا کر کہا۔ "امی!...... محبوبہ کا پیار ڈگمگا جاتا ہے لیکن ماں کا پیار کبھی نہیں ڈگمگاتا...... میں جانتا ہوں' مجھے آوارہ سمجھ کر بھی آپ گلے سے لگا لیں گی...... اس لیے کہ آپ ممتا سے مجبور ہیں لیکن میں آپ کی گود چھوڑ کر جا رہا ہوں...... اپنی پیشانی سے آوارگی کا داغ مٹانے کے لیے...... میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے آپ کی گود بدنام ہو۔"

وہ سر جھکا کر مین گیٹ سے باہر چلا گیا۔

صبح کی ملگجی روشنی میں اور کہر کے دھندلکے میں لپٹا ہوا۔ وہ کسی نامعلوم منزل کی طرف جا رہا تھا۔

عصمت میز پر سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے سامنے ایک ڈائری کھلی ہوئی تھی۔ وہ ہر رات سونے سے پہلے ڈائری لکھنے کی عادی تھی۔ اس کی الماری میں پچیس ڈائریاں تھیں۔ جوانی سے لے کر بڑھاپے کی موجودہ عمر تک...... ہر سال کی ڈائری کو اس نے حفاظت سے رکھا تھا۔

ان ڈائریوں میں اس کی زندگی کے ایک ایک دن کی تفصیل موجود تھی...... ماضی کو یاد کرنے کے لیے اسے کبھی ذہن پر زور دینے کی ضرورت نہ پڑی۔ وہ جب چاہتی' ڈائری کے آئینے میں اپنے ماضی کی تصویر دیکھ لیا کرتی تھی۔

آج بھی اس کے سامنے ایک ڈائری کھلی ہوئی تھی۔ پرانی اور بوسیدہ سی ائری...... اس کے اوراق پھڑپھڑا رہے تھے اور عصمت کے بڑھاپے کی طرح کانپ رہے تھے۔

سیلنگ فین کی ہوا سے اوراق محفوظ رکھنے کے لیے عصمت نے اپنے ہاتھوں کو ں پر رکھا...... ڈائری خاموش ہو گئی...... عصمت کے دونوں ہاتھوں کے نیچے دو ورق پھیلے وئے تھے اور وہ سفید بے نور آنکھوں کی طرح اسے تک رہے تھے۔

وہ بے نور آنکھیں...... پچیس سال کی دوری سے جھانک رہی تھیں۔

عصمت نے گھبرا کر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

دوپہرے دار آنکھیں...... اس کے ذہن سے جھانک رہ تھیں۔

"واں...... واں...... واں......" ارمان کا بچپن رو رہا تھا۔

"میرا بچہ......!" عصمت نے چیخ کر کہا اور ڈائری کو اٹھا کر سینے سے لگا لیا۔

عالم تصور میں ارمان رو رہا تھا لیکن...... آنسو' عصمت کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔

روشن نے کار کا اگلا دروازہ کھولا۔ شاہدہ نے بیٹھنے سے پہلے ایک بار روشن کے دائیں ہاتھ کو دیکھا۔ جس میں بڑے بڑے نوٹوں کی گڈیاں تھیں۔

اس کے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ اس سے مل بیٹھنے والے رئیس زادے ہمیشہ اسی طرح نوٹوں کی نمائش کیا کرتے تھے...... یہ کوئی نئی بات نہیں تھی لیکن عجیب سی بات ضرور تھی۔ کیونکہ ابھی کچھ دیر پہلے اس کوٹھی میں اسے بدکار' فاحشہ کہہ کر اس پر کیچڑ اچھالی گئی تھی...... اور ابھی اسی کوٹھی کا ایک شریف زادہ اسے اسٹیشن پہنچانے کے لیے ہاتھوں میں نوٹوں کی گڈیاں لے کر جا رہا تھا۔

یہ نوٹ کس کے لیے جا رہے تھے؟ کوئی سمجھے یا نہ سمجھے...... لیکن شاہدہ کے تجربوں نے اسے بہت کچھ سمجھا دیا تھا۔

وہ کار میں بیٹھ گئی۔ روشن نے دروازہ بند کیا اور دوسری طرف سے آ کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ دونوں کے درمیان دو بالشت کا فاصلہ تھا۔

روشن نے اس درمیانی فاصلے پر نوٹوں کی گڈیاں رکھ دیں۔ جیسے فریقین کے درمیان ایک اہم معاہدہ رکھ دیا گیا ہو...... سکہ رائج الوقت کا ایسا معاہدہ ہوتا ہے۔ جس میں بحث و تکرار کی کبھی گنجائش نہیں ہوتی۔

کار اسٹارٹ ہوئی۔ پورچ سے آگے بڑھی اور کوٹھی کے احاطے سے نکلتی ہوئی کولتار کی سڑک پر دوڑنے لگی۔

شاہدہ خاموش تھی اور سوچ رہی تھی...... وہ اپنے گاہکوں کے متعلق بہت کم سوچتی تھی۔ کیونکہ وہ خودبخود سوچے سمجھے بغیر دام میں آ جاتے تھے۔ اس کی ساری سوچ تو اس پنچھی کے لیے تھی جو دام میں آتے آتے پھر سے اڑ گیا تھا۔

"ارمان......!" وہ سوچ رہی تھی...... "آخری بار جاتے وقت اس نے نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو میں اس کے پیچھے ضرور جاتی۔ وہ بے چارہ مجھ سے پرنسپل کی کوٹھی میں ملنے آیا اور پکڑا گیا...... لیکن میں اس کے پیچھے کیسے جاتی۔ وہ پہلے ہی میرے لیے بدنام ہو چکا تھا۔ میں اور اسے ذلیل نہیں کرنا چاہتی تھی۔

لیکن میں پھر ایک بار اس سے ملوں گی۔ وہ میرا آئیڈیل ہے۔ اس دنیا کے بازار میں گاہک تو بہت ہوتے ہیں لیکن آئیڈیل ایک ہی ہوتا ہے۔ میں ساری زندگی اس کے پیچھے بھاگتی رہوں گی۔"

اس نے ایک گہری سانس لی۔ جیسے بھاگتے بھاگتے ہانپنے کے لیے رک گئی ہو۔

روشن نے اسے کن انکھیوں سے دیکھ کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔ "کیا سوچ رہی ہو؟"

"ارمان کے متعلق سوچ رہی ہوں۔"

روشن کے ہونٹوں سے مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

اس نے سنجیدگی سے کہا۔ "اس کے متعلق سوچنا ہے۔ وہ اب تم سے کبھی نہیں ملے گا۔"

شاہدہ نے مسکراتے ہوئے پورے اعتماد سے کہا۔ "جو اپنی عزت کو خطرے میں ڈال کر آدھی رات کو ملنے آ سکتا ہے' وہ دن کے اجالے میں بھی کہیں نہ کہیں ضرور ملے گا۔"

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے کہ وہ تم سے ملنے آیا تھا۔"

"کیا مطلب......؟" شاہدہ نے حیرت سے پوچھا۔

"میں ارمان کو بچپن سے جانتا ہوں۔ وہ شوخ ہے' شریر ہے لیکن عاشق مزاج نہیں ہے۔ تمہارے پیچھے وہی لوگ بھاگ سکتے ہیں جو شراب اور عورت کے رسیا ہوتے ہیں اور ارمان اس معاملے میں بالکل کورا ہے...... میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ تم سے ملنے نہیں گیا تھا۔"

"پھر وہ کوٹ......؟" شاہدہ نے پوچھا۔

"کوٹ کے متعلق میں نہیں کہہ سکتا کہ کیا چکر ہے۔ اگر وہ کہتا ہے کہ تامی کوٹ

پہن کر گیا ہوگا تو یہ بھی ممکن ہے۔ بہر حال وہ بری طرح پھنس گیا ہے۔"

وہ تھوڑی دیر تک اسے غیر یقینی نظروں سے دیکھتی رہی۔

پھر اس نے تعجب سے پوچھا۔ "اگر ایسی بات ہے تو تم نے اسے بدنامی سے بچا کی کوشش کیوں نہیں کی؟"

"کیوں......؟" تم نہیں چاہتیں کہ تمہارے نام کے ساتھ اس کا نام آئے؟"

"چاہتی ہوں...... لیکن اس کی بدنامی نہیں چاہتی۔"

"میں تو چاہتا ہوں.......!" اس نے طنزیہ انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔

"ہم......!" اس نے معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا...... "تو ارمان سے تمہار جھگڑا ہے؟"

"ایسا ہی سمجھ لو۔"

شاہدہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "مجھ میں اور تم میں تھوڑا سا فرق ہے۔"

"وہ کیا؟"

"میں گاہکوں کی جیب کاٹتی ہوں اور تم بھائی کی گردن کاٹتے ہو۔"

"میں اسے بھائی نہیں سمجھتا...... پتہ نہیں کیوں میرے دل میں کبھی اس کے لـ بھائیوں جیسی محبت پیدا نہیں ہوئی...... وہ ہمیشہ ایک کانٹے کی طرح کھٹکتا رہتا ہے۔ امی۔ اسے اتنا سر پر چڑھا دیا ہے کہ وہ ہر معاملہ میں میری برابری کرتا ہے۔ میں نے کار لی تو ا نے بھی کار خرید لی۔ میں نے ذاتی اکاؤنٹ کھولا تو اس نے بھی اپنا اکاؤنٹ کھول لیا...... ہ تو یہ ہے کہ میں نے آرزو کو حاصل کرنا چاہا تو وہ بھی اس کے پیچھے پڑ گیا۔"...... شاہدہ قہقہ لگانے لگی۔

پھر اس نے اچانک سامنے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "یہ تم کہاں جا ر ہو......؟ یہ اسٹیشن کا راستہ نہیں ہے۔"

روشن نے اس کی جانب دیکھا اور مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم آج واپس نہ جاؤ اس شہر کے سب سے اونچے ہوٹل میں قیام کرو۔ یہ رقم تمہارے لیے ہے۔"

شاہدہ نے نوٹوں کی گڈیوں پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔ "کتنی رقم ہے؟"

روشن نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "بیس ہزار...... ہر ماہ تمہیں ا

ہی رقم مل جایا کرے گی۔"

دونوں کے ہاتھ گڈی کی سیج پر ایک دوسرے سے پیوست ہو گئے۔

"ہم...... لمبا سودا ہے۔"

"میں جسے پسند کرتا ہوں۔ اسے ہمیشہ کے لیے خرید لیتا ہوں۔"

کار ایک عالی شان ہوٹل کے کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی اور پورچ میں آ کر رک گئی۔

روشن نے کہا۔ "ایک کمرہ لے کر آرام کرو۔ میں امی اور آرزو کو کراچی روانہ کر کے آؤں گا۔"

"کب تک آؤ گے؟"

روشن نے اس کی ٹھوڑی کو چھوتے ہوئے نشیلے لہجے میں کہا۔ "شام تک...... پھر ہم لاہور کی سیر کریں گے۔"

"لاہور کی سیر......!" اچانک شاہدہ کو کچھ یاد آ گیا۔

"ہاں......!" اس نے مسکرا کر کہا...... "پہلو میں ایک حسین ساتھی ہو تو یہ شہر کچھ اور رومان پرور ہو جاتا ہے۔"

شاہدہ نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور حسرت بھرے لہجے میں کہا۔ "ہاں...... میں نے بھی کبھی یہی سوچا تھا۔"

وہ گڈیوں کو وینیٹی بیگ میں ٹھونسنے لگی۔

عصمت بیٹھے بیٹھے میز پر سر رکھ کر سو گئی تھی۔

اس کے چہرے کے پاس وہی پرانی اور بوسیدہ سی ڈائری کھلی پڑی تھی۔

سیلنگ فین اب بھی تیزی سے گردش کر رہا تھا لیکن ڈائری کے اوراق، عصمت کے چہرے کی آڑ میں محفوظ تھے۔ وہ اوراق ہولے ہولے کانپ رہے تھے مگر اب ان میں پہلے جیسی پھڑپھڑاہٹ نہیں تھی۔ روشن کنجیوں کا چھلا انگلی میں گھماتا ہوا اوپری برآمدے سے گزر رہا تھا۔ ماں کے کمرے کے پاس پہنچ کر وہ اچانک رک گیا۔

وہ شاید زندگی میں پہلی بار ماں کو اس طرح میز پر سر جھکائے نیند کی حالت میں دیکھ رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا میز کے قریب آیا۔ کھڑکی سے آنے والی دھوپ عصمت کے قریب پہنچ رہی تھی۔

وہ دور سے ڈائری کو دیکھ کر ہی سمجھ گیا تھا کہ امی پچھلے دنوں کی یادداشت لکھتے لکھتے سو گئی ہیں۔ لیکن قریب پہنچ کر اسے حیرت ہوئی کہ وہ ڈائری بہت پرانی تھی۔ صفحات کے اوپر جلی اعداد میں انیس (۱۹) سو اڑتالیس لکھا تھا۔ اس کے معنی یہ ہے کہ وہ پچیس سال پرانی ڈائری تھی۔

اس نے کھلے ہوئے صفحہ پر ایک سرسری سی نظر ڈالی۔

وہاں لکھا ہوا تھا۔ "دو آنکھیں!

دو آنکھیں مجھے ہمیشہ گھورتی رہتی ہیں۔ ان آنکھوں میں وحشت نہیں ہے بلکہ ایسا درد و کرب ہے جو اولاد کے بچھڑنے پر ایک ماں کی آنکھوں میں ہوتا ہے۔"

روشن سوچنے لگا۔ کیا ارمان بچھڑ گیا ہے؟

وہ جانتا تھا کہ ارمان بڑا ہی جذباتی لڑکا ہے۔ اس کے جانے کا انداز بتا رہا تھا کہ اب وہ واپس نہیں آئے گا۔ یہ تحریر اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ کوئی اولاد اپنی ماں سے بچھڑ گئی ہے۔

پھر روشن کو اپنی حماقت کا احساس ہوا کہ یہ تو پچیس سال پرانی ڈائری ہے۔ ارمان تو اس وقت بچہ ہوگا۔ اس وقت اس کے بچھڑ جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

لیکن ڈائری کی تحریر روشن کو اکسا رہی تھی کہ مجھے پڑھو۔ لکھنے کا انداز کچھ ایسا تھا کہ خواہ مخواہ تجسس پیدا ہو رہا تھا...... اس نے عصمت کے قریب سے ڈائری کو آہستگی سے کھسکایا اور اسے اٹھا کر پڑھنے لگا۔

پڑھتے پڑھتے وہ یکبارگی چونکا اور ایک جھٹکے سے سر اٹھا کر عصمت کی جانب دیکھا۔ ایسی نظروں سے دیکھا جیسے...... جیسے وہ اس کی ماں نہیں ہے...... کوئی اجنبی عورت ہے اور اگر ماں ہے بھی...... تو اس نے ماں ہو کر بیٹے سے انصاف نہیں کیا ہے۔

وہ اوراق کو ادھر ادھر سے الٹ کر پڑھنے لگا۔ ہر صفحہ ایک تازیانہ تھا...... وہ ڈائری پرانی تھی تو کیا ہوا؟ لیکن ایک زنگ آلود ہتھیار کی طرح اس کے ذہن کو چھیل رہی تھی۔ پرانے رشتوں کو کاٹ رہی تھی اور آرزو جیسی لڑکی کو حاصل کرنے کے لیے نئے رشتے ہموار کر رہی تھی۔

اس نے ڈائری کو بند کر دیا۔

عصمت اسی طرح بے خبر سو رہی تھی۔ اس کے چہرے سے ممتا کا تقدس جھلک رہا تھا۔ اس کے دونوں بازو میز پر پھیلے ہوئے تھے۔ کبھی ان بازوؤں میں روشن اور ارمان کا بچپن کھیلا کرتا تھا۔ لیکن آج یہ بوڑھے بازو' میز پر بے سہارا پڑے ہوئے تھے...... ایک بیٹا گھر چھوڑ کر چلا گیا تھا...... اور دوسرا بیٹا قہر آلود نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔

پھر اس نے ماں کی طرف سے منہ پھیر لیا اور ڈائری کو لے کر کمرے سے نکلتا چلا گیا۔

ارمان کی کوئی منزل نہیں تھی۔

وہ دل برداشتہ ہو کر گھر چھوڑ آیا تھا۔ جوش اور جذبے کی حالت میں بڑی دیر تک وہ یونہی چلتا رہا تھا۔ ایک سڑک سے دوسری سڑک پر...... ایک گلی سے دوسری گلی میں الجھتا گیا تھا...... پھر سورج نکلتے نکلتے وہ اسٹیشن تک پہنچ گیا تھا۔

شاید اس کے لاشعور میں یہی بات تھی کہ وہ یہ شہر چھوڑ کر چلا جائے گا۔

"وہ کہاں جائے گا؟" دل نے پوچھا۔

پھر اچانک وہ ہوش میں آ گیا۔ اب اسے احساس ہوا کہ وہ اسٹیشن کے سامنے کھڑا ہوا ہے۔ اب اسے خیال آیا کہ وہ بڑی دیر تک پیدل چلتا رہا ہے اور جتنی دیر تک وہ پیدل چلتا رہا ہے۔ اتنی دیر تک آرزو کا خیال اس کا پیچھا کرتا رہا ہے۔

کیا وہ اس کے شہر سے دور جا کر اس دنیا کے آخری سرے پر پہنچ کر بھی آرزو کے خیال سے پیچھا چھڑا سکتا ہے؟

نہیں...... وہ جہاں جائے گا' یادوں کے پھول مہکتے رہیں گے۔

"ارمان۔" کسی نے پکارا۔

اس نے گھبرا کر ایک بڑے سے سائن بورڈ کی طرف دیکھا۔ لانبے اور سیاہ بالوں کے لیے ہیئر ٹانک کا اشتہار تھا۔

تصویر میں ایک لڑکی خوبصورت سا جوڑا بنائے اسے دیکھ رہی تھی اور جوڑا اسے پکار رہا تھا۔ "ارمان۔"

اس نے گھبرا کر منہ پھیر لیا اور اسٹیشن سے دور ہوتا چلا گیا۔

"کہاں جائے گا؟" دل نے پھر پوچھا۔

اس کے قدم رک گئے اس سوال کا جواب اس کے پاس نہیں تھا کہ وہ کہاں جا
گا؟

گھر سے بے گھر ہو کر اسے کوئی منزل نہیں مل رہی تھی۔ وہ رہ رہ کر راستے ب
رہا تھا...... اس کے سامنے ایک تانگہ گزر رہا تھا۔ تانگے کے پچھلے حصے میں تین عور
بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک عورت کی گود میں بچہ رو رہا تھا۔

ارمان نے دور جاتی ہوئی عورت کو دیکھا۔ اس نے بچے کو دوپٹے سے ڈھانپ
اس کا منہ اپنی چھاتی سے لگا دیا تھا۔ بچہ روتے روتے چپ ہو گیا۔

اس دنیا میں ماں کے سوا کوئی آنسو نہیں پونچھتا...... اور وہ اپنی ماں کو چھوڑ کر
پھر رہا تھا...... ناراضگی آرزو سے تھی اور وہ ماں سے منہ موڑ کر چلا آیا تھا...... کیا وہ مم
ماری پریشان نہ ہو گی؟

نہیں، ارمان کو کیا خبر تھی کہ آج ایک ماں نے نرم اور آرام دہ بستر کی نیند کو ت
دیا ہے اور لکڑی کی سخت میز پر اوندھائے پڑی ہے۔ ارمان نہیں جانتا تھا...... اس لی
بچے جوان ہو کر ممتا کو ماضی کا افسانہ سمجھ کر بھول جاتے ہیں اور اپنے عشق ک
داستانیں مرتب کرتے ہیں۔

ارمان نے اپنا سر تھام لیا۔ اب اسے یاد آیا کہ کوٹھی سے نکلتے وقت اس
فیصلہ کیا تھا...... یہی کہ اس کی وجہ سے ماں کی گود بدنام ہو گئی ہے۔ وہ اس بدنامی کے
کو مٹانے کی کوشش کرے گا۔

لیکن محبت کی ناکامی نے اسے تھوڑی دیر کے لیے بدحواس کر دیا تھا...... اب ا
ذہن جاگ رہا تھا اور اس کی راہنمائی کر رہا تھا...... اس نے فوراً ہی ایک گزرتی ہوئی
کو روکا۔

اور اس میں بیٹھتے ہوئے ڈرائیور سے کہا۔ "پرانی انار کلی!"

تامی پرانی انارکلی میں رہتا تھا۔ ہوسٹل کی بجائے یہاں ایک چھوٹا سا کمرہ کرا
لے کر اسٹڈی کرتا تھا اور چھٹیوں میں شاداب نگر واپس چلا جاتا تھا۔

ارمان کا خیال تھا کہ وہی اس کا کوٹ پہن کر شاہدہ سے ملنے گیا ہو گا۔ وہ جانتا
اگر یہ حقیقت بھی ہوئی تو پرنسپل صاحب اور گھر والے اسے تسلیم نہیں کریں گے۔

جذبہ سمجھ کر تامی کے جرم کو نظرانداز کر دیں گے۔ پھر بھی ارمان حقیقت کی تہہ تک
پنا چاہتا تھا۔

ٹیکسی سے اتر کر اس نے کرایہ ادا کیا اور ایک تنگ گلی سے گزرتا ہوا تامی کے
وازے پر پہنچ گیا۔

دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس نے کمرے میں آ کر دیکھا تامی آنکھیں بند کیے چارپائی پر
ندھا پڑا ہوا تھا اور اس کی پیٹھ پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ دوسری چارپائی پر اس کا پڑوسی
ٹھا ہوا تھا۔ وہ ارمان کو تامی کے دوست کی حیثیت سے اچھی طرح پہچانتا تھا۔ اسے دیکھتے
وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

ارمان نے پوچھا۔ "تامی کو کیا ہوا ہے؟"

"کسی نے پیچھے سے چاقو مار دیا ہے۔"

"کس نے؟"

"پتہ نہیں تامی اندھیرے میں دشمن کو پہچان نہ سکا۔ محلے کے ایک ڈاکٹر نے آ کر
باندھی ہے اور سونے کے لیے نیند کی کوئی دوا دی ہے۔ تب سے وہ گہری نیند سو رہا
ہے۔"

"تامی کس وقت زخمی ہو کر آیا تھا......؟" ارمان نے پوچھا۔

"یہی کوئی ڈھائی تین بجے رات کو......"

وہ گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ اس کا شبہ یقین میں بدل رہا تھا۔

پلین کا وقت ہو رہا تھا لیکن عصمت صبح سے اب تک ڈائری کی تلاش میں پر
تھی۔

اسے اچھی طرح یاد تھا کہ وہ پڑھتے پڑھتے سو گئی تھی۔ ڈائری اس کے قریب
رکھی تھی۔ پھر آنکھ کھلتے ہی کہیں غائب ہو گئی۔

اس نے آرزو سے پوچھا۔ وہ تو اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی۔ اس
لاعلمی کا اظہار کیا۔ روشن نے بھی صاف انکار کر دیا کہ اس نے ڈائری کی صورت
نہیں دیکھی ہے۔

وہ دل ہی دل میں مسکراتا ہوا عصمت کی پریشانی کو دیکھ رہا تھا۔ صبح سے دوپہر
تھی لیکن وہ ایک ایک ملازم سے پوچھتی پھر رہی تھی۔ الماری اور کمرے کا ایک ایک
تلاش کر رہی تھی...... لیکن ڈائری ہوتی تو ملتی بھی......

روشن نے انجان بنتے ہوئے پوچھا۔ "آخر ایک ڈائری کے لیے آپ اتنی
کیوں ہیں؟"

"آں......!" عصمت اس کے سوال پر چونک گئی۔

پھر اس نے کہا۔ "گھر کی چیز گھر والے ہی چرا لیں تو کیا پریشانی نہیں ہو گی؟"

"گھر والے......؟" روشن نے سنبھل کر کہا...... "یعنی آپ کو ہم لوگوں
ہے؟"

"چوری کے سلسلے میں اپنے اور پرائے سب ہی پر شبہ کیا جاتا ہے۔"

روشن نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔ "پھر تو وہ ڈائری ارمان نے لی ہے"
عصمت نے اسے گہری نظروں سے دیکھا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ ارمان نے

۔ کیونکہ وہ صبح سے اب تک لاپتہ تھا۔

"ارمان کہاں ہے......؟" اس نے پوچھا۔

"میں کیا جانوں......؟ میں تو شاہدہ کو اسٹیشن چھوڑنے گیا تھا اس وقت سے میں نے
ے نہیں دیکھا۔"

عصمت کی پریشانی کچھ اور بڑھ گئی۔

وہ کہاں جا سکتا ہے؟"

پھر ڈائری کے ساتھ ساتھ ارمان کے لیے بھی پوچھ گچھ شروع ہو گئی۔ تمام ملازموں
ہی کہا کہ چھوٹے صاحب صبح سے گھر نہیں آئے ہیں۔ اس کی کار بھی گیراج میں
ود تھی۔ کپڑے لتے، حتیٰ کہ چیک بک بھی الماری میں جوں کی توں رکھی ہوئی تھی......
لیا؟ وہ ایک ڈائری کو لے کر گھر سے چلا گیا تھا؟

ڈائری بھی ایسی ہی تھی کہ دونوں بیٹوں میں سے کسی کے ہاتھ لگتی تو وہ اسے اپنی
ل میں ضرور رکھتا...... عصمت کا دل ڈوبنے لگا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ یہ ڈائری ارمان
ہاتھ لگے۔

یہ خبر ایک ملازم سے دوسرے ملازم تک ہوتی ہوئی آرزو تک پہنچی کہ ارمان ایک
ی لے کر گھر سے چلا گیا ہے۔ آرزو کو ڈائری کی اہمیت کا اندازہ نہ تھا لیکن اس اطلاع
اسے چونکا دیا تھا کہ ارمان اس کی وجہ سے اپنا گھر چھوڑ کر چلا گیا ہے۔

پلین کا وقت ہو رہا تھا اور وہ جانے کے لیے تیار بیٹھی تھی۔ سوٹ کیس میں تمام
ری چیزیں رکھی جا چکی تھیں۔ صبح سے کمرے میں قید رہ کر وہ روانگی کی تیاریاں کرتی
تی۔ کمرے سے باہر اس لیے قدم نہیں نکالا تھا کہ کہیں ارمان سے سامنا نہ ہو
ے۔

یہ سن کر اسے ٹھیس پہنچی تھی کہ ارمان بھی اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا...... اسی
تو وہ گھر سے چلا گیا تھا وہ اپنی نفرت کا اظہار کیا کرتی۔ ارمان نے ہی پہل کر دی تھی۔

اپنوں کی ناراضگی تو اپنوں کو ہی دکھانے کے لیے ہوتی ہے...... اور شاید اسی لیے
ونے روانگی کے وقت سیاہ ریشمی ساڑھی پہنی تھی کہ ارمان اس کی سوگواری کو
ل کرے، کم از کم اس کے دل میں اتنا تو چڑ کہ لگے کہ اس کی آرزو ماتمی لباس پہن کر

اس کا گھر چھوڑ رہی ہے۔

لیکن وہ دیکھنے والی آنکھیں کہاں ہیں؟

وہ نہیں چاہتی تھی کہ ارمان اس گھر سے چلا جائے...... وہ اسی لیے جا رہی
ارمان جب بھی اس گھر میں قدم رکھے تو اسے نہ دیکھ کر ایک کمی محسوس کرے ا
شدت سے احساس ہو کہ آرزو کے بغیر اس کا گھر نامکمل ہے۔

لیکن اب وہ اس گھر کو نامکمل سمجھ رہی تھی...... بلا سے وہ سنگدل چلا گیا...
یہ گھر سائیں سائیں کیوں کر رہا ہے۔

اب وہ کمرے سے باہر نکلے گی تو وہ بے دردی نظر نہیں آئے گا۔ بلا سے
آئے...... لیکن ایک محبوبہ کے روٹھ کر جانے کا تماشا کون دیکھے گا؟

ارے...... ظالم! سنگدل تماشائی! تو کہاں چلا گیا؟

وہ دونوں ہاتھوں سے چہرے کو ڈھانپ کر سسکیاں لینے لگی۔

اب اس کی ایک ہی آرزو تھی...... صرف ایک آرزو کہ آنٹی اسی طر
تلاش کرتی رہیں اور پلین کا وقت گزر جائے۔

ارمان نے ثامی کو جگانا مناسب نہ سمجھا...... وہ زخمی تھا اور گہری نیند سو رہا
لیے وہ بھی تھوڑی دیر ستانے کے لیے لیٹ گیا۔

آہستہ آہستہ اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ جب تک وہ چلتا رہا اور
ادھر بھٹکتا رہا تھا۔ اس وقت تک اسے نیند کا احساس نہیں ہوا تھا۔ اب ذرا چارپا
پاؤں پھیلاتے ہی نیند کی آغوش میں چلا گیا

کئی گھنٹے سونے کے بعد آنکھ کھلی تو ثامی کراہ رہا تھا اور کروٹ بدل رہا تھ
نے قریب جا کر اسے اٹھانا چاہا۔ خواب آور دوا کا نشہ ابھی باقی تھا۔

"شاہدہ......!" ثامی لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے کہہ رہا تھا...... "ظالم دنیا و
مجھے بھی قتل کر دیا اور تمہیں بھی...... لیکن ہماری محبت...... سچی تھی...... اسی
جنت میں آ کر مل گئے ہیں...... دیکھو چاروں طرف حوریں رقص کر رہی ہیں
پھل کھاؤ...... گھبراؤ نہیں...... حضرت آدم کو یہ پھل کھانے سے اس لیے روک
ان دنوں یہ پھل آؤٹ آف مارکیٹ تھا...... شاہدہ ڈارلنگ! میرے قریب آؤ......

ارمان نے اسے اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو ثامی نے اس کے دونوں ہاتھوں کو
لیا۔

"ہائے شاہدہ! تمہارے ہاتھ کتنے سخت ہیں؟"

ارمان نے غصہ سے کہا۔ "میں شاہدہ نہیں' شاہدہ کا باپ ہوں۔"

"ہائے......!" ثامی نے کہا...... "یہ جنت میں تمہارا کہاں سے آ گیا ڈارلنگ؟"

ارمان نے اس کا کان اینٹھ کر کہا۔ "ابے سیدھی طرح ہوش میں آتا ہے یا
؟"

ثامی نے بڑی مشکلوں سے آنکھیں کھول کر دیکھا اور غنودگی کی حالت میں کہا۔
ن...... یار تم بھی جنت میں آ گئے...... کب انتقال ہوا تھا؟"

ارمان ہونٹ بھینچ کر اسے بے بسی سے دیکھتا رہ گیا۔ اسی وقت محلے کا ڈاکٹر کمرے
اخل ہوا۔ اس کے ساتھ ثامی کا پڑوسی بھی تھا۔ اس نے ارمان کو بتایا کہ ڈاکٹر صاحب
خم پر پٹی بدلنے آئے ہیں۔

ارمان نے اپنی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "ثامی بیدار ہونے کے بعد بھی
میں نہیں ہے۔ کہیں اس کے ذہنی توازن پر کوئی اثر تو نہیں پڑا ہے؟"

ڈاکٹر نے اس کا معائنہ کیا۔

پھر دوا کی بوتل کو دیکھ کر کہا۔ "اوور ڈوز کا اثر ہے۔ ثامی نے سونے سے پہلے دو گنی
پی لی ہے۔ ویسے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ اسے کافی پلا دیں۔"

ارمان تھرماس لے کر کافی لانے چلا گیا...... کافی یہاں کے ہوٹلوں میں دستیاب نہیں
تھی۔ اس لیے اسے پرانی انارکلی کے اگلے سرے پر مال روڈ کی طرف جانا پڑا۔ یہاں
کون نامی ایک جدید طرز کا کیفے تھا...... آدھے گھنٹے کے بعد وہ کافی لے کر واپس آیا تو
بدل کر جا چکا تھا۔

اس نے ثامی کو کافی پلائی۔ ہوٹل سے روٹیاں لا کر خود بھی کھائی اور اسے بھی
لیا۔ ایک گھنٹے کے اندر ہی اس کے ہوش و حواس پوری طرح بحال ہو گئے۔

ارمان نے اس سے پہلا سوال کیا۔ "تمہیں کس نے زخمی کیا ہے؟"

ثامی نے سر جھکا کر کہا۔ "مجھ سے بہت بڑی حماقت ہو گئی ہے۔ کل رات میں

شاہدہ سے ملنے گیا تھا لیکن پرنسپل صاحب کے چوکیدار سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ اس کے چاقو
میں زخمی ہوگیا...... بس خیریت ہوگئی کہ کسی طرح بچ کر نکل آیا۔"

"تم تو بچ کر چلے آئے ہو لیکن میں بدنام ہوگیا ہوں۔"

"کیا مطلب......؟" اس نے چونک کر پوچھا۔

"پرنسپل صاحب نے الزام لگایا ہے کہ میں شاہدہ سے ملنے گیا تھا۔ شاہدہ بھی
سمجھ رہی تھی...... جانتے ہو کیوں؟...... کیونکہ تم میرا کوٹ وہاں چھوڑ کر آگئے تھے۔

ٹامی حیرت سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ بیٹھتے وقت اس کے زخم سے ایک ٹیس اٹھی۔

اس نے کراہتے ہوئے پوچھا۔ "لیکن...... لیکن ایک کوٹ کی وجہ سے کس طرح
پر الزام آسکتا ہے؟"

"کوٹ کی جیب میں تم نے شاہدہ کا رقعہ رکھ دیا تھا۔ وہ رقعہ میرے ہی نام لکھا
تھا۔ اب تم ہی سوچو کہ میں کس طرح پھنس گیا ہوں۔"

"یہ نہیں ہو سکتا...... میں ابھی جا کر پرنسپل صاحب کے سامنے اپنے جرم کا اق
کروں گا۔"

وہ بستر سے اٹھنے لگا۔

ارمان نے اسے روکتے ہوئے کہا۔ "ٹھہرو...... ایسی حالت میں تمہارا اٹھنا منا
نہیں ہے۔ زخم سے پھر خون رسنے لگے گا۔"

اس نے ارمان کے ہاتھ کو جھٹک کر کہا۔ "تم بدنام ہوتے رہو اور میں بیٹھا
زخم سہلاتا رہوں۔ یہ ناممکن ہے...... اگر میں نے دیر کی تو تمہاری بدنامی کی خبر تمہارے گ
تک پہنچ جائے گی۔"

"وہ پہنچ گئی ہے۔ اسی لیے کہتا ہوں کہ آرام کرو۔ تم میری طرف سے لاکھ صفا
پیش کرو، وہ تسلیم نہیں کریں گے۔" "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"...... ٹامی نے کہا......
میری پیٹھ کا زخم دیکھ کر بھی انہیں یقین نہیں آئے گا؟"

"لوگ دوستی میں بڑے زخم کھا لیتے ہیں...... ان کا خیال ہے کہ تم میرے اح
مند ہو۔ اس لیے میرا الزام خوشی سے اپنے سر لے لو گے۔"

"یہ سراسر زیادتی ہے۔"

"زیادتی ہی سہی بھائی جان اور پرنسپل صاحب نے میرے خلاف اپنا قطعی فیصلہ سنا
دیا ہے۔ امی اور آرزو کو بھی یقین ہوگیا ہے کہ جرم میں نے کیا ہے۔ آرزو تو اس قدر
ناراض ہے کہ آج اس نے کراچی جانے......"

ارمان یہ کہتے کہتے اچانک رک گیا۔ اچانک اسے یاد آگیا تھا کہ آرزو اس سے
روٹھ کر جا رہی ہے۔ اس نے پلٹ کر ٹائم پیس کی طرف دیکھا۔ ڈھائی بجے تھے...... جہاز
کے پرواز کرنے کے لیے صرف ایک گھنٹہ رہ گیا تھا۔

وہ گھر سے یہی سوچ کر نکلا تھا کہ آرزو جاتی ہے تو جائے۔ اس لیے کہ وہ اپنی بے
گناہی ثابت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اپنی بے بسی پر جھنجلا کر چلا آیا تھا...... لیکن اب...... اب
ٹامی کسی حد تک آرزو کو قائل کر سکتا تھا...... کوئی یقین کرے یا نہ کرے، محبت کرنے والا
دل ذرا سے ثبوت سے قائل ہو سکتا ہے۔

آرزو کو ایک بار اور سمجھایا جا سکتا ہے۔ وہ جو بار بار روٹھ کر مان جایا کرتی تھی۔
آج کیسے نہیں مانے گی۔

اب ارمان کے دل میں ایک ہی آرزو تھی...... صرف ایک ہی آرزو کے ٹائم پیس
اپنا وقت روک دے یا جہاز اپنی پرواز بھول جائے۔

"آرزو تم سے روٹھ کر جا رہی ہے......؟" ٹامی نے پوچھا۔

"آں......!"

ارمان نے چونک کر اسے دیکھا۔ ٹامی اقرار جرم کے لیے یہاں سے جانے کو تیار
بیٹھا تھا۔ لیکن ایسی حالت میں لے جانا سراسر ظلم ہوتا۔

ارمان نے اسے ٹالنے کے لیے کہا۔ "نہیں...... وہ...... وہ روٹھ کر کہاں جا سکتی
ہے؟"

"مجھے بہلانے کی کوشش نہ کرو ارمان!...... میں ابھی جا کر اس کی غلط فہمی دور
کروں گا۔"

"بے کار ٹامی!...... وہ تمہیں بھی میری طرح فراڈ سمجھتی ہے۔"

"وہ میری باتوں کا نہ سہی، پرنسپل صاحب کی باتوں کا تو یقین کرے گی۔ آؤ...... ہم
پہلے پرنسپل صاحب کے ہاں چلتے ہیں۔ اگر ان کی غلط فہمی دور ہوگئی تو وہ فون پر تمہاری

امی سے رابطہ قائم کرلیں گے۔"

ارمان نے اسے تشویش سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "تم وہاں تک جا سکو گے؟"

"مجھے کیا ہوا ہے......؟ کیا میں معمولی سے زخم کی تاب نہیں لا سکتا......؟ اور پھر کون سا پیدل جانا ہے۔ ہم ٹیکسی میں چلیں گے۔"

وہ ارمان کے سوچنے اور فیصلہ کرنے سے پہلے ہی اس کا سہارا لے کر کھڑا ہو گیا۔

پرنسپل اپنی کوٹھی میں موجود تھا۔

وہ ارمان سے اس حد تک متنفر تھا کہ اسے اندر آنے کی اجازت بھی نہ دیتا لیکن ثامی کچھ بیمار سا نظر آ رہا تھا اور ارمان کا سہارا لیے کھڑا تھا۔ اس لیے اس نے اخلاقاً انہیں اندر بلا لیا۔

"اسے کیا ہوا ہے......؟" اس نے ثامی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"آپ کے چوکیدار نے اسے پچھلی رات زخمی کیا تھا...... سر! آپ نے مجھے مجرم قرار دیتے وقت یہ نہیں بتایا تھا کہ چوکیدار نے کسی پر چاقو سے حملہ کیا ہے۔ میں کل اپنی پیٹھ کھول کر دکھا دیتا کہ میں بے گناہ ہوں۔"

پرنسپل حیرت سے ثامی کو دیکھنے لگا۔ چوکیدار نے اس سے کہا تھا کہ اس نے چور چاقو پھینک کر مارا تھا لیکن شاید چاقو اسے لگا نہیں۔ ورنہ زخمی ہونے کے بعد وہ دیوار پھلانگ سکتا۔ پرنسپل کو اسی بات پر حیرت تھی کہ ثامی زخمی ہونے کے باوجود کس طرح نکل گیا......

اس نے ارمان سے کہا۔ "میں نے چاقو کے حملے کو ناکام سمجھ کر چاقو والی بات نظر انداز کر دی تھی۔ اس وقت تمہارا کوٹ اور وہ رقعہ ہی تمہارے خلاف اتنا ٹھوس ثبوت بن چکا تھا کہ میں نے کسی اور بات کو اہمیت ہی نہیں دی۔"

اس نے ملازم کو آواز دے کر کہا کہ وہ چوکیدار کو بلا کر لے آئے۔

پھر اس نے ثامی کو مخاطب کیا۔ "ثامی!...... اگر تم نے ایسی غیر اخلاقی حرکت کی تو میں تمہیں سخت سزا دوں گا۔ ہم کالجوں میں تہذیب اور اخلاق کا درس دیتے ہیں۔ ہمارے طالب علم ایسی شرمناک حرکتیں کریں تو اس میں صرف ہماری ہی نہیں' تعلیمی اداروں کی بدنامی ہے۔

کل میں نے روشن صاحب سے کہا تھا کہ شاہدہ کا معاملہ ہمارے ہی درمیان ختم ہو جائے تو بہتر ہے...... کہنے کو تو میں نے کہہ دیا تھا۔ لیکن اس وقت سے میرا ضمیر ملامت کر رہا ہے کہ میں نے مجرم کو چھوٹ دے دی ہے۔ معاملہ تو ختم ہو جائے گا لیکن وہ بدکردار لڑکا میرے کالج میں موجود رہے گا۔ انصاف یہ نہیں کہتا کہ مجرم کو آسانی سے معاف کر دیا جائے۔ اسے اس حد تک تو سزا ملنی چاہئے کہ آئندہ کے لیے وہ محتاط ہو جائے۔

اس لیے آج میں نے ارمان کے لیے سزا تجویز کی تھی لیکن اب وہ سزا تمہیں دی جائے گی۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ کالج میں تمہارا داخلہ بند کر دیا جائے۔ تم آئندہ تین سال تک کسی بھی کالج میں تعلیم حاصل نہ کر سکو گے۔"

ارمان کے ذہن میں ایک دھماکہ سا ہوا۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ پرنسپل اتنی سخت سزا سنائے گا۔ ثامی ایک غریب لڑکا تھا۔ تین سال تک تعلیم روک دینے کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اس کا مستقبل بالکل تباہ ہو جائے۔

"سر......!" اس نے التجا کی...... "یہ بہت سخت سزا ہے...... ثامی کی زندگی برباد ہو جائے گی۔"

"تم جانتے ہو ارمان!...... کہ میں کسی کی سفارش نہیں سنتا۔ میں اپنے اصولوں کا پابند ہوں۔ ثامی نے کالج کے وقار کو ٹھیس پہنچائی ہے۔ اسے سزا ضرور ملے گی تاکہ دوسرے طالب علم عبرت حاصل کریں۔"

ثامی نے سر جھکا کر کہا۔ "آپ نے صحیح فیصلہ کیا ہے سر!...... میں بہت ہی بے حس اور بے غیرت ہوں۔ اتنا بے حس کہ اپنے ہی دوست کو گھر والوں کی نظروں میں بدنام کر دیا اور اتنا بے غیرت کہ لڑکیوں سے چھیڑ چھاڑ کو ہمیشہ ایک دلچسپ تفریح سمجھتا رہا۔ میں نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ میری اس سستی تفریح کی وجہ سے میرے استاد' میرے کالج اور میرے محسن کی بدنامی ہو سکتی ہے۔"

ثامی سر جھکائے کہے جا رہا تھا اور ارمان کسی اور سوچ میں گم تھا۔ وہ فیصلہ کر رہا تھا کہ ثامی کو یہ سزا نہیں ملنی چاہئے۔ ورنہ اس غریب کا کوئی پرسان حال نہ ہو گا۔ وہ ہر ماہ ثامی کے لیے تین چار ہزار روپے خرچ کیا کرتا تھا۔ اس کے رہنے سہنے' کھانے پینے اور پڑھنے کے تمام اخراجات برداشت کیا کرتا تھا۔ یہ سلسلہ ارمان کے والد نے شروع کیا تھا۔

ارمان اور ثامی کی دوستی سے متاثر ہو کر اور ثامی کو غریب جان کر انہوں نے یہ امداد شروع کی تھی۔ ان کے انتقال کے بعد ارمان نے یہ سلسلہ جاری رکھا تھا اور ثامی کو یہ احساس نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ غریب اور بے سہارا ہے۔ نہیں...... ثامی اب بھی بے سہارا نہیں ہے...... اچانک ارمان نے فیصلہ کیا کہ وہ اس کی زندگی برباد نہیں ہونے دے گا۔

ثامی کہہ رہا تھا۔ "سر......! میرا جرم ثابت ہو چکا ہے سزا بھی آپ نے دے دی ہے۔ اب میں آپ سے ایک درخواست کرتا ہوں کہ آپ اسی وقت ارمان کی امی کو فون پر بتا دیں...... کہ ارمان بے گناہ ہے، اصل مجرم ثامی ہے۔"

"ہاں......!" پرنسپل نے کہا...... "وہ لوگ میری وجہ سے غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں۔ مجھے ہی ان کی غلط فہمی دور کرنی چاہئے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنا چاہا۔

"ٹھہریئے سر......!" ارمان نے آگے بڑھ کر کہا۔

"ابھی میں نے اور ثامی نے جو کچھ بھی کہا ہے۔ وہ غلط ہے۔ حقیقت وہی ہے جو پہلے تھی۔ پچھلی رات میں یہاں آیا تھا۔ ثامی بے گناہ ہے۔"

پرنسپل اور ثامی دونوں نے اسے حیرت سے دیکھا۔ "ارمان......!" ثامی نے کہا...... "یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

ارمان نے مستحکم لہجے میں جواب دیا۔ "وہی کہہ رہا ہوں جو حقیقت ہے۔ تم دوست ہو کر مجھے بدنامی سے بچانا چاہتے ہو۔ پھر میں دوست ہو کر یہ کیسے برداشت کر سکتا ہوں کہ تین سال تک کے لیے تمہاری تعلیم روک دی جائے۔"

"ہم......!" پرنسپل نے غصہ سے کہا...... "تم لوگ یہاں مجھے دھوکہ دینے کے لیے آئے ہو؟"

"مجھے افسوس ہے سر......!" ارمان نے کہا...... "امی کی ناراضگی دور کرنے کے لیے میں نے ثامی سے کہا تھا کہ وہ میرا الزام اپنے سر لے لے۔ ثامی اگر مجرم ثابت ہو جاتا تو اس سے ناراض ہونے والا کوئی نہیں تھا...... لیکن آپ کی تجویز کی ہوئی سزا نے مجھے احساس دلا دیا ہے کہ میری وجہ سے ایک غریب لڑکے کی زندگی برباد ہو جائے گی۔"

"ارمان......!" ثامی نے بگڑ کر کہا...... "تم پاگل ہو گئے ہو۔ میرے تعلیمی کیریئر کو

بچانے کے لیے جھوٹ بول رہے ہو لیکن تم یہ بھول گئے کہ میری پیٹھ کا زخم میرے جرم کا کھلا ثبوت ہے۔"

"تم نے یہ زخم یہاں نہیں، کسی دوسرے علاقہ میں کھایا ہے۔ کسی دشمن نے تم پر حملہ کیا تھا۔ ثبوت کے طور پر میں تمہارے پڑوسی اور محلے کے ڈاکٹر کو پیش کر سکتا ہوں...... ہم دوست ہو کر ایک دوسرے کے لیے جھوٹ بول سکتے ہیں لیکن وہ لوگ تو جھوٹ نہیں بولیں گے؟"

ثامی لاجواب ہو کر منہ تکنے لگا۔ پرنسپل دونوں کو گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اتنا تو اسے معلوم تھا کہ دونوں میں سے کوئی ایک مجرم ہے...... لیکن کون؟

اس کے سامنے دونوں لڑکے دوستی کی کسوٹی پر ایک دوسرے کو گھس رہے تھے۔

اسی وقت چوکیدار آ گیا۔

پرنسپل نے اس سے کہا۔ "تم پہچاننے کی کوشش کرو کہ پچھلی رات ان دونوں میں سے کون تھا؟"

چوکیدار انہیں باری باری گھورنے لگا۔

ثامی اس سے بے نیاز ہو کر ارمان سے کہہ رہا تھا۔ "دیکھو ارمان! میرے لیے جھوٹ نہ بولو۔ پلین کا وقت نکلا جا رہا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آرزو تم سے ناراض ہو کر چلی جائے۔"

پرنسپل نے چونک کر ارمان کو دیکھا۔ وہ آرزو کو جانتا تھا۔ پچھلی رات جب وہ ارمان کے ہاں رخصت ہو رہا تھا تو آرزو نے ارمان کی طرف سے بدظن ہو کر اپنے ڈیڈی کے پاس جانے کی ضد کی تھی۔

"ہاں......!" ارمان نے ثامی سے کہا...... "آرزو کی ناراضگی کا خیال کرتے ہوئے تم مجھے الزام سے بچانا چاہتے ہو۔ میں تمہارے جذبے کی قدر کرتا ہوں......"

چوکیدار نے اپنی ناکامی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "صاحب جی!...... اس بخت گھور اندھیارا رہا...... ہم کا تو سمجھ میں نہیں آوت ہے کہ ان دو صاحب میں سے کون رہا تھا۔"

"میں تھا چوکیدار...... مجھے پہچاننے کی کوشش کرو۔" ثامی نے کہا...... "تم نے مجھے چاقو پھینک کر مارا تھا۔"

"نہیں چوکیدار...... مجھے پہچانو!"...... ارمان نے کہا...... "تم نے چاقو پھینکا تھا لیکن وہ مجھے لگا نہیں' اندھیرے میں کہیں دوسری طرف چلا گیا۔

چوکیدار احمق کی طرح منہ کھولے کبھی ٹامی کو اور کبھی ارمان کو دیکھ رہا تھا۔

اچانک پرنسپل نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا۔ "تم لوگ اپنی بکواس بند کرو...... چوکیدار تم میرے ساتھ آؤ۔"

یہ کہتے ہوئے وہ چوکیدار کے ساتھ ڈرائینگ روم سے باہر چلا گیا۔

ٹامی نے کہا۔ "ارمان!...... تم نے قدم قدم میرا ساتھ دیا ہے لیکن خدا کے لیے آج مجھے اپنے جرم کی سزا پا لینے دو۔ میں تمہارے احسانوں کا بوجھ اور نہیں اٹھا سکتا...... خود کو بچانے کے لیے تمہیں رسوا نہیں کر سکتا۔"

ارمان نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "دولت تمام رسوائیوں پر پردہ ڈال دیتی ہے۔ میں ایک اونچے خاندان کا فرد ہوں...... میرے لیے ایک راستہ بند ہوگا تو ہزار راستے کھلیں گے۔ تمہارے لیے نفرت کی ایک نگاہ بھی اٹھے گی تو تعلیم کے ساتھ ساتھ زندگی گزارنے کے دوسرے دروازے بھی بند ہو جائیں گے۔"

ٹامی نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "میں تمہارے سامنے ہاتھ جوڑتا ہوں' میرے لیے اپنی بربادی کا سامان نہ کرو۔ میں ندامت سے مر جاؤں گا۔"

ارمان نے جواب نہیں دیا۔

پرنسپل نے واپس آکر ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے ارمان سے کہا۔ "تم وہاں دیوار کے پاس جا کر کھڑے ہو جاؤ۔"

وہ حکم کی تعمیل میں دیوار کی طرف چلا گیا۔

پھر پرنسپل نے اس کی مخالف سمت کو اشارہ کرتے ہوئے ٹامی سے کہا۔ "اور تم وہاں کھڑے ہو جاؤ۔"

دونوں دوست ایک دوسرے سے دور ایک دوسرے کے مقابل کھڑے ہو گئے۔

پرنسپل نے ان کے درمیان ایک صوفہ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "آج کل کے لڑکے اپنے آپ کو بزرگوں سے ہوشیار سمجھتے ہیں اور تو اور اپنے استاد کو بھی فریب دینا چاہتے ہیں...... میں بتاتا ہوں کہ تم دونوں میں سے کون مجرم ہے۔"

دونوں نے اپنے استاد کی طرف دیکھا اور دھڑکتے ہوئے دل سے اس کے جواب کا ظار کرنے لگے۔

جواب پرنسپل کی زبان سے نہیں نکلا۔ بلکہ ڈرائینگ روم کے دروازے سے خل ہوا' پچھلی رات کا زخمی کتا......

چوکیدار کتے کی زنجیر پکڑے ہوئے آیا۔

"ٹائیگر......!" پرنسپل نے اسے مخاطب کرتے ہوئے ارمان کی جانب اشارہ کیا۔

ٹائیگر نے منہ اٹھا کر دیکھا اور سر ہلا کر اپنے کان جھاڑنے لگا۔

"ٹائیگر......!" پرنسپل نے ٹامی کی طرف اشارہ کیا۔

"غر...... غر...... بھوں...... بھوں...... بھوں......"

وہ ٹامی کو دیکھتے ہی غرانے اور بھونکنے لگا اور زنجیر کو جھٹکے دے دے کر اس پر لپکنے کی کوشش کرنے لگا۔

ٹامی کتے کی وحشت ناک اچھل کود سے سہم کر پیچھے ہٹنے لگا تھا۔

پرنسپل نے طنزیہ نظروں سے ارمان کو دیکھا۔

پھر ٹامی کی طرف منہ کر کے اپنی گہری اور گمبھیر آواز میں کہا۔ "ٹامی......! تم اپنی سزا سن چکے ہو۔"

ثامی نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب وہ شاداب نگر واپس چلا جائے گا اور پرنسپل کی دی ہوئی تین سال کی سزا وہیں کاٹے گا۔

ارمان نے اسے سمجھایا تھا کہ وہ یہیں رہ کر کوئی ملازمت تلاش کر لے لیکن اب وہ اس شہر میں رہنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے آخری فیصلہ کر لیا تھا کہ کل صبح ہوتے ہی یہاں سے چلا جائے گا۔

ارمان کے مقدر میں تنہائی رہ گئی۔ دوست اسے چھوڑ کر جا رہا تھا اور آرزو اسے چھوڑ کر جا چکی تھی۔ پرنسپل کے ہاں سے فون کرنے پر معلوم ہوا تھا کہ وہ عصمت کے ساتھ آدھ گھنٹہ پہلے روانہ ہو چکی ہے۔

اس نے پرنسپل سے عصمت کے نام ایک تحریر لے لی تھی کہ اس پر جو الزام عائد ہوا تھا' وہ غلط ثابت ہو چکا ہے۔ لہٰذا وہ بالکل بے گناہ ہے...... ارمان نے سامنے اب یہی ایک راستہ تھا کہ وہ بذریعہ ڈاک اس تحریر کو روانہ کر دے۔ تاکہ عصمت اور آرزو کی غلط فہمی دور ہو جائے۔

وہ گھر واپس آیا تو بوڑھے ملازم کے سوا اور وہاں کوئی نہ تھا۔ عصمت کے جاتے ہی روشن آزادی کی سانس لینے اور شاہدہ کی حسین صحبت میں وقت گزارنے کے لیے اس شہر کے سب سے اونچے ائیر کنڈیشنڈ ہوٹل میں چلا گیا تھا۔

عصمت اب سے پہلے بھی گھر سے باہر گئی تھی۔ روشن پہلے بھی کاروبار کے سلسلے میں دوسرے شہر جایا کرتا تھا۔ یہ مکان پہلے بھی اپنے مکینوں سے خالی رہا تھا...... لیکن یہ اداسی اور یہ سناٹا پہلے نہ تھا۔

گھر میں قدم رکھتے ہی کسی کی منتظر نگاہوں نے اس کا استقبال نہیں کیا تھا۔ رات

ہو چکی تھی۔ کوٹھی کے برقی قمقمے روشن تھے لیکن ایک شمع بجھی ہوئی تھی۔ جس سے سارے گھر میں رونق ہو جایا کرتی تھی۔

وہ آہستہ آہستہ زینے طے کرتا ہوا اوپری برآمدے میں آیا۔ سامنے آرزو کا کمرہ تاریک پڑا ہوا تھا...... وہ دروازے پر آکر کھڑا ہو گیا۔

اس کے دل نے کہا...... نہیں' آرزو نہیں جا سکتی...... وہ اس کمرے میں موجود ہے...... لیکن سوئچ آن نہ کرنا...... لڑکی ذات ہے۔ روشنی ہوتے ہی شرما کر نظروں سے گم ہو جائے گی۔

"ہاں...... میں روشنی نہیں کروں گا۔ ہماری محبت آنکھ مچولی کا کھیل بن گئی ہے۔ میں اپنی آنکھوں پر اندھیرے کی پٹی باندھے تمہیں پکاروں گا۔ تم کہاں ہو؟...... تم کہاں ہو؟"

"ہائے!"

ارمان کو محسوس ہو جیسے اندھیرے نے گہری سانس لی ہے...... ہائے!
یا جیسے آرزو جاتے جاتے اپنی ہائے چھوڑ گئی ہے۔

کل بھی اسی طرح کمرے میں اندھیرا تھا۔ کھلی ہوئی کھڑکی سے چاندنی اسی طرح جھانک رہی تھی...... ارمان کی نگاہوں کے سامنے ایک سایہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا کھڑکی کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ اور اس کی سماعت میں ایک سرگوشی ابھرنے لگی۔

"میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں دیکھو! میں نے جوڑا بنا لیا ہے
تم خالی ہاتھ کیوں آئے ہو؟
سنا ہے کہ کوٹھی کے لان میں
سیوتی کا ایک پھول کھلا ہے......"

ارمان نے گھبرا کر سوئچ آن کر دیا۔ کمرہ خالی تھا...... کوئی نہیں تھا...... کوئی بھی تو نہیں تھا...... ہاں پچھلی رات کا پھول کھڑکی کے قریب پڑا ہوا تھا۔

اسی وقت کھڑکی سے ہوا کا ایک جھونکا آیا اور فرش پر پڑے ہوئے نازک سے پھول کو لرزا کر چلا گیا۔

ارمان کو محسوس ہوا جیسے باسی پھول نے کراہ کر کروٹ بدلی ہے۔ "ہائے!"

اس نے گھبرا کر پھر سوئچ آف کر دیا۔

افضل کی پرانی بیماری پھر عود کر آئی تھی۔

عصمت اور آرزو جس وقت وہاں پہنچیں تو اس کا فیملی ڈاکٹر اسے انجکشن لگا
تھا۔

"یہ کیا ہو گیا؟"...... عصمت نے پریشانی سے پوچھا...... "کب سے طبیعت خرا
ہے؟"

"کل سے بیمار ہیں۔ صبح طبیعت سنبھل گئی تھی۔ معلوم ہوتا ہے انہوں نے
باقاعدگی سے استعمال نہیں کی ہے۔ اسی لیے پھر طبیعت بگڑ گئی ہے۔"

"اسی لیے میں ڈیڈی کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاتی...... میں رہتی ہوں تو یہ ہمیشہ وق
پر دوا پیتے ہیں۔"

آرزو نے یہ بات اس انداز میں کہی جیسے اپنی آنٹی کو سنا رہی ہو کہ......
لیجئے...... آنٹی! مجھے اپنے ساتھ واپس جانے کے لیے نہ کہنا۔ میرے ڈیڈی یہاں اکیلے
جاتے ہیں...... وہاں میرا کون ہے؟...... کوئی نہیں...... اور اگر کوئی تھا...... تو میں اپنے ڈ
کی تیمارداری میں اسے بھلا دوں گی۔

"ڈیڈی......!"

وہ پلنگ کی دوسری طرف سے ہو کر بستر پر آئی اور اپنے باپ کے سینے پر سر
دیا۔ پھر اچانک ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"آپ نے اپنی بیماری کی اطلاع کیوں نہیں دی۔"...... وہ روتے ہوئے کہنے لگ
لیکن اس میں رونے کی کیا بات تھی۔ یہ تو ایک معمولی سی شکایت تھی......

افضل نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "پگلی کہیں ک
اس میں رونے کی کیا بات ہے؟ میں آج ٹیلیگرام بھیجنے ہی والا تھا۔"

باپ کی باتوں سے تسلی نہ ہوئی۔ وہ پھر بھی روئے جا رہی تھی۔ عصمت ب
سے اسے دیکھنے لگی۔ وہ اچھی طرح سمجھ گئی تھی کہ آرزو بہت ہی کمزور لڑکی ہے اور
ہمیشہ اس کی کمزوری کو ظاہر کر دیتے ہیں...... پچھلی رات انہی آنسوؤں نے اسے بتایا
آرزو، ارمان کو چاہتی ہے اور اب یہی آنسو کہہ رہے تھے کہ وہ ارمان کی آوارگی

ہے...... بچے اپنے والدین کے سامنے ہی دکھڑا روتے ہیں۔ لیکن وہ کھل کر اپنا دکھڑا
نہیں کر سکتی تھی کہ ارمان نے اسے دھوکہ دیا ہے۔ اسی لیے باپ کی بیماری کا سہارا
کر رو رہی تھی...... آنسوؤں کی زبان سمجھ میں آئے یا نہ آئے...... اسے تو سکون مل رہا
ہ سر رکھ کر رونے کے لیے ابھی باپ کا سینہ موجود ہے۔

"مس آرزو......!" فیملی ڈاکٹر نے کہا...... "آپ ڈاکٹر ہو کر مریض کو پریشان کر رہی
...... یہ لیجئے پروگریس رپورٹ...... میں نے اپنے علاج کے مطابق جو چارٹ تیار کیا
۔ اسے آپ بھی ایک نظر دیکھ لیں۔"

آرزو نے باپ کے سینے سے سر اٹھا کر آنسو پونچھتے ہوئے ان کاغذات کو ڈاکٹر کے
ں سے لے لیا۔

ڈاکٹر نے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "آپ ایک ڈاکٹر ہیں لیکن پہلے ایک نرس کی طرح
انا سیکھئے۔ آپ جانتی ہیں کہ نرسیں اپنے ذاتی دکھ درد کو بھی بھلا کر مریض کے لیے
اتی ہیں...... کیا آپ اپنے ڈیڈی کے لیے نہیں مسکرا سکتیں؟"

اس نے اپنا بیگ بند کر کے جاتے ہوئے کہا۔ "آل رائٹ...... سو لانگ۔"

اس کے جانے کے بعد افضل نے کہا۔ "اتنی دیر تک روتی رہی ہو...... لو، اب
خوشخبری سن لو...... تمہارا اپائنٹمنٹ لیٹر آ گیا ہے۔"

آرزو نے جبراً مسکراتے ہوئے پوچھا۔ "واقعی؟"

"ہاں...... تمہاری میز پر رکھا ہوا ہے۔ جا کر دیکھ لو......"

"ہاں بیٹا! تم جاؤ......" عصمت نے کہا...... "تھکی ہوئی ہو غسل کر کے تازہ دم ہو
"

آرزو وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔

کمرے میں اندھیرا تھا۔ وہ دروازے تک پہنچ کر ٹھٹھک گئی...... یادوں سے کوئی
طرح پیچھا چھڑا سکتا ہے۔ اسی کمرے میں، اسی اندھیرے میں ارمان پہلی بار اس کے
آیا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہی ارمان ہے...... وہ اسے چھیڑنے کے لیے ایک
بن کر آیا تھا۔

"آرزو......!" اندھیرے نے سرگوشی کی...... "تھوڑی دیر کے لیے اس کمرے میں

اندھیرا ہی رہنے دو۔"

آرزو نے گھبرا کر اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ اس رات ارمان نے بھی یہی کہا تھا اور بھی وہی آواز اس کے کانوں میں گونج رہی تھی

"وہ روشنی کس کام کی آرزو!...... جس میں تم اپنے ارمان کو نہ پہچان سکو۔"

اس کی نگاہوں کے سامنے کمرے کی تاریکی میں ایک سایہ بھٹک رہا تھا اور کہ تھا۔ "آج محبت کو ایک آنکھ مچولی کھیل بنا کر میں تمہارے سامنے آیا ہوں۔ تم آنکھوں پر اندھیرے کی پٹی بندھی ہوئی ہے۔ جب تک تم راستہ ٹٹول کر آگے نہیں گی۔ اپنے دل کے چور کو نہیں پکڑو گی...... آؤ...... آگے آؤ...... میرے قریب دیکھو...... میرے ہاتھ میں سیوتی کا ایک پھول ہے۔"

"پھول......!" آرزو نے کہا...... اور کھٹ سے سوئچ آن کر دیا۔

کمرہ خالی تھا...... بظاہر بالکل خالی...... لیکن آسیبی یادوں سے بھرا ہوا تھا......

میز پر ایک بڑا سا لفافہ دیکھ کر وہ آگے بڑھی اور اس میں اپائنٹمنٹ لیٹر نکال کر پڑھنے لگ

حکومت نے ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے اس کی تقرری کی تھی...... اس کی خو کے مطابق ایک دور دراز کے علاقے میں...... پشاور سے پچاس میل دور ایک بستی میر اور اس بستی کا نام تھا شاداب نگر......

آرزو کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ "شاداب نگر...... وہاں تو شاہدہ رہتی ہے اس کے پیار کو ڈسنے والی ناگن!

یہ تقدیر کیسا مذاق کر رہی ہے؟...... وہ ارمان سے دور بھاگنا چاہتی تھی لیکن بستی میں رہ کر شاید وہ ارمان کو نہ بھلا سکے۔

شاہدہ کو دیکھ کر اسے ہمیشہ اپنی شکست یاد آیا کرے گی۔

"نہیں...... میں نہیں جاؤں گی......" اس کے دل نے کہا۔

"کیسے نہیں جاؤ گی......!" اس کے دماغ نے کہا...... "پریس کانفرنس میں چوڑی باتیں کہی تھیں...... اخبارات میں جو بیانات شائع ہوئے تھے۔ وہ سب کیا شہرت حاصل کرنے کے لیے؟"

"نہیں...... میں شہرت کی بھوکی نہیں ہوں۔"

لیکن تمہارا انکار سن کر دنیا تو یہی کہے گی کہ فرض ادا کرنے کا وقت آیا تو منہ پھیر لیا۔

وہ سر تھام کر بیٹھ گئی...... ڈاکٹر انسان نہیں ہوتا...... اگر ہوتا ہے تو اس کے دل میں جذبات نہیں ہوتے...... اگر جذبات ہوتے ہیں تو انہیں کچل دینا پڑتا ہے...... مریض اگر دشمن کی بستی سے پکارتے ہیں تو اسے اس بستی میں جانا پڑے گا۔

ارمان، آرزو ہی کے کمرے میں سو گیا تھا۔

آرزو نہیں تھی، آرزو کا کمرہ تھا۔ ان کی قربت نہیں تھی لیکن اس کا نرم او
لچک دار بستر تھا۔ وہ اندھیرے میں چلتا ہوا بستر کے قریب آیا اور تھکے ہوئے مسافر کی طر
اس کی گود میں لیٹ گیا۔

لیٹتے وقت اسے محسوس ہوا جیسے اس خاموشی میں اور تاریکی میں اس کے بالکل
قریب آرزو کا پسینہ مہک رہا ہے۔

وہ اس فریب پر مسکرا کر رہ گیا۔ جس کا وجود نہ ہو۔ اس کا پسینہ کہاں سے مہکے گا۔

اس کی آنکھیں نیند سے بند ہونے لگیں۔ پچھلی رات کا جاگا ہوا تھا۔ دن کو تھوڑ
دیر کے لیے ثامی کے ہاں آنکھ لگی تھی لیکن وہ سونے اور جاگنے کے درمیان غنودگی کی
حالت میں رہا تھا۔

آرزو کے بستر پر وہ ایک سے دوسری کروٹ نہ لے سکا، گہری نیند سو گیا۔

صبح آنکھ کھلی تو اس وقت ملازمہ چائے کی پیالی میز پر رکھ رہی تھی۔ اس کے واپس
جاتے وقت ارمان نے محسوس کیا کہ وہ ہولے سے مسکرائی ہے۔ اس کی مسکراہٹ بڑی
ہی دھیمی اور بڑی ہی معنی خیز تھی۔ جیسے کہہ رہی ہو کہ...... حضور! یہ تو آرزو بی بی کا بستر
ہے۔

وہ جمائی لیتا ہوا چائے پینے کے لیے نیم دراز ہو گیا۔

اور تب اسے پتہ چلا کہ ملازمہ کی مسکراہٹ معنی خیز کیوں تھی۔ بستر پر اس کے
آس پاس آرزو کے اتارے ہوئے کپڑے بکھرے ہوئے تھے...... ابھی جہاں وہ سر رکھے
سو رہا تھا۔ وہاں آرزو کا بلاوز اپنی بانہیں پھیلائے لیٹا ہوا تھا اور پیروں کے پاس پٹی کوٹ

ساڑھی پھیلی ہوئی تھی۔

اب اسے پتہ چلا کہ رات کی خاموشی اور تاریکی میں اس کے بالکل قریب آرزو کا
کیوں مہک رہا تھا۔

دن کی روشنی میں اس نے دیکھا کہ آرزو کے صرف کپڑے ہی نہیں، کتابیں اور
ر کی ساری چیزیں ادھر ادھر بکھری ہوئی تھیں...... جاتے وقت وہ بے دلی سے ساری
ں کو بے ترتیبی کی حالت میں چھوڑ گئی تھی۔ یہ چیزیں اس کے ذہنی انتشار کا پتہ دے
تھیں اور کہہ رہی تھیں کہ وہ بڑی ہی پس و پیش کے بعد یہاں سے گئی ہے۔

ارمان نے مسکراتے ہوئے سوچا کہ جاتے وقت وہ ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو کر گئی
۔ لیکن اب آتے وقت وہ اپنی غلطی پر ندامت سے سر جھکائے آئے گی۔

وہ بستر سے اٹھا اور غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر ناشتے کی میز پر آ گیا۔ یہاں بیٹھ کر
نے اپنی امی کو ایک خط لکھا۔

"میری پیاری امی!

آپ کا یہ بیٹا کوئی ایسی حرکت نہیں کر سکتا، جس سے آپ کے دل کو ٹھیس پہنچے۔
نے پہلے ہی کہا تھا کہ جو الزام مجھ پر عائد کیا جا رہا ہے، اس کا مرتکب ثامی ہو سکتا ہے۔
یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ میں بالکل بے گناہ ہوں۔ اس خط کے ساتھ پرنسپل
ب کا ایک خط منسلک کر رہا ہوں۔ اسے پڑھنے کے بعد آپ پر تمام تفصیلات واضح ہو
ائیں گی۔ یہ خط آرزو کو بھی دکھا دیجئے گا اور کہہ دیجئے گا کہ آپ کا بیٹا مر سکتا ہے۔ لیکن
ت کے معیار سے گر نہیں سکتا۔

فقط

قدم بوسی کا خواہشمند

ارمان"

خط لکھنے کے بعد وہ یونہی بیٹھا اسے تکتا رہا۔ خط کے سفید اور چکنے کاغذ پر سے
ا ابھر رہی تھی۔ وہ ارمان کا بھیجا ہوا خط پڑھ رہی تھی۔ پھر اس نے پرنسپل کا خط پڑھا
رامت سے سر کو جھکا لیا...... پرنسپل کا خط اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر ہوا میں اڑ رہا
لیکن ارمان کے خط کو اس نے سینے سے لگا لیا تھا۔ وہ سر جھکائے سوچ رہی تھی اور

اپنی جلد بازی پر پچھتا رہی تھی۔

پھر وہ دوڑتی ہوئی اپنے گھر سے نکلی اور بے تحاشہ بھاگتی ہوئی اس کی جانب آ گئی۔ کراچی سے لاہور تک کا فاصلہ ہوتا ہی کتنا ہے؟ آرزو نے پلک جھپکتے ہی یہ فاصلہ کرلیا اور دوڑتی ہوئی آکر اس کے سینے سے لگ گئی۔

"ارمان!...... میرے ارمان!...... میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔"

"ہوں!"...... ارمان نے مسکرا کر کہا...... "اب تمہیں میرا خیال آیا ہے۔"

"مجھے معاف کردیجئے۔ ذرا آملیٹ بنانے میں دیر ہوگئی تھی۔"

"کیا......؟" ارمان نے سر جھٹک کر دیکھا۔ ملازمہ آملیٹ کی پلیٹ رکھتی ہ معذرت چاہ رہی تھی۔ وہ اپنے خیالات کی اڑان پر مسکرا کر رہ گیا...... خط تو ابھی تک ا کے سامنے رکھا ہوا تھا۔ پھر آرزو کہاں سے آ جاتی؟"

وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔ اسی وقت روشن ڈائننگ روم میں داخل ارمان کو دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔ شاید اسے توقع نہیں تھی کہ ارمان واپس آئے گا۔

"تم......!" اس نے کہا...... "میں تو یہ سمجھا تھا کہ تم شرم سے منہ چھپا کر کہیں گئے ہو۔"

"میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا بھائی جان کہ مجھے شرمندگی اٹھانی پڑے...... پرنسپل کا خط ہے' اسے پڑھ لیجئے...... انہوں نے میری بے گناہی کا اعتراف کیا ہے۔"

روشن نے اس کے ہاتھ سے خط لے کر پڑھا۔

پھر لاپرواہی سے اس کی طرف پھینکتے ہوئے کہا۔ "اونہہ...... ایسے پروفیسر ٹکے ملتے ہیں۔ ہاتھ میں پیسہ رکھ دو تو بی اے پاس کا جعلی سرٹیفکیٹ بھی دے دیتے ہیں۔ م نظر میں اس خط کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔"

ارمان نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔ "یہ خط تو بہت دور کی چیز ہے...... زندگی کسی موڑ پر آپ نے میری اہمیت کبھی محسوس کی ہے؟"

"تمہاری اہمیت......؟" اس نے نفرت سے کہا...... "ٹھہرو!...... میں ابھی بتاتا ہوں کہ تمہاری اہمیت کیا ہے؟"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے پلٹ کر چلا گیا۔ شاید اپنے کمرے کی جانب گیا تھا۔ ا

بھائی کی تند مزاجی کا عادی تھا۔ جس بھائی نے بچپن سے لے کر اب تک کبھی اس سے مسکرا کر بات نہ کی ہو۔ اس سے وہ کبھی اچھے رویے کی توقع ہی نہیں کر سکتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا اور ارمان کے سامنے ایک ڈائری کو پھینکتے ہوئے کہا۔

"اسے پڑھو!"

"یہ کیا ہے......؟" ارمان نے حیرت سے پوچھا۔

"آج سے پچیس سال پہلے کی لکھی ہوئی ڈائری ہے۔ اسے امی نے لکھا ہے۔ اسے پڑھ لو تو پتہ چل جائے گا کہ تمہاری اہمیت کیا ہے؟"

ارمان نے ڈائری کو کھولا۔

روشن نے ایک کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "چار اپریل کے صفحہ سے پڑھو!"

اس نے چار اپریل کا صفحہ کھول کر پڑھنا شروع کیا۔

عصمت کی مخصوص تحریر میں درج تھا۔

"قدرت کے کھیل بھی عجیب ہیں۔ سات سال تک مجھے بے اولاد رکھا۔ آج مجھے اں بنایا ہے تو اس طرح کہ ایک نہیں بلکہ دو بیٹوں سے میری گود بھر دی ہے۔ دونوں بچے اس وقت میرے پہلو میں لیٹے ہوئے ہیں۔ وہ عمر کے لحاظ سے آدھے گھنٹے کے چھوٹے بڑے ہیں۔ میں ڈائری لکھتے لکھتے بار بار ان کی طرف حیرت سے دیکھتی ہوں۔ میں پہلی بار اں بنی ہوں نا...... اس لیے حیرت سے دیکھتی ہوں کہ ان خوبصورت بچوں کو میں نے تخلیق کیا ہے۔ آج مجھے رہ رہ کر عظمت' کا احساس ہو رہا تھا۔

میری زندگی کے مالک!...... میرے سرتاج...... ہاشم علی قریب ہی میز پر جھکے ہوئے پاکستانی رشتے داروں کو خطوط لکھ رہے ہیں اور انہیں خوشخبری سنا رہے ہیں کہ وہ دو بچوں کے باپ بن گئے ہیں۔

آج تین سال کے بعد پہلی بار وہ اپنے بھائی کو خط لکھ رہے ہیں۔ میں نے ہی نہیں مجبور کیا ہے کہ وہ خط لکھیں۔ آپس میں جھگڑے فساد ہوتے ہی رہتے ہیں لیکن یسے خوشی کے موقعہ پر بھائی سے ناراضگی اچھی نہیں ہوتی۔

جائیداد کی تقسیم بھائی سے بھائی کو لڑا دیتی ہے۔ ہاشم نے روز روز کے جھگڑوں سے گ آکر پاکستان کو خیرباد کہہ دیا تھا اور مجھے لے کر ایران آ گئے ہیں۔ لیکن وطن سے کوئی

کب تک دور رہ سکتا ہے۔ میں نے ان سے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ اب میں یہاں نہیں رہوں گی۔

انہوں نے مجھے سمجھاتے ہوئے ایک عجیب سی بات کہی۔ "عصمت! مجھے بھی اپنے وطن سے محبت ہے کون سی خوبی ہے جو اپنے ملک میں نہیں ہے۔ لیکن ایک خرابی ہے اور وہ یہ وہاں بھائی' بھائی کے خون کا پیاسا بن کر رہتا ہے۔"

میں گھبرا کر اپنے بچوں کو دیکھ رہی ہوں...... وہ بھی تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں...... یا خدا!...... ان بچوں کو نیک توفیق دے کہ یہ ہمیشہ بھائیوں کی طرح آپس میں پیار و محبت سے رہیں۔"

ارمان نے سر اٹھا کر بھائی کی جانب محبت سے دیکھا۔

روشن چھت کی طرف منہ کیے سگریٹ کا دھواں چھوڑ رہا تھا۔

وہ صفحہ الٹ کر پھر پڑھنے لگا۔

"۵ اپریل......

آج ہم نے ایک طویل بحث و تکرار کے بعد بچوں کے نام کا انتخاب کیا ہے۔ ہاشم نے بڑے بیٹے کا نام روشن رکھا ہے اور میں نے چھوٹے بیٹے کا نام ارمان تجویز کیا ہے...... دونوں بچے بڑے ہی شریر اور ضدی ہیں۔ ایک کو چھاتی سے لگا کر دودھ پلاتی ہوں تو دوسرا بھی مچلنے لگتا ہے...... یا اللہ خیر!...... یہ ابھی سے ماں کے دودھ کے لیے لڑتے ہیں...... آگے چل کر کیا کریں گے؟"

روشن نے اس کی طرف سر گھما کر کہا۔ "۲۰ اپریل!"

ارمان نے اوراق الٹ کر بیس اپریل کا صفحہ دیکھا...... عصمت بین کر رہی تھی۔

"ہائے میں لٹ گئی۔ میرے گھر کا چراغ بجھ گیا...... ارمان! ہائے میرا بچہ! کل تک میری چھاتی سے لگا...... ہمکتا رہتا تھا۔ آج نمونیہ کا شکار ہو کر ہمیشہ کے لیے مجھے چھوڑ گیا ہے۔

کہتے ہیں کہ پھولوں سے لدی ہوئی شاخ سے ایک پھول ٹوٹ کر گر جائے تو کچھ احساس نہیں ہوتا۔ یہ سچ ہے کہ روشن ابھی میری گود میں ہے اور میری ممتا کو تسکین پہنچ رہا ہے۔ لیکن ارمان کی ابدی جدائی نے مجھے بالکل توڑ کر رکھ دیا ہے۔ پھول کے ٹوٹنے

اور انسان کے ٹوٹنے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ پھول کی خوشبو ایک دن کی ہوتی ہے لیکن ممتا زندگی کی آخری سانس تک مہکتی رہتی ہے۔

نہیں اب میں یہاں نہیں رہوں گی۔ اپنے وطن واپس جاؤں گی۔ یہ گھر مجھے کاٹنے کو دوڑ رہا ہے۔ یہ جھولا مجھے بار بار اپنی طرف پکار رہا ہے۔

میری انگلیوں میں قلم رہ رہ کر کانپ رہا ہے۔ مجھ سے اب لکھا نہیں جاتا......

ارمان!...... میرے لال! اب یہ قلم تمہارا نام کیسے لکھے گا؟"

روشن نے جلتے ہوئے سگریٹ کو ایش ٹرے میں دفن کرتے ہوئے کہا۔ "۲۵ مئی!"

ارمان نے پورے ایک ماہ کے صفحات الٹ دیئے اور پچیس مئی کا صفحہ سامنے رکھ کر پڑھنے لگا۔

"ہم نے ایران کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ دیا ہے اور اب وطن کی سرزمین پر لاہور کی جانب سفر کر رہے ہیں۔

مجھے ہاشم کی ایک عادت بہت بری لگتی ہے۔ کار چلانے بیٹھتے ہیں تو کبھی نزدیک کا راستہ اختیار نہیں کرتے آج بھی سیدھے لاہور جانے کی بجائے نہ جانے کن راستوں سے ہو کہ ایبٹ آباد پہنچ گئے۔ دوپہر تک اس پر فضا مقام کی سیر کراتے رہے۔ میں اچھی طرح سمجھتی ہوں' وہ ارمان کی یاد کو بھلانے کے لیے مجھے تفریحات میں گم کر دینا چاہتے ہیں۔

دو بجے کے بعد ہم وہاں سے روانہ ہوئے...... ہماری کار پہاڑی راستوں کے پیچ و خم سے گزرتی جا رہی تھی۔ وہ کار چلا رہے تھے اور میں ان کے قریب بیٹھی ہوئی روشن کو تھپک تھپک کر سلانے کی کوشش کر رہی تھی۔ میرا دل نہ جانے کیوں اندر ہی اندر بیٹھا جا رہا تھا۔

دراصل مجھے پہاڑی راستوں سے بڑا ڈر لگتا ہے...... ہر موڑ پر مخالف سمت سے اچانک کوئی نہ کوئی گاڑی اس طرح چلی آتی ہے کہ حادثہ کے خوف سے کلیجہ دہل جاتا ہے۔ کبھی ایسی سیدھی اور سپاٹ ڈھلوان آجاتی ہے کہ کار ہاشم کے قابو سے باہر ہوتی نظر آتی ہے۔

لیکن وہ بڑی خوداعتمادی سے کار چلانے کے عادی ہیں۔ مجھ سے ہنس ہنس کر باتیں

کرتے ہیں۔ کبھی راستے کی طرف دیکھتے ہیں اور کبھی میری طرف...... اور کبھی تو ایک ہاتھ بڑھا کر مجھے اپنی طرف......"

اچانک میرے حلق سے ایک چیخ نکل گئی۔ ہاشم کے ہاتھ سے اسٹیرنگ بہک گیا انہوں نے اسٹیرنگ پر قابو پاتے ہوئے ایک زوردار بریک لگائی...... کار کے پہیے چلاتے ہوئے پھسل کر ذرا آگے گئے...... اور خاموش ہو کر رک گئے۔

کار جہاں رکی تھی' وہاں سے صرف ایک بالشت آگے سینکڑوں فٹ گہری تھی۔ میری سانس اوپر کی اوپر ہی رہ گئی...... ہائے اللہ! یہ مرد خطرناک راستوں پر اظہار محبت سے باز نہیں آتے۔

میں نے ناراضگی سے ان کی طرف دیکھا۔

انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "چلو اترو...... یہاں قریب ہی ایک ڈاک بنگلہ میں تمہیں وہاں پہنچا دوں۔"

"کیوں؟"

"کار کے دونوں ٹیوب پنکچر ہو گئے ہیں۔"

وہ کار کو وہیں چھوڑ کر مجھے ڈاک بنگلے پہنچا گئے ہیں۔ اس وقت رات کے آٹھ ہیں اور وہ ابھی تک واپس نہیں آئے ہیں۔ اب تو میں ان خطرناک راستوں پر رات وقت سفر نہیں کروں گی۔ وہ آئیں گے تو کل تک کے لیے سفر ملتوی کر دوں گی۔"

۲۶ مئی......

"صبح سویرے ہی سفر کا آغاز ہونا چاہئے تھا لیکن وہ دیر تک سوتے رہے۔ مشکلوں سے انہیں جھنجھوڑ کر اٹھایا تو وہ شیو کرنے اور غسل کرنے میں مصروف ہو گئے۔

میں ڈاک بنگلے سے نکل کر کھلی فضاء میں آ گئی۔ دور دور تک اونچی اونچی پہاڑ کہر میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ آس پاس کوئی آبادی نہیں تھی۔ میں جہاں کھڑی ہوئی تھ وہاں سے کوئی سو گز نیچے کی جانب ایک پکی سڑک سانپ کی طرح لہراتی دور ایک پہاڑی طرف مڑ گئی تھی۔

اسی وقت میں نے دور سے آتی ہوئی ایک کار کو دیکھا...... اور پھر میرا کلیجہ دھ سے رہ گیا۔

کار یکبارگی گھوم گئی تھی...... شاید ہاتھوں سے اسٹیرنگ بہک گیا تھا۔

کار ایک طرف سے گہری کھائی کی طرف جھک گئی...... راستے کے کنارے پڑی ی بجریوں پر دائیں جانب کے دونوں پہیے گھسٹتے ہوئے ذرا دور تک گئے اور پھر کار الٹ

ایک نسوانی چیخ فضا میں گونجی...... کار کا دروازہ تیزی سے کھلا اور اس کھلے ہوئے وازے سے ایک عورت نے چھلانگ لگا دی۔ اس کے بازوؤں میں ایک ننھا سا بچہ بھی

میں نے چیخ کر ہاشم کو آواز دی۔ "ہا...... شی...... م......" اور پھر ڈھلان کی طرف ڑتی چلی گئی۔

بلندی سے نشیب کی طرف آتی ہوئے' میں صاف دیکھ رہی تھی کہ بچہ عورت کے سے چھوٹ کر ایک درخت کی شاخوں میں الجھ گیا تھا...... عورت لڑھکتی ہوئی نشیب کی ف جا رہی تھی...... اور کار انتہائی پستی میں جا کر شعلوں کی لپیٹ میں آ گئی تھی۔

دوڑتے ہوئے ایک ساعت کے لیے میرے قدم رک گئے۔ منظر ہی کچھ ایسا تھا...... رت ایک ننھے سے پودے کو پکڑ کر جھول گئی تھی۔

ایک ننھے سے پودے میں جان ہی کتنی ہوتی ہے کہ وہ ایک جوان عورت کا بوجھ ھال سکے۔ وہ بے چاری ادھر ادھر پاؤں مارنے لگی۔

میں اسے دیکھ سکتی تھی۔ اس پر ترس کھا سکتی تھی لیکن اس کی مدد کو نہیں پہنچ ی تھی۔ کیونکہ ہمارے درمیان دو سو گز کا فاصلہ تھا۔ لیکن پہاڑی راستے کے گھماؤ پھراؤ وہاں پہنچنے میں ایک میل کا چکر لگ جاتا۔

میں پھر دوڑنے لگی۔ ہمارے درمیان چٹانیں اور جھاڑیاں حائل ہو گئی تھیں۔ ڑی دیر کے لیے مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ اس عورت پر کیا بیت رہی ہے؟

ہاشم میرے پیچھے دوڑے آ رہے تھے اور مجھے پہاڑی راستے پر اس طرح دوڑنے منع کر رہے تھے۔ لیکن میری آنکھوں میں اس عورت کی بے بسی گھوم رہی تھی اور ں میں بچے کی چیخیں گونج رہی تھیں۔ میں ان کے روکنے کے باوجود بے تحاشہ بھاگی جا ی تھی۔

جائے حادثہ پر پہنچ کر میں نے دیکھا۔ وہ عورت ایک بڑے سے پتھر کے قریب بے حس و حرکت پڑی ہوئی تھی اور بچہ ایک شاخ سے الجھا ہوا دھیرے دھیرے ہوا کے دوش پر ہچکولے کھا رہا تھا۔ عورت کی گردن گھومی ہوئی تھی اور وہ آنکھیں پھاڑے ایک ٹک اپنے بچے کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔

ہاشم نے آگے بڑھ کر بچے کو شاخوں سے اتار لیا۔ میں آہستہ آہستہ ڈھلان پر اترتی ہوئی اس عورت کے قریب گئی۔ اس کے کپڑے پھٹ کر تار تار ہو گئے تھے۔ جسم کا جو بھی حصہ کپڑوں سے آزاد ہو گیا تھا' وہ زخموں اور خراشوں کی وجہ سے لہو میں بھیگ ر تھا۔

وہ مر چکی تھی لیکن اس کی آنکھیں اب تک اسی شاخ کی جانب لگی تھیں۔ جہاں کچھ دیر پہلے بچہ الجھا ہوا تھا۔ مجھے محسوس ہوا' جیسے مرنے کے بعد بھی اس نے اپنی د آنکھوں کا پہرہ بٹھا دیا ہے کہ...... خبردار! میرا بچہ تنہا نہیں ہے۔ میری آنکھیں اس کی محافظ ہیں۔ کوئی اسے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

ہاشم بچے کو لے کر قریب آئے تو میں نے اس معصوم سی جان کو لے کر اپنے سینے سے لگا لیا اور اس عورت پر ایک نظر ڈالی۔ ...... یا میرے خدا! میں نے ایک عجیب سامنظ دیکھا...... اس عورت کے دیدے میری طرف پھر گئے تھے۔

اس کا جسم مر چکا تھا لیکن آنکھیں زندہ تھیں۔

ان آنکھوں نے بڑی آسودگی سے میرے سینے کی طرف دیکھا۔ جیسے بچہ کسی محفو پناہ گاہ تک پہنچ گیا ہو۔ پھر...... پھر اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔

ہاشم نے اس کا معائنہ کیا...... وہ واقعی مر چکی تھی۔

حادثہ کی اطلاع قریبی آبادی کے تھانہ تک پہنچائی گئی۔ پولیس آئی لیکن مر والوں کی شناخت نہ ہو سکی کہ وہ کون تھے اور کہاں سے آئے تھے۔ کار کے اندرونی سامان سے شاید پتہ چل جاتا لیکن سب کچھ جل کر راکھ ہو گیا تھا۔ کار کی نمبر پلیٹ پلاسٹک کی ہوئی تھی۔ لہٰذا وہ بھی آگ میں جل گئی تھی۔

بچے کا دعویدار کوئی نہ تھا۔ میں اسے ڈاک بنگلہ میں لے کر چلی آئی اور ا روشن کے قریب سلا دیا۔

قدرت کے کھیل بھی عجیب ہوتے ہیں...... میرے سامنے پھر دو بیٹے سو رہے تھے...... شاید اسی لیے میری گود خالی کی گئی تھی۔ اس لیے میری ممتا کو ایک بیٹے کی کمی کا احساس دلایا گیا تھا کہ میں اس لاوارث بچے سے اس کمی کو پورا کروں۔

لاوارث...... نہیں...... کون کہتا ہے کہ اب یہ لاوارث ہے...... میں نے اسے اٹھا کر سینے سے لگا لیا ہے۔ وہ نیند سے اٹھ کر رونے لگا۔

میں اسے لے کر ادھر سے ادھر ٹہلنے لگی لیکن وہ چپ نہ ہوا۔ اسے جھولے میں ڈال کر تھپک تھپک کر سلانے کی کوشش کی لیکن وہ روتا ہی رہا۔ آخر میں نے اسے چھاتی سے لگا لیا...... دودھ ملتے ہی وہ چپ ہو گیا اور ہمک ہمک کر پینے لگا۔

وہ پی رہا تھا' اسے نہیں معلوم تھا کہ پیالہ بدل گیا ہے...... وہ سو رہا تھا' اسے نہیں معلوم تھا کہ گود بدل گئی ہے...... وقت کے ساتھ ساتھ پالنا اور پیالہ بدل جاتا ہے۔ لیکن دودھ کی تاثیر کبھی نہیں بدلتی۔

میرے سینے میں دودھ کا ایک سمندر موجیں مار رہا تھا...... ارمان واپس آ گیا تھا اور اس سمندر سے قطرہ قطرہ اپنا حصہ وصول کر رہا تھا۔

وہ دروازے پر کھڑے ہوئے میری ممتا کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔

انہوں نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ "میں نے انسپکٹر کو اپنا پتہ نوٹ کرا دیا ہے۔ اگر اس بچے کے لواحقین کا پتہ چل گیا تو وہ ہمارے ہاں آ کر اسے لے جائیں گے۔"

میں نے گھبرا کر انہیں دیکھا...... "کیا یہ پھر مجھ سے چھین لیا جائے گا؟"

ہاشم نے مسکرا کر کہا۔ "گھبراؤ نہیں...... یہ دفتری کارروائی ہے۔ تمہارے جذبات کے ساتھ ساتھ فرض کا بھی خیال رکھنا تھا۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ اس بچے کا کوئی دعویدار نہ ہو گا۔"

"آپ کو میرے جذبات کا احساس ہے تو وعدہ کیجئے کہ جب تک یہ ہمارے پاس رہے گا۔ آپ اسے ارمان کی طرح پیار کریں گے۔"

انہوں نے بچے کو میری گود سے اٹھا کر پیار کرتے ہوئے کہا۔ "یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے۔ یہ تو میرا ارمان ہے۔"

"اور جب تک یہ ہمارے پاس رہے گا۔ دنیا والے بھی اسے ارمان ہی سمجھیں گے...... وعدہ کیجئے کہ آج کے حادثہ کا ذکر آپ کسی سے نہیں کریں گے۔"

"چلو وعدہ کیا...... لیکن کوئی دعویدار پہنچ گیا تو بات کھل جائے گی۔"

"یہ بعد کی باتیں ہیں۔ بات اگر کھل گئی تو کوئی ہمیں پھانسی نہیں چڑھا دے گا۔"

"لیکن حقیقت کو چھپانے سے فائدہ ہی کیا ہے؟"

"اس ننھی سی جان کے لیے فائدہ ہے۔ کوئی اسے لاوارث نہیں سمجھے گا۔ عزیزوں اور رشتہ داروں کو ہم نے پہلے ہی لکھ دیا تھا کہ ہمارے دو بیٹے ہیں۔ لاہور پہنچنے پر وہ لوگ یہی سمجھیں گے۔ یہ دوسرا بیٹا بھی ہمارا ہے۔ کوئی اسے غیر نہیں سمجھے گا۔"

اس مرنے والی کی آنکھوں کو آپ نے دیکھا تھا۔ میں سچ کہتی ہوں۔ ہاشم! وہ مرنے سے پہلے ہی مرگئی تھی۔ صرف آنکھوں میں دم رہ گیا تھا۔ اس انتظار میں...... کہ کوئی ماں اس کے لخت جگر کو اپنے کلیجے سے لگا لے...... آپ نے دیکھا تھا...... کہ بچہ میری گود میں آتے ہی اس نے کتنی آسودگی سے آنکھیں بند کرلی تھیں۔

وہ دو آنکھیں میرے ذہن میں نقش ہو گئی ہیں۔

ان آنکھوں کا کرب اور ان آنکھوں کی آسودگی کہہ رہی تھی کہ کوئی اس بچے کو لاوارث نہ سمجھے۔

میں عہد کرتی ہوں کہ دوسرے عزیز تو کیا خود میرے بچے بھی اس راز کو کبھی نہ جان سکیں گے۔ روشن بھی اسے غیر سمجھ کر نفرت نہیں کرے گا۔ میرے سامنے آپ کی مثال ہے کہ آپ کے سوتیلے بھائیوں نے آپ کے ساتھ کیسی حق تلفی کی ہے...... میں نہیں چاہتی کہ روشن بڑا ہو کر کسی کے بہکانے میں آجائے اور اس بچے کے ساتھ ناانصافی کرے...... بہتر ہے کہ وہ اسے حقیقی بھائی سمجھ کر خاندانی معاملات میں ہمیشہ برابر کا شریک سمجھے۔

انہوں نے مجھے اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔ "انشاء اللہ! ہمارا روشن بھی ہماری طرح ہی ہمدرد اور فراخدل ہو گا۔ ویسے احتیاطاً روشن سے بھی یہ بات اس وقت تک چھپانی چاہئے۔ جب تک کہ ہمیں اس کے مزاج کا صحیح علم نہیں ہو جاتا۔ کیونکہ یہ دنیا جتنی ترقی کر رہی ہے' اتنی ہی لالچی اور ہوس پرست ہوتی جا رہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بدلتی ہوئی

ب اس پر بھی اپنا اثر دکھائے۔ لہٰذا دانش مندی یہی ہے کہ یہ راز میرے اور رے درمیان رہے۔"

ہاشم کے خیالات اور نیک جذبات دیکھ کر میں ایک بیوی کی حیثیت سے جتنا بھی فخر ں' وہ کم ہے...... انہوں نے ایک بیوی کے جذبات کا پاس رکھا ہے' ایک ماں کی ممتا کا م کیا ہے اور قدرت کے دیئے ہوئے اس ننھے سے تحفہ کو ایک باپ بن کر اپنے سینے لگایا ہے۔

"خدا ہر شریف زادی کو ایسا ہی شریف النفس خاوند عطا کرے۔ آمین!"

ڈائری کی یہ داستان یہاں آکر ختم ہو گئی تھی۔

لیکن اب ایک نئی داستان کا آغاز ہونے والا تھا۔

ڈائننگ روم میں بیٹھے ہوئے دو بھائی...... اب آپس میں بھائی نہیں رہے تھے...... سال کی طوالت سے جاری رہنے والی داستان کے کردار بدل گئے تھے۔

ڈائننگ میز پر ڈائری کھلی ہوئی تھی اور اس کے سامنے ایک لاوارث لڑکا بیٹھا ہوا ابھی چند لمحے پہلے وہ اس گھر کا ایک فرد تھا۔ اس خاندان کا چشم و چراغ تھا اور اب کی ایک ذرا سی کروٹ پر اس خاندان کے لیے اجنبی بن گیا تھا۔ صرف اس خاندان لیے نہیں' خود اپنی نظر میں بھی وہ اجنبی تھا۔

وہ کون تھا؟ اس کے ماں باپ کون تھے؟ کہاں سے آئے تھے؟...... پچیس سال تک والات کا جواب نہ مل سکا تو آج یہ سوالات کیسے حل ہو جاتے؟

روشن نے اس کے سامنے سے ڈائری کھینچ لی اور اسے بند کرتے ہوئے ارمان سے

"ابھی تم نے پوچھا تھا کہ زندگی کے کسی موڑ پر کبھی میں نے تمہاری اہمیت محسوس ہے یا نہیں؟...... تو جواب تمہیں مل چکا ہے۔ اب تمہیں احساس ہو جانا چاہئے کہ میری نظروں ہی میں نہیں بلکہ میرے گھر میں بھی تمہاری کوئی اہمیت نہیں ہے۔"

"ہاں...... آپ سچ کہتے ہیں......" ارمان نے سر اٹھا کر کہا۔

"اب تو دنیا کی نظروں میں بھی میری اہمیت نہ ہو گی۔ کیونکہ میں اعلیٰ خاندان کا فرد ہوں۔ نہ جانے کس خاندان سے میرا تعلق ہے۔ لیکن ایک بات میں جانتا ہوں بھائی کہ آپ اور آپ کی سوسائٹی چاہے کتنی ہی گری ہوئی نظروں سے مجھے دیکھے۔

لیکن امی کی نظروں میں میرا وہی مقام ہوگا...... وقت بدل جاتا ہے...... رشتے بدل
ہیں۔ مگر ماں کی ممتا کبھی نہیں بدلتی۔"

"ممتا بھی بدل جائے گی....." اس نے دانت پیس کر کہا...... "پہلے میں تمہیں
سمجھ کر مجبور تھا...... بچپن سے لے کر اب تک تم ماں کی محبت کو دو حصوں میں
کرتے رہے۔ میں خاموش رہا۔

ابا جان کی وصیت میں تمہاری وجہ سے جائیداد کے دو حصے ہوگئے...... میں ز
گھونٹ پی کر رہ گیا۔

یہاں تک کہ میں نے آرزو کو حاصل کرنا چاہا تو وہاں بھی تم نے میرے حق پ
ڈالا...... تم ڈاکوؤں سے بدتر ہو۔ ڈاکو ایک بار لوٹ کر چلے جاتے ہیں لیکن تم ہر رو
ہر گھڑی...... اور ہر پل' چپکے چپکے میرے حقوق پر ڈاکے ڈالتے رہے ہو۔"

"بھائی جان......!" ارمان نے دکھے ہوئے دل سے کہا۔

"خبردار! مجھے بھائی جان نہ کہنا' میرا تم سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔ اگر تم میں ذ
بھی شرافت ہے تو ابھی اور اسی وقت فیصلہ کرو کہ تمہیں کسی غیر کے ہاں اس طر
چاہئے یا اپنا الگ ٹھکانا بنانا چاہئے۔

میں چاہوں تو امی کو آزمائش میں ڈال سکتا ہوں۔ اگر انہوں نے اب بھی تمہیں
کہنا چاہا تو میں ان سے علیحدگی اختیار کر سکتا ہوں۔ پھر تم ہی سوچو کہ ماں ایک لے
بیٹے کی خاطر اپنے بیٹے سے جدا ہو کر کبھی چین کی نیند سو سکتی ہے۔ کبھی سکون سے
رہ سکتی ہے۔"

"نہیں......!" وہ گھبرا کر کھڑا ہو گیا...... "آپ امی کو آزمائش میں نہ ڈالیں۔ ا
تو یہی سن کر دکھ ہوگا کہ پچیس سال کا پرانا راز اب فاش ہو گیا ہے۔"

"اگر تمہیں امی کے دکھوں کا اتنا ہی خیال ہے تو آؤ!...... یہ راز میرے
تمہارے ہی درمیان رہے کہ یہ راز ہم پر کھل چکا ہے۔ کیونکہ امی کو اس بات کا علم
ہے کہ ڈائری میرے ہاتھ لگ چکی ہے۔

اگر تم نہیں چاہتے کہ میں امی سے دور چلا جاؤں تو پھر تم یہاں نہ رہو......
جانے سے وہ ایک سگے بیٹے کی جدائی کے عذاب میں مبتلا ہو جائیں گی...... تم جاؤ گے

آوارہ بیٹے کی جدائی کو اتنی شدت سے محسوس نہیں کریں گی۔

"میں آوارہ نہیں ہوں۔"

"لیکن وہ تو سمجھتی ہیں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارے چلے جانے سے شدت کرب
مبتلا نہ ہوں تو یہی بہتر ہے کہ وہ تمہیں آوارہ سمجھ کر صبر کر لیں۔"

ارمان نے میز پر پڑے ہوئے پرنسپل کے خط کو دیکھا جو اس کی بے گناہی کا ثبوت
۔ لیکن وہ نہیں چاہتا تھا کہ روشن اس گھر سے چلا جائے اور ماں سگے بیٹے کی جدائی میں
ہو جائے۔ وہ اپنے سکون کے لیے ایک بیٹے سے ماں کی گود کو چھیننا نہیں چاہتا تھا۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں...... امی آپ جیسے بیٹے کی جدائی برداشت نہیں کریں گی......
مجھ جیسی آوارہ کی آوارگی پر صبر کر لیں گی۔"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے چلتا ہوا ڈائننگ روم سے نکل گیا۔

ڈائننگ اور ڈرائنگ روم کے درمیان ایک چھوٹا سا کاریڈور تھا۔ اس کاریڈور کو
ر کر کے وہ ڈرائنگ روم میں آگیا...... سامنے آتش دان کے اوپر ہاشم علی...... اور
ت کی بڑی بڑی تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ ان پر نظر پڑتے ہی وہ ٹھٹھک گیا۔

وہ تصویریں اسے اپنی طرف بلا رہی تھیں...... وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا ان کی قریب
...... اور انہیں گہری عقیدت سے دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں کہا۔ "ابا جان!......
ے محسن!...... میں تو یہی سمجھتا رہا کہ آپ ہر ماہ صرف ٹامی جیسے غریب لڑکے کی ہی مدد
کرتے تھے۔ لیکن آج آپ کی فراخدلی کی انتہا معلوم ہوئی کہ آپ نے مجھ جیسے
رث کو بھی بیٹا بنا کر رکھا تھا...... میں آپ کے احسانات کو زندگی بھر یاد رکھوں گا۔"

اس نے عصمت کی تصویر کو دیکھا۔ اس تصویر کے لبوں پر ممتا بھری مسکراہٹ

"امی!...... میری پیاری امی! مجھے نہیں معلوم تھا کہ میں ایک گود سے بھٹک کر
ری گود میں آگیا تھا...... مجھے معاف کر دیجئے۔ آج میں آپ کی گود سے بھی بھٹک کر جا
وں۔ ہو سکے تو مجھے آوارہ سمجھ کر بھول جایئے!"

یہ کہتا ہوا وہ تیزی سے پلٹا اور ڈرائنگ روم سے نکلتا چلا گیا۔

ڈائننگ روم میں توش اور آملیٹ کی پلیٹ یونہی رکھی ہوئی تھی۔ اس کے قریب

ایک لیٹرپیڈ تھا۔ جس پر عصمت کے نام ارمان نے ایک خط لکھا تھا اور اس کے قریب پرنسپل کا خط پڑا ہوا تھا جو لفظوں کی زبان سے ارمان کی بے گناہی کی قسم کھا رہا تھا۔

روشن نے آگے بڑھ کر اس گونگی قسم کو اٹھایا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے بکھیر دیا۔

پھر اس نے لیٹرپیڈ کی طرف دیکھا۔ ارمان کی تحریر پر نظر پڑتے ہی اس نے ایک جھپٹا مارا۔ جیسے گدھ' لاش کو نوچ کر چلا جاتا ہے۔ اسی طرح وہ صفحہ کو نوچ کر مٹھی میں بھینچتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

آرزو اپنے کمرے سے تھرمامیٹر لے کر آ رہی تھی۔ لیکن افضل کے کمرے میں خل ہونے سے پہلے ہی اس کے قدم رک گئے۔

روشن آیا ہوا تھا...... اور شاید آتے ہی اس نے افضل اور عصمت کے سامنے ان کی شکایتیں شروع کر دی تھیں۔

افضل حیرت سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔

اس نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے پوچھا۔ "لیکن وہ گھر چھوڑ کر کیوں چلا یا؟"

عصمت نے پریشان ہو کر روشن کو دیکھا۔ اگر اسے معلوم ہوتا کہ وہ آتے ہی ان کا ذکر لے بیٹھے گا تو وہ کسی طرح اس ذکر سے اسے روک دیتی۔ کیونکہ وہ نہیں تی تھی کہ بیٹے کی آوارگی کی داستان افضل تک پہنچے۔ حالانکہ وہ اس کا سگا بھائی تھا۔ پھر ادہ اپنے بیٹے کا عیب چھپانا چاہتی تھی۔

"یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ گھر چھوڑ کر کیوں چلا گیا ہے۔ میں نے دو دن تک اس واپسی کا انتظار کیا۔ تیسرے دن یہاں چلا آیا کہ آپ لوگوں کو اس کی عدم موجودگی سے ر کردوں۔"

"لیکن......!" افضل نے کہا...... "دو دن تک گھر نہ آنے کا یہ مطلب نہیں ہوتا وہ گھر چھوڑ کر چلا گیا ہے۔"

آرزو سر جھکائے کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔

روشن نے اسے دیکھا اور جیسے اسے سنانے کے لیے کہا۔ "وہ جاتے وقت اپنی بک اور پاسپورٹ بھی لے گیا ہے بھلا یہ چیزیں ساتھ لے جانے کی کیا ضرورت

تھی؟"

آرزو کا دل ڈوبنے لگا...... وہ پاسپورٹ لے گیا ہے...... کیا وہ ملک سے باہر جائے گا۔

جاتا ہے تو چلا جائے...... وہ کیوں اس کے متعلق سوچ رہی ہے...... سوچ کا کون رشتہ رہ گیا ہے اس کے ساتھ؟

اپنا دھیان بٹانے کے لیے وہ افضل کے قریب آ گئی اور تھرمامیٹر کو اس کے منہ رکھ دیا۔

روشن اپنے امی سے کہہ رہا تھا۔ "امی!...... اگر ارمان واقعی چلا گیا ہے تو میں الجھن میں پڑ جاؤں گا۔"

عصمت بیٹے کی جدائی سے اندر ہی اندر تڑپ رہی تھی۔ اس نے زبان سے کچھ کہا۔

صرف سر اٹھا کر روشن کو سوالیہ نظروں سے دیکھا جیسے کہہ رہی ہو۔ "تمہیں خوش ہونا چاہئے...... پھر الجھن کیسی؟"

"آپ نے حکم دیا تھا امی! کہ میں ایک ہفتہ کے اندر اندر ارمان کے اکاؤنٹ بیس لاکھ روپے جمع کروا دوں۔ تاکہ وہ کوئی نیا کاروبار کرے...... لیکن مجھ سے ایک غا ہو گئی ہے۔ میں نے براہ راست بینک میں رقم جمع نہیں کرائی۔ ایک بھائی کی حیثیت اس پر بھروسہ کرتے ہوئے نقد رقم اس کے ہاتھوں میں دے دی تھی۔"

عصمت نے اسے غیر یقینی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر تم نے رقم دی ارمان نے ضرور اسے اکاؤنٹ میں جمع کرایا ہو گا۔"

"اسی بات کی تو پریشانی ہے امی! میں نے معلوم کیا ہے۔ وہ بیس لاکھ روپے تک بینک میں جمع نہیں ہوئے ہیں۔"

عصمت خالی خالی نظروں سے اسے تکتی رہ گئی...... پرنسپل کے سامنے ٹھوس ثبو کی موجودگی میں اس نے ارمان کی آوارگی کو تسلیم کر لیا تھا۔ لیکن دل اس بات پر نہیں تھا کہ اسے چور بھی تسلیم کر لیا جائے۔

آرزو تھرمامیٹر کو روشنی کے رخ پر رکھ کر ریڈنگ کر رہی تھی۔ آنکھیں ریڈنگ

تھیں لیکن ذہن روشن کے لگائے ہوئے الزام پر تلملا رہا تھا۔ اس نے یقین نہ کرتے بھی یہ یقین کرایا تھا کہ ارمان چوری چھپے شاہدہ سے ملنے گیا ہو گا۔ لیکن اس بات کا نہیں تھا کہ وہ کھل کر اتنی بڑی رقم کو غبن کرے گا اور اسی طرح خود کو چور ثابت ے گا۔

"یہ میں کیا سن رہا ہوں......؟" افضل نے کہا...... "ارمان تو بہت ہی نیک لڑکا پہلے کبھی اس نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی تھی۔ پھر وہ اتنی بڑی رقم لے کر کہاں جا ہے؟"

"وہ کہیں بھی گیا ہے لیکن امی کے اعتماد کو ٹھیس پہنچا کر گیا ہے۔ امی میرے مینجر ایک ایک پائی کا حساب لیتی ہیں اور ایک ایک پائی کی رسید دیکھتی ہیں۔ لیکن اس میری پوزیشن یہ ہے کہ میں بیس لاکھ کی رسید نہیں پیش کر سکتا...... اب امی کے ے رسید کا نہیں۔ بلکہ اعتماد کا سوال ہے کہ وہ کس بیٹے پر اعتماد کریں گی...... مجھ پر کہ نے رقم دی ہے یا اس پر کہ اسے رقم دی نہیں گئی۔

انکل ابھی آپ نے کہا ہے کہ ارمان نیک لڑکا ہے۔ میرے متعلق بھی کہہ دیجئے ں کس قسم کا لڑکا ہوں؟ تاکہ امی کو فیصلہ کرنے میں آسانی ہو......"

اتنا کہہ کر وہ کمرے سے چلا گیا۔ افضل اسے حیرت سے دیکھتا رہ گیا۔ اس نے ا کو نیک کہا تھا تو اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ روشن کو برا کہہ رہا ہے۔ لیکن ا بات کو کہیں سے کہیں پہنچا گیا تھا۔"

"عصمت! روشن برا مان گیا ہے۔ واقعی مجھ سے غلطی ہوئی ہے۔ میں نے ارمان کو کہہ کر روشن کے لیے شبہ کی گنجائش چھوڑ دی ہے۔ لیکن بخدا میں اسے بھی برا سمجھتا۔"

"آپ اس کی باتوں کا اثر نہ لیں بھائی جان! وہ تو بس یونہی بول جاتا ہے۔ بات کی ی کو سمجھتا نہیں ہے۔"

افضل نے سر جھکائے کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ عصمت بھی بظاہر باتیں کر تھی۔ لیکن اس کا سارا دھیان ارمان کی طرف تھا...... وہ اچھا تھا یا برا تھا۔ جیسا بھی ن گھر چھوڑ کر کیوں چلا گیا...... کیا اس کے دل میں ماں کی محبت نہیں ہے یا...... یا پھر

واقعی اس نے بیس لاکھ روپے کو ماں کی محبت پر ترجیح دی ہے۔

بیس لاکھ روپے...... آرزو سوچ رہی تھی کہ شاہدہ جیسی ناچنے والی کو خریدنے
لیے یہ رقم کافی ہے...... دل نہیں مانتا' پر حالات یہی کہتے ہیں۔ اس کے گھر چھوڑ کر
جانے اور اتنی بڑی رقم غائب ہو جانے کا کوئی سبب ضرور ہے۔

وہ خاموشی سے آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کمرے سے باہر جانے لگی۔

اسی وقت افضل نے سر اٹھا کر عصمت سے کہا۔ "ایک بات بتاؤ عصمت!......
سے پہلے ارمان سے کوئی لغزش ہوئی ہے۔ جس کی وجہ سے تم اس پر شبہ کر سکو؟"

"آں...... نہیں تو!......" عصمت نے حقیقت کو چھپانے کی کوشش کی...... "بھلا
لغزش ہو سکتی ہے؟"

"اگر پہلے کبھی لغزش نہیں ہوئی تو پھر تم نے کیسے تسلیم کر لیا کہ وہ رقم لے
ہے؟"

"میں نے کب تسلیم کیا ہے؟"

"تمہاری خاموشی کا مطلب تو یہی سمجھ میں آتا ہے۔ ورنہ بیٹے پر الزام لگے اور
خاموش رہے' یہ ناممکن ہے۔"

عصمت جواب نہ دے سکی۔ خاموشی سے اپنے ہونٹ چبانے لگی۔ آرزو کر
سے باہر آ کر دروازے کی آڑ میں کھڑی ہو گئی تھی۔ ارمان سے اس کا کوئی واسطہ نہیں
لیکن اس کا ذکر اب بھی اتنا ہی عزیز تھا کہ قدم خود بخود رک جاتے تھے۔

عصمت کی خاموشی دیکھ کر افضل نے کہا۔ "تم مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو۔ اگر کو
ایسی بات ہے جو اپنے سگے بھائی کو بھی نہ بتائی جا سکتی ہو تو میں تمہیں مجبور نہیں کرو
گا۔"

عصمت کشمکش کی حالت میں منہ چھپا کر رونے لگی۔ عورت جب آنسو نہیں روک
سکتی تو دل میں چھپی ہوئی بات کو بھی نہیں دبا سکتی...... افضل کے سامنے ارمان پر ایک
الزام عائد ہو چکا تھا۔ پھر دوسرا الزام کب تک چھپا رہتا۔

اس نے آنسوؤں اور سسکیوں کے درمیان بتا ہی دیا کہ ارمان ایک رقاصہ کی محبت
میں گمراہ ہو گیا ہے۔

افضل نے ساری داستان سننے کے بعد کہا۔ "لیکن تم نے یہ کیسے یقین کر لیا کہ وہ
راہ ہو گیا ہے؟"

"تمام ثبوت اس کے خلاف ہیں۔ پرنسپل نے بھی یہی کہا ہے۔"

افضل نے بڑے ہی ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔ "شاید تم بھول چکی ہو کہ لوگوں
ے مجھے اسی طرح بدنام کیا تھا۔ میرے خلاف بھی ثبوت پیش کیے گئے تھے کہ میں ایک
ائف کی محبت میں گرفتار ہو گیا ہوں۔"

آرزو نے تیزی سے پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھا۔ اس کے ڈیڈی...... کو بھی
وں نے اسی طرح بدنام کیا تھا؟...... وہ بڑے تعجب سے ان کی باتیں سننے لگی۔

اس کے ڈیڈی کہہ رہے تھے۔ "تم بھول گئیں عصمت! کہ اسی بدنامی سے گھبرا کر
ں نے بھی گھر چھوڑ دیا تھا۔ میں نہیں جانتا کہ ارمان کس حد تک معصوم ہے لیکن میں
پنے سینے پر ایک ایسا ہی زخم کھا چکا ہوں۔ میرا زخمی دل کہتا ہے کہ ارمان کے ساتھ بھی
زیادتی ہو رہی ہے۔"

"لیکن بھائی جان!...... اس کے خلاف جو ثبوت پائے گئے ہیں۔ انہیں کیسے جھٹلایا جا
تا ہے؟"

"تم ثبوت کی باتیں کرتی ہو اور میں ذاتی تجربہ کی بات کر رہا ہوں...... میرا تجربہ یہی
تا ہے کہ کبھی کبھی آنکھوں سے دیکھی ہوئی حقیقت اور کانوں سے سنی ہوئی سچائی بھی
وٹ ثابت ہوتی ہے......"

"چھن......!"

آرزو کے ہاتھ سے تھرمامیٹر گر کر ٹوٹ گیا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر فرش پر بکھر
لیا۔

وہ اوپری برآمدے پر دوڑتی ہوئی اپنے کمرے میں آئی۔ افضل کی آواز اس کے
انوں میں گونج رہی تھی۔

"کبھی کبھی آنکھوں سے دیکھی ہوئی حقیقت اور کانوں سے سنی ہوئی سچائی بھی
وٹ ثابت ہوتی ہے......"

اس نے کانوں پر دونوں ہاتھ رکھ لیے...... پھر دوڑتی ہوئی آ کر بستر پر اوندھے منہ

گر پڑی۔

آج اسے معلوم ہوا کہ اس کے ڈیڈی اسے لے کر خاندان والوں سے دور کیوں چلے گئے تھے۔ اس لیے کہ ارمان کی طرح انہیں بھی بدنام کیا گیا تھا۔

آج اسے معلوم ہوا...... کہ اس کی ماں کس طرح گھل گھل کر مر گئی تھی...... اسی طرح...... جس طرح وہ ارمان کو بے وفا سمجھ کر گھل رہی تھی۔

وقت اپنے آپ کو اسی طرح دہراتا ہے۔ گذری ہوئی کہانی کو پھر نئے انداز میں پیش کرتا ہے۔ کردار وہی ہوتے ہیں' صرف اپنے چہرے بدل کر آتے ہیں۔ کبھی افضل کے روپ میں اور کبھی ارمان کے روپ میں۔ زندگی کا المیہ اسی طرح کروٹیں بدلتا ہے۔ کبھی آرزو کی ماں اپنے خاوند کو بے وفا سمجھ کر جان دے دیتی ہے۔ کبھی آرزو اپنے محبوب کو ہرجائی سمجھ کر سلگتی رہتی ہے۔

وقت ایک بہت بڑا داستان گو ہے اور اسے ایک ہی بات کو مختلف انداز میں سنانے کا سلیقہ آتا ہے جو لوگ اس داستان کو نہیں سنتے۔ وقت انہیں مصلحت کے کوڑے مارتا ہے کہ سنو! اور عبرت حاصل کرو۔ اگر نہیں سنو گے تو جو تمہارے ساتھ ہو چکا ہے۔ وہی تمہاری اولاد کے ساتھ بھی پیش آئے گا۔

پیش آ رہا تھا۔ آرزو بستر پر پڑی' منہ اوندھائے رو رہی تھی۔

گھر کے تمام افراد افضل کے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔

یہ مسئلہ زیر بحث تھا کہ ارمان کو تلاش کیا جائے اور واپس بلایا جائے یا نہیں...... دانش مندی تو یہی تھی کہ اسے تلاش کیا جائے۔ کیونکہ بدن کا کوئی حصہ خراب ہو جائے تو اس کا علاج کرایا جاتا ہے۔ حتیٰ الامکان یہی کوشش ہوتی ہے کہ اسے کاٹ کر نہ پھینکا جائے۔

گھر کا کوئی فرد گمراہ ہو جائے تو پھر بھی اصلاح طلب ہوتا ہے...... لیکن ارمان کے سلسلے میں ہر کوئی اپنی اپنی نفرت اور محبت کے جذبوں سے مجبور ہو کر سوچ رہا تھا اور زیر بحث مسئلہ کا حل تلاش کر رہا تھا۔

روشن نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "ارمان کا واپس آنا یا نہ آنا میرے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اول تو وہ اتنی بڑی رقم ہتھیانے کے بعد واپس نہیں آئے گا اور اگر آئے گا بھی تو اپنے جرم کا اقرار نہیں کرے گا۔"

"اگر وہ مجرم ہے تو اسے اقرار کرنا ہی پڑے گا......" افضل نے کہا۔

"آپ اسے نہیں جانتے انکل......!" روشن نے کہا...... "شاہدہ کے متعلق بھی وہ انجان بنا رہا تھا...... وہ تو اتفاق سے کوٹ اور رقعہ ثبوت کے طور پر مل گیا تھا۔ ورنہ ہم اسے معصوم ہی سمجھتے رہتے...... لیکن اس کی ضد کی انتہا تو یہ ہے کہ ان ثبوت کی موجودگی میں بھی اس نے اپنے جرم کا اقرار نہیں کیا...... اب آپ ہی بتائیے کہ رقم کے سلسلے میں کیسے وہ اپنے جرم کا اقرار کرے گا؟؟"

"ہوں......!" افضل نے عصمت کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ "عصمت!...... تمہارا کیا خیال ہے؟؟"

"میں کیا بتاؤں بھائی جان! کہ میرے دل پر کیا گذر رہی ہے۔ وہ جیسا بھی ہے،
بیٹا ہے' اس کے بغیر میری نیند ادھوری ہے۔ میری خوشیاں نامکمل ہیں۔ میں سچ کہتی ہو
بھائی جان کہ وہ جب تک واپس نہیں آئے گا۔ میرے گھر میں اس وقت تک کی
عید' برات کی خوشیاں نہیں منائی جائیں گی...... لیکن میں چاہتی ہوں کہ وہ خود ہی واپ
آئے...... میں اسے نہ بلاؤں...... یہ سوچ کر میری ممتا کو ٹھیس پہنچتی ہے کہ وہ بیس لا
روپے کی خاطر مجھے چھوڑ کر چلا گیا ہے۔"

آرزو نے چونک کر عصمت کو دیکھا...... کیا آنٹی کو یقین ہو گیا ہے کہ ارمان ا
بڑی رقم لے گیا ہے؟

لیکن وہ زبان کھول کر پوچھ نہ سکی۔ سوچتی ہی رہ گئی۔

البتہ افضل نے کہا۔ "لیکن یہ ابھی کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ وہ روپے لے گ
ہے؟"

پھر اس کے جانے کی وجہ کیا ہے؟"...... عصمت نے کہا۔

"میں نے اسے گھر چھوڑنے کو نہیں کہا تھا۔ ٹھیک ہے اس نے غلطی کی تھی لیک
مائیں اپنے بچوں کے عیب چھپا لیا کرتی ہیں۔ میں نے کب کہا تھا کہ وہ اپنے عیب کی و
سے اپنا گھر چھوڑ دے۔ میں نے اسے گالی نہیں دی تھی۔ اسے مارا نہیں تھا۔ صرف
ناراضگی کا اظہار کیا تھا...... وہ میری ذرا سی ناراضگی پر مجھے چھوڑ کر چلا جائے گا...... نہی
بھائی جان!...... گھر سے نکل کر وہ ثابت کر چکا ہے کہ بیس لاکھ کی رقم اس کے ساتھ ہے
بلا سے ماں کا ساتھ نہ ہو......" یہ کہتے ہوئے عصمت کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"بھائی جان!...... اولاد کے سامنے بیس لاکھ کی کیا اہمیت ہے اور پھر یہ روپے تو ا
کے تھے۔ اگر وہ لے گیا ہے تو لے جائے۔ مجھے اس کا ملال نہیں ہے...... لیکن اسے واپ
بلانے کی بات نہ کریں۔ وہ خود ہی چل کر میرے پاس نہیں آئے گا تو میں اس کی صورت
بھی نہیں دیکھوں گی۔"

"ہوم......!" افضل نے کہا...... "تمہارے اور روشن کے خیالات کا پتہ چل گ
ہے۔ لیکن پھر بھی میں کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکا...... ہاں' ابھی ایک فرد باقی ہے
آرزو......!"

آرزو نے گھبرا کر اپنے ڈیڈی کو دیکھا۔

"تمہارا کیا خیال ہے......؟" اس کے ڈیڈی نے پوچھا۔

وہ اپنے خیالات کا اظہار کیسے کرتی......؟ وہ بھی ارمان کے متعلق......؟ وہ تو یہاں
وں کی باتیں سننے کے لیے کھڑی ہوئی تھی...... اسے کیا معلوم تھا کہ اسے بھی اس بحث
شامل کر لیا جائے گا......

اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "مم...... میں کیا کہہ سکتی ہوں؟"

"بہت کچھ کہہ سکتی ہو۔ تم اتنے دنوں آنٹی کے ہاں رہ کر آئی ہو۔ میں دیکھنا چاہتا
ں کہ میری تعلیم یافتہ بیٹی نے اس ماحول کو اور اس ماحول کے افراد کو کس حد تک سمجھا
اور پرکھا ہے۔"

افضل کی بات سن کر عصمت اور روشن بھی اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔
مت جانتی تھی کہ یہ لڑکی ارمان کے لیے کیسے جذبات رکھتی ہے اور ان دنوں محبت اور
ت کی کشمکش سے گزر رہی ہے...... اب دیکھنا یہ تھا...... کہ وہ باپ کے سوال کا کیا
اب دیتی ہے۔ اس کے جواب سے ہی دل میں چھپی محبت یا نفرت کھل کر سامنے آ سکتی
ی۔

آرزو نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ اس کے سامنے عصمت کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ
ہستہ آہستہ چلتی ہوئی عصمت کے پیچھے چلی آئی۔ اس کے روبرو کچھ کہتے ہوئے جھجک سی
وس ہو رہی تھی۔

لیکن اس کی زبان نے پھر بھی ساتھ نہ دیا۔ کیونکہ ذرا فاصلہ پر روشن کھڑا ہوا اسے
ری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

وہ سر جھکا کر آگے بڑھ گئی...... روشن کے قریب سے گزر گئی...... اور آگے بڑھ کر
روازے کی چوکھٹ کو سہارے کے لیے تھام لیا۔

اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ جیسے ساری دنیا سے چھپ کر کچھ کہنا چاہتی ہو۔

"ڈیڈی!" اس نے دھڑکتے ہوئے دل سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"کبھی کبھی آنکھوں سے دیکھی ہوئی حقیقت اور کانوں سے سنی ہوئی سچائی جھوٹ
ابت ہوتی ہے...... آپ اپنے تجربہ کی روشنی میں فیصلہ کریں......" یہ کہہ کر وہ رکی نہیں'

تیزی سے چوکھٹ پار کر کے چلی گئی۔

افضل ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا...... پچھلی رات کو یہ بات اس نے عصمت سے کہی تھی۔ آج سے بیس سال پہلے یہی بات اس نے آرزو کی ماں سے بھی کہی تھی...... اور آج یہی بات بیٹی کی زبان سے ادا ہوئی تھی۔

"فیصلہ ہو گیا عصمت!...... تم نہ بلاؤ لیکن میں ارمان کو بلاؤں گا اور اپنے طور پر سچائی کو پرکھنے کی کوشش کروں گا۔"

عصمت نے سر جھکا لیا لیکن روشن......؟ وہ تو دانت پیس رہا تھا اور افضل کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

روشن ساری رات سو نہ سکا۔

اس نے جو دو طرفہ چال چلی تھی۔ اس میں کچھ خامی رہ گئی تھی۔ اس نے باپ کی ساری جائیداد پر قابض ہونے کے لیے ارمان کو یہ احساس دلایا تھا کہ وہ لاوارث ہے اور اس گھر کی کسی چیز پر اس کا کوئی حق نہیں ہے۔ حتیٰ کہ وہ ماں سے اس کی ممتا بھی نہیں مانگ سکتا۔ ورنہ وہ خود اپنی سگی ماں کو چھوڑ کر چلا جائے گا۔

ارمان یہ کیسے گوارا کر سکتا تھا کہ اس کی وجہ سے ایک بیٹا اپنی سگی ماں سے دور ہو جائے۔ اس لیے وہ خود ہی گھر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔

ارمان کا کانٹا اس کے گھر سے نکل گیا تھا لیکن افضل کے گھر میں یہ کانٹا کھٹک رہا تھا۔ وہ آرزو سے شادی کر کے افضل کی جائیداد پر بھی ہاتھ صاف کرنا چاہتا تھا۔ اور اس کے لیے ضروری تھا کہ افضل بھی ارمان سے بدظن ہو جائے...... اس لیے یہاں آ کر اس نے ارمان پر نیا الزام عائد کیا تھا کہ وہ بیس لاکھ روپے لے کر چلا گیا ہے۔

چال بڑی گہری تھی اور دیرپا تھی۔ ادھر ارمان کبھی ماں سے ملنے نہیں آتا۔ ادھر ماں یہ سمجھتی رہتی کہ چوری کرنے کے بعد وہ ماں کا سامنا نہیں کر سکتا ہے...... یہ چال بڑی حد تک کامیاب ہو گئی تھی۔

روشن کی مرضی کے مطابق عصمت نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ ارمان سے نہیں ملے گی۔ جب تک کہ وہ خود نہیں آئے گا۔

اور روشن اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ خود کبھی نہیں آئے گا لیکن افضل کا فیصلہ سن

روشن کی نیند اڑ گئی تھی۔ افضل اسے بلا کر اپنے طور پر معاملے کی تحقیقات کرنا چاہتا تھا...... اور وہ کسی صورت میں بھی یہ نہیں چاہتا تھا کہ ارمان، افضل اور آرزو سے ملے...... انہوں نے ارمان کو تلاش کرنے کے لیے جو پروگرام بنایا تھا۔ اس کے مطابق وہ اسے ضرور ڈھونڈ نکالتے۔

پروگرام یہ تھا کہ آج سے ٹھیک پانچویں دن آرزو کو شاداب نگر اپنی ڈیوٹی کا چارج لینا تھا۔ افضل بھی بیٹی کے ساتھ وہیں رہائش اختیار کرنا چاہتا تھا اور اسی رہائش کے پتہ پر اخبارات کے ذریعہ ارمان کو یہ پیغام دینا چاہتا تھا۔

"ارمان...... تمہارے انکل افضل حسین سخت بیمار ہیں اور شاداب نگر کے ہسپتال میں اپنا آخری وقت گزار رہے ہیں۔ ان کی تمنا ہے کہ ایک بار آ کر ضرور ان سے ملاقات کرو۔"

پیغام ابھی اخبارات میں بھیجا نہیں گیا تھا...... شاداب نگر جانے سے ایک دن پہلے سے شائع کرانے کا پروگرام تھا۔ یہ پیغام اس قدر اثر انگیز تھا کہ ارمان اسے پڑھنے کے بعد متاثر ہو کر ضرور ملنے جاتا...... اور اگر نہ پڑھتا تو بھی اس کے ملنے کے امکانات تھے۔

کیونکہ قدرت روشن کے خلاف حرکت میں آ گئی تھی۔ ادھر سے آرزو ڈاکٹر بن کر شاداب نگر جا رہی تھی اور ادھر سے...... (روشن کو یقین تھا کہ) ارمان بے گھر ہو کر اپنے دوست ٹامی کے ہاں ضرور پہنچا ہو گا...... اگر نہ بھی پہنچا ہو تو ایک نہ ایک دن وہ ٹامی سے ملنے شاداب نگر ضرور جائے گا۔

روشن سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ شکست تسلیم کر چکا ہے...... شطرنج کے کھیل میں کبھی کبھی چال رک جاتی ہے...... لیکن بازی ختم نہیں ہوتی۔ کہیں نہ کہیں سے کوئی نہ کوئی مہرہ آگے بڑھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ بس ذرا ذہانت کی ضرورت ہوتی ہے۔

نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی اور وہ اس لمبی اور اکتا دینے والی رات کی خاموشی میں سر تھامے بیٹھا تھا۔ اور شطرنج کی بساط پر کوئی جان دار مہرہ تلاش کر رہا تھا۔

سوچتے سوچتے اس نے ایک مہرہ پر ہاتھ رکھا۔ "ٹامی......"

آرزو جس روز شاداب نگر پہنچی' اسی روز اخبارات میں افضل کا پیغام چھپ کر آ گیا تھا...... ارمان کے نام پیغام یہی تھا کہ افضل سخت بیمار ہے اور اس سے آخری بار ملنے کی تمنا کر رہا ہے۔

آرزو کے چہرے سے اداسی ڈھل گئی تھی اور اس کی جگہ ایک اعتماد بھری مسکراہٹ آ گئی تھی کہ ارمان ضرور آئے گا...... ضرور آئے گا۔"

"اچھا ہے آنے دو...... میں تو بات نہیں کروں گی۔ ان سے روٹھی رہوں گی...... میں بھلا کیوں ظاہر کروں کہ مجھے بھی ان کا انتظار رہا ہے...... سنگدل کہیں کے......! اتنا بھی نہیں جانتے کہ محبت میں ناراضگی ہوتی ہے' عداوت نہیں ہوتی...... پھر وہ مجھے چھوڑ کر کیوں چلے گئے...... اب آ کر منائیں گے تو میں خوب لڑوں گی...... خوب روؤں گی...... ان کے سینے پر سر رکھ کر......"

اس کے دل میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ ارمان سے لڑنے' جھگڑنے کی تدبیریں بھی تھیں اور اس سے روٹھ جانے اور پھر مان جانے کی آرزوئیں بھی...... ہر آرزو اس کے چہرے پر ایک نئی چمک اور تازگی پیدا کر رہی تھی۔

روشن اس کے چہرے کی تازگی کو دیکھ رہا تھا اور سمجھ رہا تھا کہ اس کے دل میں کس کے نام سے بہار آئی ہے۔

وہ آرزو اور افضل کے ساتھ شاداب نگر آیا تھا۔ بہانہ تو یہی تھا کہ شاداب نگر ان کے لیے نئی جگہ ہے۔ اس لیے وہ انہیں یہاں تک پہنچا کر چلا جائے گا۔ لیکن وہ شطرنج کی بساط پر چلتا ہوا ایک مہرے کے پاس آیا۔

"ثامی......!"

ثامی ایک مہرہ تھا' جسے ہٹا کر شاداب نگر سے دور لے جانا تھا۔ تاکہ ارمان یہاں اس سے ملنے کے لیے نہ آئے۔

شاہدہ......!

شاہدہ دوسرا مہرہ تھی۔ ارمان اگر اخبارات کا پیغام پڑھ کر یہاں آئے گا تو شاہدہ اس کا ستہ کاٹے گی۔

وہ پہلے ثامی کے ہاں گیا۔ اس وقت شام کا اندھیرا پھیل رہا تھا۔ ثامی کہیں باہر سے ا...... اور سر سے پاؤں تک گرد سے اٹا ہوا تھا۔ روشن کو دیکھ کر وہ تعجب سے کھڑا ہو

"آپ......! آیئے!" اس نے چارپائی پر ایک دھلی ہوئی چادر بچھا دی۔

"ارمان کہاں ہے؟" روشن نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"ارمان......! اس نے حیرت سے کہا...... وہ تو یہاں نہیں ہے۔"

روشن کو ایک گونہ اطمینان سا ہوا کہ ارمان نے اب تک یہاں کا رخ نہیں کیا

"کیا آپ ارمان کو تلاش کرنے یہاں آئے ہیں......؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں...... تقریباً دس روز ہو گئے ہیں۔ وہ گھر نہیں آیا ہے۔ میں نے سوچا شاید ے پاس آیا ہو۔"

"دس روز سے وہ لاپتہ ہے!...... کیوں؟...... پرنسپل صاحب نے تو اس کی صفائی میں و ایک خط لکھا تھا۔ پھر گھر واپس نہ جانے کی وجہ کیا ہے؟"

روشن نے لاعلمی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے کیا معلوم کہ کیا چکر ہے؟"

"تعجب ہے!"...... ثامی نے سوچتے ہوئے کہا...... "اگر وہ گھر نہیں گیا ہے تو اسے پاس ضرور آنا چاہیئے تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ تمہارے پاس بھی نہیں آئے گا؟"

"نہیں...... وہ ضرور آئے گا......" ثامی نے پورے یقین سے کہا...... "مجھے اپنے پر اعتماد ہے' وہ زیادہ عرصہ تک مجھ سے دور نہیں رہ سکتا۔"

روشن نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔ جیسے اس کی باتوں کو دل ہی دل میں تول

رہا ہو۔ اس کا بھی یہی خیال تھا کہ ارمان ضرور یہاں آئے گا اور اگر نہ بھی آئے، تب بھ
ثامی کا یہاں رہنا مناسب نہیں تھا۔ یہاں رہ کر وہ آرزو سے مل سکتا تھا اور شاہدہ کے سلسلے
میں اس کی غلط فہمی دور کر سکتا تھا۔

اس نے ثامی کو سر سے پیر تک دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "یہ تم نے کیا حالت بنار کھی
ہے؟ معلوم ہوتا ہے گرد و غبار میں لوٹ پوٹ کر آئے ہو؟"

"لوٹ پوٹ کر نہیں...... محنت کر کے آ رہا ہوں......" اس نے کہا...... "یہا
پہاڑیوں کو کاٹ کر ایک نیا راستہ بنایا جا رہا ہے۔ میں وہیں کام کرتا ہوں۔"

"کیا کام کرتے ہوئے؟"

"چٹانوں کو ڈائنامائٹ سے اڑاتا ہوں۔"

"یہ تو بہت خطرناک کام ہے......" روشن نے اسے خطرے کا احساس دلایا۔

"خطرے سے کھیلے بغیر روٹی نہیں ملتی۔"

"نہیں، تم ارمان کے دوست ہو۔ میں تمہیں اتنی خطرناک ملازمت نہیں کر
دوں گا۔ تم میرے ساتھ چلو!"

"کہاں......؟" اس نے تعجب سے پوچھا۔

"تم پڑھے لکھے آدمی ہو، تمہیں کوئی دفتری ملازمت کرنی چاہئے۔ مجھے ایک آ
انچارج کی ضرورت ہے۔ تم چل کر وہ کام سنبھال لو......"

ثامی حیرت زدہ رہ گیا کہ ڈھونڈو تو ملازمت نہیں ملتی اور یہاں گھر بیٹھے ملاز
پیش کی جا رہی ہے۔

اسے سوچتے دیکھ کر روشن نے پوچھا۔ "یہاں تمہیں کتنی تنخواہ ملتی ہے؟"

"دو ہزار روپے......!"

"بس......!" اس نے ہنستے ہوئے کہا...... "جانتے ہو میں تمہیں کتنی تنخواہ
گا؟...... پانچ ہزار!"

"پانچ ہزار......!" مارے حیرت کے ثامی کی سانس اوپر کی اوپر رہ گئی...... پھر وہ
آہستہ سانس چھوڑتا ہوا ڈھیلا پڑ گیا...... اور مایوسی سے سر کو جھکا لیا۔

"لیکن......!" اس نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا...... "میں یہ ملازمت

ر سکوں گا۔"

"کیوں......؟" روشن نے حیرت سے پوچھا۔

"میں شاداب نگر چھوڑ کر نہیں جا سکتا...... پتہ نہیں ارمان کس دن یہاں آ
ئے۔"

"بیوقوف نہ بنو!"...... روشن نے جھلا کر کہا...... "دوست سے ملنا ہے تو کہیں بھی
قات ہو سکتی ہے۔ لیکن پانچ ہزار روپے کی ملازمت تمہیں کہیں نہیں ملے گی۔"

ثامی نے مستقل مزاجی سے مسکراتے ہوئے کہا۔ "جب دو ہزار روپے کی ملازمت
کے میں یہاں اس کا انتظار کر سکتا ہوں تو کیا ضرورت ہے کہ پانچ ہزار روپے کے لالچ
اس سے دور چلا جاؤں۔"

روشن نے سختی سے ہونٹوں کو بھینچ کر اسے دیکھا پھر جیسے پھٹ پڑا۔ "تم اول
جے کے احمق ہو۔"

"ارمان بھی یہی کہتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ محبت سے کہتا ہے اور آپ
سے کہہ رہے ہیں۔ لیکن مجھے حماقتیں کرنے ہی میں مزہ آتا ہے۔

پہلے میں ڈیوٹی پر جاتے وقت گھر میں تالا لگا کر جایا کرتا تھا...... لیکن اسے میری
ت سمجھئے کہ آج سے اس دروازے کے دونوں پٹ کھلے رہیں گے...... دن اور
ت...... میری موجودگی اور عدم موجودگی میں کبھی تالا نہیں لگے گا۔ تاکہ ارمان آئے تو
ا سے واپس نہ جائے۔

اسے میری حماقت سمجھئے کہ آج سے ہر رات میرے گھر کا ایک نہ ایک چراغ
ر جلتا رہے گا۔ تاکہ اندھیرا دیکھ کر وہ میرے دروازے سے بھٹک نہ جائے۔

ارمان گھر سے نکل کر بھٹک گیا ہے لیکن میں آپ کے ساتھ اس گھر سے نکل کر
نہیں چاہتا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں یہ ملازمت نہیں کر سکوں گا۔"

روشن جھنجلا کر کھڑا ہو گیا۔ "میں نے تمہیں غریب سمجھ کر پانچ ہزار کی ملازمت
گی۔ اگر دوستی میں اندھے بن گئے ہو تو میری طرف سے جہنم میں جاؤ۔"

"آپ جہنم کی بات کہہ رہے ہیں۔ ارمان کے بغیر تو میں جنت میں بھی نہیں جاؤں

روشن نے اسے غصہ سے تلملاتے ہوئے دیکھا...... کچھ کہنا چاہا لیکن غصہ کی شدت سے کہہ نہ سکا اور جھنجلاتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

باہر اندھیرا پھیل رہا تھا۔ شاداب نگر ایک چھوٹی سی بستی تھی۔ اندھیرا ہوتے ہی لوگ اپنے گھروں اور اپنے محلے تک محدود ہو جاتے تھے۔

روشن اپنی ناکامی پر پیچ و تاب کھاتا ہوا نیم اندھیری گلیوں سے گزر رہا تھا۔ ٹا جیسے دو کوڑی کے آدمی نے اس کی پیشکش کو ٹھکرا کر اس کی توہین بھی کی تھی اور اس کے منصوبہ کو ناکام بھی بنایا تھا...... اب اس کے سامنے یہی صورت رہ گئی تھی کہ وہ بھی دا ایک روز کے لیے یہاں رک جائے۔ تاکہ ارمان یہاں آئے تو وہ خود ہی اس سے نمٹ لے۔

راستے کے کنارے پر پرانی طرز کے میونسپلٹی لیمپ اونگھ رہے تھے اور رات کی تاریکی کو دور کرنے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔ وہ لیمپ کی روشنیوں سے بچتا ہوا اندھیرے کا سہارا لیتا ہوا شاہدہ کی کوٹھی میں پہنچ گیا۔

شاہدہ کی راتوں میں لوگ اسی طرح چھپ کر آتے تھے۔ اب تو اس کی تمام راتوں کا سودا روشن نے کر لیا تھا۔

سودا دن کی روشنی میں ہوا تھا لیکن وہ رات کو اس لیے چھپ کر آیا تھا کہ کہیں کوئی دیکھ نہ لے۔ آرزو کو ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے پہلے ہی دن لوگوں نے اچھی طرح پہچان لیا تھا۔ آرزو کے ساتھ لوگوں نے اسے بھی دیکھا تھا...... اس لیے وہ چھپ کر شاہدہ کے پاس آیا تھا کہ کہیں کوئی دیکھ نہ لے اور بات آرزو تک نہ پہنچ جائے۔

شاہدہ کو معلوم ہو چکا تھا کہ آرزو ڈاکٹر بن کر آئی ہے۔ اس اطلاع کے ساتھ اس کا دل دھڑکنے لگا تھا کہ آرزو کے ساتھ شاید ارمان بھی آیا ہو گا۔ حالانکہ اس روز آ نے ارمان کے خلاف آرزو کی ناراضگی دیکھ لی تھی۔ لیکن پھر بھی ایک عورت کی حیثیت سے اس کا دل کہتا تھا کہ کوئی لڑکی اپنے محبوب سے زیادہ عرصہ تک ناراض نہیں رہ سکتی۔ ان کے درمیان یقیناً صلح ہو گئی ہو گی...... ملازم کی اطلاع بھی یہی تھی کہ لیڈی ڈاکٹر کے ساتھ ایک نوجوان بھی آیا ہے۔

اور وہ نوجوان...... شاہدہ کے دل نے کہا...... وہ نوجوان ارمان ہے۔

لیکن روشن کو دیکھ کر وہ مرجھا گئی۔

مرجھانا اس کے پیشے کے منافی تھا۔ ذرا دیر کے لیے وہ عورت بنی تھی...... لیکن ں عورت بننا' اس ماحول کی روایت کے خلاف تھا۔

ذرا دیر کے لیے اس نے کسی کی محبوبہ بن کر کسی کا تصور کیا تھا...... لیکن روشن کو ہ کر وہ ایک داشتہ کی طرح مسکرانے پر مجبور ہو گئی تھی۔

اس دنیا میں ہر ہستی اپنے اپنے ماحول کے آداب سے مجبور ہوتی ہے۔

روشن نے اس کے بیڈ روم میں داخل ہو کر کہا۔ "بڑی مشکلوں سے چھپ چھپا کر ں آیا ہوں...... یوں سمجھو کہ تمہارے لیے اپنی عزت ہتھیلی پر رکھ کر آیا ہوں۔"

شاہدہ نے برسوں کا سبق دہراتے ہوئے ایک ادا سے کہا۔ "جی ہاں!...... آپ تو ہی کہیں گے...... آپ کی بلا سے...... کوئی آپ کے لیے دن رات تڑپتا رہے۔"

روشن خود پرست واقع ہوا تھا۔ شاہدہ کے اس طرح اظہار پر وہ خوشی سے پھول گیا یہ لڑکی اس کے لیے دن رات تڑپتی رہتی ہے۔

اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں تڑپانا نہیں چاہتا لیکن کیا کروں...... زو یہاں آگئی ہے۔ اب میں تمہارے ہاں نہ آسکوں گا...... بہتر یہی ہے کہ تم ہفتہ میں ، آدھ بار لاہور آجایا کرو۔"

"ہاں...... پیاسا ہی کنوئیں کی طرف جاتا ہے۔ مجھے ہی آپ کے قدموں تک جانا ۔"

روشن نے ہنستے ہوئے سوئچ آف کر دیا۔ لمحہ بھر کے لیے کمرے میں مکمل تاریکی ئی۔ پھر دوسرا سوئچ آن ہوا اور ہلکی نیلی...... بہت ہی دھیمی سی روشنی کمرے کی کی سے الجھنے لگی۔

اس کے بازو والے کمرے میں شاہدہ کے ماں باپ بیٹھے ہوئے تاش کھیل رہے ۔ انہوں نے تاش کے پتوں سے ایک ذرا نظر اٹھا کر روشن دان کی طرف دیکھا تھا۔ ا اچانک تاریکی چھا گئی تھی۔ پھر دوسرے ہی لمحے روشندان سے ہلکی نیلی روشنی جھلکنے گی...... اس کے بعد وہ پھر مسکراتے ہوئے کھیل میں مصروف ہو گئے تھے۔

ان کے سامنے وہسکی کی ایک بوتل اور دو گلاس رکھے ہوئے تھے۔ اور وہ کھیل

کے دوران ہلکی ہلکی چسکی لیتے ہوئے ایک ایک پیگ کے حساب سے اپنی مزدور بیٹی کا خون پی رہے تھے۔

رات آہستہ آہستہ رینگتی رہی۔ پتے پھینٹے اور بانٹے جاتے رہے اور ایک دوسرے کو مات دیتے رہے...... وہسکی کی بوتل بھی خالی ہو رہی تھی اور نشہ ان کے ذہنوں پر تسلط جما رہا تھا۔

نیلی روشنی غائب ہو گئی۔ روشندان پھر روشن ہو گیا۔

اندھیرے کے بعد اچانک روشنی ہو جائے تو آنکھیں چندھیا جاتی ہیں...... شاہدہ کی آنکھیں بند تھیں...... بند آنکھوں کے پیچھے اس کے تصور میں کوئی اور تھا جو مجسم ہو کر اتنی دیر تک اس کے قریب رہا تھا...... وہ آنکھیں کھول کر روشن کو نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ روشن کو دیکھ کر اپنے تصور کے بت کو نہیں توڑنا چاہتی تھی۔

"جان من......!" روشن کی آواز ابھری۔

شاہدہ کی پیشانی پر ناگواری کی ہلکی سی شکن ابھری۔ پھر اس کے لبوں پر خاندانی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میں جا رہا ہوں۔ ورنہ انکل نے پوچھ لیا کہ رات بھر کہاں رہے تو جواب دینا مشکل ہو جائے گا۔"

شاہدہ نے دل میں کہا۔ "جاؤ۔ میری بلا سے......"

لیکن زبان سے میٹھے لہجے میں کہا۔ "ہائے اللہ!...... اتنی جلدی بھی کیا ہے؟"

روشن نے بھی اسے میٹھی نظروں سے دیکھا۔ "لاہور آ کر مجھے آنچل سے باندھ لینا...... مگر اب جانے دو۔"

"اچھا......!" اس نے اداسی کا اظہار کیا...... "جیسے آپ کی مرضی......"

"بھئی' یہ اداسی اچھی نہیں لگتی...... چلو اب مسکرا دو۔ وہاں آؤ گی تو شاندار قسم کی شاپنگ کراؤں گا...... ہاں' ویسے ایک بات بتاؤ...... ارمان سے پھر تمہاری ملاقات ہوئی تھی۔"

شاہدہ کے ہونٹوں سے "ہائے" نکلتے نکلتے رہ گئی...... "ہائے ظالم! کیسی ملاقات کا ذکر کر رہے ہو' وہ تو اس وقت بھی میری بند آنکھوں کے سامنے کھڑا ہے۔"

"نہیں......!" اس نے آہستگی سے جواب دیا۔

"یہ تم نے آنکھیں کیوں بند کر رکھی ہیں؟"

اس نے مجبوراً آنکھیں کھول دیں اور دل ہی دل میں کوستے ہوئے اور بظاہر تے ہوئے کہا۔ "آپ کو جاتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی۔"

روشن نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اتنی دیوانگی اچھی نہیں ہوتی...... شاہدہ! میں جانتا ہوں مجھ سے بے انتہا محبت کرتی ہو۔ لیکن اس کے باوجود میں تم سے ایک کام لینا چاہتا "

"کام......؟" شاہدہ نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

روشن نے اس سے نظریں ملاتے ہوئے کہا۔ "ارمان یہاں آنے والا ہے...... آج کسی دن بھی یہاں پہنچ سکتا ہے۔"

شاہدہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی...... ارمان یہاں آنے والا ہے...... وہ سیدھی ہو کر بھی کل...... بے چینی سے پہلو بدل کر روشن کی بات سننے لگی۔

میں چاہتا ہوں کہ وہ آرزو اور اس کے ڈیڈی تک نہ پہنچے...... اگر تم نے کسی طرح استہ کاٹ دیا تو میں تمہیں منہ مانگی رقم دوں گا۔"

"اچھا......!" شاہدہ نے کہا...... "آپ چاہتے ہیں کہ میں آرزو کے دل میں پھر کوئی پیدا کر دوں؟"

"ہاں......!"

"اوں ہونہہ......!" اس نے مسکرا کر کہا...... "اگر غلط فہمی پیدا کرتے کرتے ارمان یب آ گیا تو آپ ناراض ہو جائیں گے۔"

"کیسی باتیں کرتی ہو؟...... میں تو خود بھی یہی چاہتا ہوں۔"

"اچھا......!" شاہدہ اسے حیرت سے تکنے لگی...... اس کا پیشہ اسے سکھاتا تھا کہ کے سامنے دوسرے مرد کا نام نہ لو۔ ورنہ گاہک ہاتھ سے نکل جاتا ہے...... اسی اب تک ارمان کو دل میں چھپا کر رکھے ہوئے تھی۔

لن یہ کیسا مرد تھا کہ اپنے لیے رقابت کا سامان پیدا کر رہا تھا...... یہ کیسا گاہک تھا ے گاہک کے لیے راستہ ہموار کر رہا تھا...... اور یہ کیسا بھائی تھا کہ اپنے ہی بھائی

کو اپنی ہی داشتہ کی بانہوں میں الجھانا چاہتا تھا۔
ایک داشتہ کو بھلا کیا انکار ہو سکتا ہے...... وہ تو یوں بھی ارمان کو دل و جان
چاہتی تھی...... اس نے سر تسلیم خم کر دیا۔

دوسرا دن بھی یونہی گزر گیا لیکن ارمان نہیں آیا۔
آرزو کے چہرے پر پھر اداسی چھانے لگی۔ ہسپتال میں تو وہ کسی طرح ہنستی بولتی
تی تھی...... مریضوں سے مسکرا کر باتیں کرتی رہتی تھی لیکن تنہائی میں وہ پھر مایوس ہو کر
چنے لگتی تھی۔
"وہ کیوں نہیں آئے...... مجھ سے ناراض ہیں...... لیکن ڈیڈی کی عیادت کے لیے تو
ہیں آنا چاہیے تھا......"
جس دن افضل کا پیغام اخبارات میں شائع ہوا تھا۔ اس دن سے افضل نے محسوس
ا کہ آرزو میں بہت ساری تبدیلیاں آ گئی ہیں...... آنٹی کے ہاں سے جو سنجیدگی اور
وشی وہ لے کر آئی تھی۔ اسے بھول کر وہ پھر سے ہنسنے بولنے لگی ہے' سادے لباس اور
دی کنگھی چوٹی چھوڑ کر وہ پھر شوخ رنگ کے کپڑے پہننے لگی ہے اور چوٹی گوندھنا تو وہ
ے بھول ہی گئی تھی۔ ہر صبح وہ ایک نئے طرز کا جوڑا بناتی تھی اور بار بار اسے دیکھتی تھی
ہ کہیں...... کسی طرف سے...... کوئی چول ڈھیلی تو نہیں ہو ئی۔"
دروازے پر دستک ہوتی...... کال بیل کی آواز گونجتی...... یا قدموں کی آہٹ سنائی
تی تو وہ ملازموں سے پہلے دروازے پر پہنچتی تھی اور گرم جوشی کے ساتھ مسکراتی ہوئی
روازہ کھولتی تھی...... لیکن پھر اس کی ساری گرم جوشی سرد پڑ جاتی تھی۔
نئی لیڈی ڈاکٹر سے ملنے کے لیے یہاں کے بااثر لوگ اکثر آیا کرتے تھے...... لیکن وہ
ب تک نہیں آیا تھا۔
تیسرے دن ثامی سے ملاقات ہوگئی۔ وہ خود ہی اس سے ہسپتال میں ملنے کے لیے
یا تھا۔

ثامی کو دیکھ کر اس کی آس بندھی...... اسے نہیں معلوم تھا کہ ثامی اپنی تعلیم چھوڑ کر یہاں کیوں رہتا ہے۔

اس نے آتے ہی آرزو سے کہا۔ "مجھے پچھلی رات کو معلوم ہوا کہ آپ یہاں آئی ہیں...... تعجب ہے کہ روشن بھائی سے ملاقات ہوئی لیکن انہوں نے آپ کے متعلق مجھے کچھ نہیں بتایا۔"

"اور مجھے تعجب ہو رہا ہے کہ تم لاہور چھوڑ کر یہاں کیوں آ گئے ہو......؟" آرزو نے کہا...... "کیا تعلیم پوری نہیں کرو گے؟"

ثامی نے اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھا...... کیا آرزو کو اب تک یہ نہیں معلوم ہوا ہے کہ اسے کالج سے نکال دیا گیا ہے؟...... کیا ارمان نے پرنسپل کا خط آرزو اور آنٹی کو نہیں دکھایا ہے؟...... انہیں کو دکھانے کے لیے تو وہ خط لکھوا کر لے گیا تھا......

اس نے سر جھکا کر کہا۔ "مجھے کالج سے نکال دیا گیا ہے۔"

"کیوں......؟"

ثامی نے سر جھکا کر کہا۔ "اس کی وجہ بتاتے ہوئے مجھے شرمندگی ہو رہی ہے لیکن میں ضرور بتاؤں گا۔ تاکہ ارمان کی پیشانی سے بدنامی کا داغ مٹ جائے...... چیریٹی شو کی رات شاہدہ سے ملنے کے لیے ارمان نہیں بلکہ میں گیا تھا۔"

"تم گئے تھے......؟"

آرزو نے حیرت کا اظہار کیا۔ پھر غیر یقینی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن...... لیکن پرنسپل صاحب نے تو......"

"پرنسپل صاحب کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے......" ثامی نے اس کی بات کاٹ کر کہا...... "اس رات دو اہم باتیں ان کے علم میں نہیں تھیں...... ایک تو یہ کہ چوکیدار نے مجھ پر چاقو سے حملہ کیا تھا...... یہ دیکھئے۔"

اس نے قمیض اٹھا کر اپنی پیٹھ کا زخم دکھایا۔ زخم بھر گیا تھا لیکن اپنا نشان چھوڑ گیا تھا۔

"چوکیدار کے چاقو سے مجھے یہ زخم لگا تھا۔

دوسری بات یہ کہ جہاں انسان کی نظریں مجرم کو نہیں پہچان سکتیں۔ وہاں رکھوالی

کے کتے آسانی سے پہچان لیتے ہیں...... دوسرے دن پرنسپل صاحب کے کتے نے میری شناخت کی تھی۔"

آرزو حیرت اور مسرت سے اس کی باتیں سن رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ اس کے ڈیڈی نے ٹھیک ہی کہا تھا...... آنکھوں دیکھی ہوئی سچائی بھی کبھی کبھی جھوٹ ثابت ہو جاتی ہے۔

ثامی کہہ رہا تھا۔ "حقیقت کا علم ہوتے ہی پرنسپل صاحب نے مجھے سزا سنا دی اور تین سال کے لیے تعلیمی اداروں میں میرا داخلہ بند کروایا ہے...... انہوں نے آنٹی کو فون بھی کیا تھا لیکن معلوم ہوا کہ آدھ گھنٹہ پہلے آپ لوگ جا چکے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے آنٹی کے نام ایک خط لکھا تھا اور اعتراف کیا کہ شاہدہ کے کیس میں ارمان بالکل بے گناہ ہے۔"

"لیکن وہ خط کہاں ہے؟" آرزو نے پوچھا...... "تمہارے دوست کو چاہئے تھا کہ وہ خط آنٹی کو لا کر دکھاتے لیکن وہ خود ہی لاپتہ ہو گئے۔"

"مجھے بھی حیرت ہے کہ وہ گھر چھوڑ کر کیوں چلا گیا......؟" ثامی نے تشویش کا اظہار کیا۔

"ان کے اس طرح چلے جانے سے پھر ایک نیا الزام لگایا جا رہا ہے......" آرزو نے کہا...... "روشن صاحب کہہ رہے ہیں کہ انہوں نے ارمان کو بیس لاکھ روپے دیئے تھے جو اب تک بینک میں جمع نہیں ہوئے۔"

"کیا مطلب......؟" اس نے چونک کر پوچھا۔

"مطلب صاف ہے ظاہر ہے کہ ارمان وہ روپے لے کر کہیں روپوش ہو گئے ہیں۔"

ثامی غصہ سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ "یہ جھوٹ ہے۔"

"تم ایک دوست کی حیثیت سے جھوٹ سمجھ لو گے۔ لیکن دنیا تو یہی کہے گی کہ جب پرنسپل نے ان کی بے گناہی کا اعتراف کر لیا تھا تو آنٹی بھی انہیں گلے سے لگا لیتیں...... پھر گھر چھوڑ کر جانے کی کیا وجہ ہے؟"

"کیا وجہ ہے؟ یہ میں نہیں جانتا...... لیکن اتنا جانتا ہوں کہ ارمان لالچی اور پیسے کا پجاری نہیں ہے۔ اسے اپنے والد کی جائیداد سے ایسے کتنے ہی بیس لاکھ مل سکتے ہیں۔

محض بیس لاکھ کے لیے وہ اپنی جائیداد کو' اپنے گھر کو' اپنی والدہ کو اور۔"

اس نے آرزو سے نظریں ملاتے ہوئے کہا۔ "اور آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا۔"

آرزو نے اس سے نظریں چراتے ہوئے گہری سانس لی اور آہستگی سے کہا۔

"میری بات چھوڑو' جب وہ اپنے گھر والوں کو چھوڑ سکتے ہیں تو میں کون ہوتی ہوں؟"

"آپ کون ہوتی ہیں؟ یہ اپنے دل سے پوچھیے۔"

"دل ہمیشہ انسان کو گمراہ کر دیتا ہے۔"

"دل نہیں' بے اعتمادی گمراہ کر دیتی ہے۔ اگر آپ کو ارمان پر اعتماد ہوتا تو آپ دوسروں کی باتوں میں آ کر اسے چھوڑ کر نہ جاتیں۔ گھر چھوڑنے کی ابتدا آپ ہی نے کی ہے۔ آپ ہی کی بے رخی سے دل برداشتہ ہو کر وہ چلا گیا ہے۔"

آرزو کوئی جواب نہ دے سکی...... وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ ڈیوٹی کا وقت پہلے ہی ختم ہو چکا تھا۔ وہ اتنی دیر سے یونہی بیٹھی ہوئی تھی کہ گھر جا کر کیا کرے گی۔ یہاں تو مریضوں کے دکھ بانٹنے میں وقت گزر جاتا ہے۔ لیکن گھر میں تنہا رہ کر تو وقت کاٹے نہیں کٹتا تھا۔

وہ سر جھکا کر جانے لگی۔

ثامی نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اگر ارمان پر اب بھی کسی قسم کا شبہ رہ گیا ہے تو مجھے موقع دیجیے' میں اس شبہ کو دور کرنے کی کوشش کروں گا۔ مس آرزو! ارمان کہیں بھی جائے' وہ ایک دن یہاں ضرور آئے گا۔"

آرزو نے گھوم کر اسے دیکھا۔

اس کی نگاہیں ثامی سے پوچھ رہی تھیں۔ "تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہ آئیں گے؟"

"میرا دل کہتا ہے......!" ثامی نے مسکرا کر کہا۔

آرزو نے سر جھکا کر دل میں کہا۔ "کہتا ہے لیکن وہ اب تک نہیں آئے۔"

ثامی نے اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "میں چاہتا ہوں کہ ارمان یہاں آئے تو آپ کو ہمیشہ کی طرح مسکراتا ہوا دیکھے...... آپ کی خاموشی کہہ رہی ہے کہ تمام شکوک و شبہات دل سے مٹ چکے ہیں۔ پھر یہ سنجیدگی کیسی...... آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ ارمان ہر وقت کی سنجیدگی پسند نہیں کرتا۔ وہ خود بھی ہنستا ہے اور دوسروں کو بھی ہنساتا

ہے...... چلیے! آج سے بلکہ ابھی سے مسکرانا شروع کر دیجیے۔"

آرزو نے رخ پھیر لیا۔ مسکرانے کی بات ہی نہ ہو تو انسان کیسے مسکرائے۔

"منہ پھیرنے سے کام نہیں چلے گا۔ آپ نے میرے دوست کو بے وفا سمجھ لیا تھا۔ اب اپنی بے اعتمادی کا جرمانہ ادا کرنے کے لیے مسکرانا ہی پڑے گا۔"

"واہ...... یہ بھی کوئی جرمانہ ہے؟...... آرزو کے لبوں پر مسکراہٹ آتے آتے رہ گئی۔ ارمان کی خاطر ثامی کے سامنے مسکراتے ہوئے اسے ہچکچاہٹ سی محسوس ہو رہی تھی۔

"ہوں...... آپ اس طرح نہیں مسکرائیں گی...... اچھا' میں صرف ایک لفظ کہتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ آپ کیسے نہیں مسکرائیں گی۔"

آرزو نے اس ایک لفظ کو سننے کے لیے اپنا سر اٹھایا لیکن اس کی جانب دیکھا نہیں۔

ثامی نے کہا۔ "اس ایک لفظ کے اندر ارمان کے خواب' آپ کی آرزوئیں ہیں اور میری نیک تمنائیں بھی ہیں......"

وہ ہمہ تن گوش ہو گئی کہ ایک لفظ میں اتنی ساری باتیں کیسے سما سکتی ہیں؟

"اور وہ لفظ ہے......" ثامی نے اس کے قریب جھک کر شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا۔ "بھابھی!"

"ہائے اللہ......!" وہ گھبرا کر دروازے کی طرف بھاگی۔

پھر دہلیز پار کرتے کرتے اس کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

"ہاں ثامی......!" اس کے دل نے کہا...... "ارمان کے خواب تمہارے لیے 'بھابھی' کا لفظ بن گئے ہیں۔

وہ جھومتی ہوئی ہسپتال کے برآمدے سے گزر گئی۔

تم نے ٹھیک کہا ثامی! اس ایک لفظ میں میری بہت سی آرزوئیں اور تمہاری نیک تمنائیں ہیں۔

وہ آرزوؤں اور ارمانوں کے نشے میں بہکتی ہوئی۔ ثامی سے دور ہوتی چلی گئی اور خوابوں کی پگڈنڈیوں سے گزرتی ہوئی اپنی کوٹھی کی طرف بڑھتے چلی گئی۔

کوٹھی، ہسپتال سے زیادہ دور نہیں تھی۔

وہ مین گیٹ سے داخل ہو کر لان سے گزرنے لگی تو اس کے چاروں طرف پھول ہی پھول مہکنے لگے۔

ہر پھول اس کے جوڑے کی طرف دیکھ رہا تھا اور اپنی شفاف مسکراہٹ سے کہہ رہا تھا۔ "ارمان آئے گا...... آج ضرور آئے گا۔"

آج کوٹھی کے اندر بھی رونق سی محسوس ہو رہی تھی...... یوں لگ رہا تھا جیسے کہ ہر چیز اپنی چمک دمک سے کسی کو خوش آمدید کہنے والی ہے۔

آج وہ اپنے ڈیڈی کے پاس زیادہ دیر تک بیٹھ کر باتیں نہ کر سکی۔ ڈنر کے بعد جلد ہی اپنے کمرے میں چلی آئی جو تنہائی پہلے کاٹنے کو دوڑتی تھی۔ اب وہی تنہائی کہہ رہی تھی کہ آؤ میں تم سے ارمان کی باتیں کرتی ہوں۔

وہ بڑی دیر تک اپنے بستر پر ایک ہی کروٹ لیٹی رہی...... ایک ہی کروٹ اس لیے کہ بار بار کروٹیں لینے سے کہیں جوڑا خراب نہ ہو جائے۔

بعض لوگ اپنی زندگی کا سارا اثاثہ ایک گٹھری میں باندھ کر رکھتے ہیں۔ آرزو نے بھی اپنی ساری تمناؤں کو جوڑے کی گٹھری میں لپیٹ کر رکھا تھا اور ایک ہی کروٹ لیٹ کر اس گٹھری کی حفاظت کر رہی تھی۔

انتظار کرتے کرتے اس پر غنودگی طاری ہونے لگی۔ وہ پرسوں تمام رات جاگتی رہی تھی کہ ارمان اخبار پڑھتے ہی ضرور آئے گا۔ پچھلی رات بھی وہ اچھی طرح سو نہ سکی تھی۔ کئی بار چونک کر اٹھ گئی تھی اور ہر بار اسے یہی محسوس ہوا تھا۔ جیسے ارمان ابھی اس کے قریب آ کر واپس چلا گیا ہے۔

پھر اس کی آنکھ لگ ہی گئی...... جب کسی کی یاد آتی ہے تو تنہائیوں میں بھی آتی ہے اور محفلوں میں بھی...... اور تو اور خوابوں میں بھی یہ یادیں پیچھا نہیں چھوڑتیں...... کم بخت مجسم ہو کر محبوب کی صورت میں ڈھل جاتی ہیں۔

اس نے دیکھا کہ وہ سرسبز و شاداب وادی میں کھڑی ہوئی ہے اور ارمان اپنے ہاتھ میں ایک پھول لیے اس کے قریب آ رہا ہے۔

اور اس سے کہہ رہا ہے۔ "میں نے کئی بار تمہارے جوڑے میں پھول لگانے کی

شش کی لیکن ہر بار میں جوڑے تک کا فاصلہ طے کرتے کرتے رہ گیا...... آج بھی ے سامنے مجبوری کی ایک دیوار حائل ہے۔ پھر بھی میں دنیا والوں سے چھپ کر یہاں ا ہوں اور یہ فیصلہ کر کے آیا ہوں کہ آج تمہارے جوڑے میں پھول ضرور لگاؤں گا۔"

یہ کہتے ہوئے وہ بالکل قریب آ گیا اور ہاتھ آگے بڑھا کر اس کے جوڑے میں پھول ٹانک دیا۔

اس کے آس پاس پھولوں سے لدی ہوئی شاخیں لچکنے لگیں۔ وادی کی ہریالی مستی ں جھومنے لگی اور ہوائیں گنگناتی ہوئی اس کے آنچل کو چھیڑنے لگی۔

لیکن...... یہ کیا؟

ارمان واپس جا رہا تھا۔ وہ صرف پھول لگانے آیا تھا...... اپنا وعدہ پورا کرنے آیا تھا۔

"ارمان...... رک جاؤ!" اس نے پکارا۔

لیکن اچانک وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

"ارمان......!"

وہ یکایک چیخ کر اٹھ بیٹھی...... کمرہ بالکل خالی تھا...... سونے سے پہلے اس نے بتی یں بجھائی تھی۔ یونہی ایک کروٹ لیٹے لیٹے سو گئی تھی۔

تو یہ خواب تھا...... ایک سرد آہ بھر کر اس نے پہلو بدلا لیکن پھر یکبارگی حیرت سے اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

سامنے ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں اس نے حیرت سے دیکھا کہ اس کے جوڑے یں ایک سفید پھول لگا ہوا تھا۔

وہ دوڑتی ہوئی آئینہ کے قریب آئی اور قریب آ کر غور سے دیکھا...... ہاں! واقعی پھول ہے۔

اس نے ہولے ہولے ہاتھ اٹھاتے ہوئے اسے چھو کر محسوس کیا...... ہاں! واقعی پھول ہے۔

"ارمان......!" ...... وہ آوازیں دیتی ہوئی اور دوڑتی ہوئی کمرے سے باہر آئی۔

اسی وقت افضل بھی اپنے کمرے سے نکل کر باہر آ گئے۔

"کیا بات ہے!...... ارمان آیا ہے؟"

"جی...... نہیں تو!" وہ گھبرا سی گئی۔
"لیکن...... ابھی تو تم اسے آوازیں دے رہی تھیں؟"
"جی' وہ...... وہ...... مجھے ایسا ہی لگا تھا جیسے وہ آئے ہیں۔"
"کیا ہوا انکل......؟" روشن بھی اپنے کمرے سے نکل آیا۔
"آرزو کا خیال ہے کہ ابھی ارمان یہاں آیا تھا۔"...... افضل نے اس جواباً کہا۔
روشن کے چہرے پر ناگواری کا ایک سایہ آ کر گزر گیا۔
"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ دروازہ اندر سے بند ہے...... دستک دیئے بغیر وہ کیسے آ سکتا ہے...... ٹھہرئیے میں چوکیدار سے پوچھتا ہوں۔"
"یہ کہہ کر وہ ڈرائنگ روم سے گزرتا ہوا دروازے تک آیا...... لیکن پھر ٹھٹھک کر وہیں رک گیا۔
دروازہ اندر سے بند نہیں تھا۔
"دروازہ تو کھلا ہے......" روشن نے تعجب سے کہا۔
"وہ...... ملازمہ نے جاتے وقت مجھ سے کہا تھا...... لیکن میں بند کرنا بھول گئی تھی......" آرزو نے کہا۔
"بہرحال...... دروازہ اتفاق سے کھلا رہ گیا ہے۔"...... افضل نے کہا...... "ارمان نہیں آیا اگر آتا تو مجھ سے ملے بغیر نہ جاتا۔"
"میرا بھی یہی خیال ہے......" روشن نے تائید کی۔
آرزو ان کی باتوں کا جواب نہ دے سکی۔ اپنے کمرے کی طرف جانے کے لیے خاموشی سے گھوم گئی۔
اس کے گھومتے ہی جوڑے کا پھول افضل کی نگاہوں میں آ گیا...... اس نے تعجب سے بیٹی کو مخاطب کیا۔ "آرزو!...... تم پھول لگا کر سوتی ہو؟"
اس کا ہاتھ بے اختیار اپنے جوڑے تک چلا گیا۔
جی نہیں تو...... جی' ہاں......"
باپ اور بیٹی کی نگاہیں ایک دوسرنے سے ٹکرائیں بیٹی کی آنکھوں میں ایک شرمیلی سی جھجک تھی۔

"جی نہیں تو"...... کا مطلب یہی تھا کہ پھول اس نے خود نہیں لگایا کسی اور نے لگایا ہے۔
باپ کی آنکھوں میں بوڑھی زندگی کا تجربہ تھا...... "جی ہاں"...... کہتے وقت بیٹی جس طرح گھبرا گئی تھی۔ اس سے صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے۔
جھوٹ نہیں تو اور کیا ہے...... پھول کیا اس لیے لگا کر سویا جاتا ہے کہ تکیہ سے ب کر مسخ ہو جائے!
لیکن پھول ایسا ہی تر و تازہ تھا جیسے ابھی ابھی جوڑے میں لگایا گیا ہو۔
"ہائے اللہ......!" آرزو نے دل میں کہا...... "کمرے سے نکلتے وقت مجھے اتنا ہوش ں نہ رہا تھا کہ جوڑے سے پھول کو الگ کر دیتی...... اب پتہ نہیں ڈیڈی کیا سوچ رہے ں؟"
وہ اپنے ڈیڈی کی طرف سے پلٹ گئی اور جلدی جلدی قدم اٹھاتی ہوئی اپنے کمرے ں چلی گئی۔
روشن نے افضل کے قریب آتے ہوئے کہا۔ "یہ آرزو بھی عجیب لڑکی ہے۔ دن ے وقت میں نے کبھی اس کے جوڑے میں پھول نہیں دیکھا۔ رات کو نہ جانے کیوں ول لگا کر سوتی ہے؟"
افضل نے چونک کر اسے دیکھا۔ بات واقعی دل کو لگتی تھی۔ پھول جوڑے کا سنگار تا ہے۔ یہ لڑکی دن کو سنگار نہیں کرتی' رات کو کس لیے کرتی ہے؟
افضل کے الجھے ہوئے ذہن کو جوڑے کا پھول کچھ نئی اور کچھ عجیب سی کہانیاں کہہ تھا۔

یادیں کبھی نہیں مرجھاتیں'...... پھول مرجھا جاتے ہیں۔

آرزو کے جوڑے کا پھول ارمان کے انتظار میں مرجھاتا گیا۔ صبح سے شام اور شام سے صبح ہوتی رہی لیکن وہ دوبارہ نہیں آیا۔ بلکہ آرزو کے لیے ہر وقت کا دھڑکا چھوڑ گیا کہ...... بس آج ضرور آئے گا۔ اگر اسے نہ آنا ہوتا تو وہ اس طرح پھول لگا کر کیوں جاتا؟...... اس لیے وہ ضرور آئے گا...... آج نہیں آیا ہے تو کل ضرور آئے گا۔

لیکن ہر آنے والا کل جوڑے کے پھول کو مرجھاتا گیا۔

وہ پھول صرف ایک ہی دن جوڑے میں لگا رہا۔

دوسرے دن وہ اس حد تک مرجھا گیا تھا کہ اس کی پنکھڑیاں ہوا میں بکھر سک تھیں۔ اس لیے اس نے شیشہ کے قلم دان میں اسے محفوظ کر دیا...... ارمان کی یہی تو ایک نشانی رہ گئی تھی۔

لیکن وہ چوری چھپے کیوں آیا تھا؟

یہ سوال آرزو کو پریشان کر رہا تھا۔ اگر وہ اس سے ملنا نہیں چاہتا تھا' اس سے با نہیں کرنا چاہتا تھا تو پھر پھول لگا کر خاموشی سے کیوں چلا گیا......؟ ایسی کون سی مجبوری کہ وہ ایک مجرم کی طرح آیا اور اپنی محبت کا اظہار کر کے پھر روپوش ہو گیا۔

مجرم......! کیا واقعی وہ بیس لاکھ روپے لے گیا ہے اور اب ندامت سے منہ نہ دکھانا چاہتا؟...... حقیقت خواہ اس کے برعکس کیوں نہ ہو۔ وہ اس طرح روپوش ہو کر کو مجرم ثابت کر رہا تھا۔

اب یہ بات وہ اپنے ڈیڈی سے نہیں کہہ سکتی تھی کہ ارمان چھپ کر اس کمرے میں آیا تھا۔ اگرچہ جوڑے کے پھول نے چغلی کھائی تھی لیکن وہ اچھی طر

سکے تھے۔ انہوں نے یہی سوچا تھا کہ آرزو نے سوتے وقت پھول لگا کر ایک بے تکی رکت کی ہے...... لیکن ایک بات تھی جس پر وہ سنجیدگی سے غور کر رہے تھے اور وہ یہ اس رات آرزو' ارمان کو آواز دیتی ہوئی کمرے سے نکلی تھی...... کیوں؟...... کیا اسے ی رات کو بھی یہی توقع رہتی ہے کہ آنے والا ارمان ہی ہو گا؟

ایک دن آرزو کے آنسوؤں نے عصمت سے اپنے دل کا بھید کہہ دیا تھا اور اب ن کا نام بے اختیار اس کی زبان پر آ کر افضل سے کہہ رہا تھا کہ آرزو کی سوچ کا مرکز ہے اور وہ کسے پسند کرتی ہے۔

افضل شروع ہی سے ارمان کو پسند کرتا تھا لیکن عصمت کے سامنے اپنی پسند کا ر اس لیے نہیں کیا تھا کہ قاعدے کے مطابق پہلے بڑے بیٹے کا رشتہ ہونا چاہیئے تھا۔ وہ چ رہا تھا کہ عصمت کہیں روشن کے لیے رشتہ نہ مانگے...... وہ تو اچھا ہی ہوا کہ بات و کی پسند پر آ کر رک گئی تھی۔

اور اب آرزو کی پسند سامنے آئی تھی تو ارمان سامنے نہیں تھا...... فی الحال وہ یہ کر خاموش ہو گئے تھے کہ ارمان کی نظروں سے اخبار نہیں گزرا ہے۔ ورنہ وہ پیغام ر ضرور ان سے ملنے آتا۔

اب بظاہر کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ آرزو اور ارمان ایک دوسرے سے راضی تھے۔ کو بھی یہ رشتہ دل سے پسند تھا اور عصمت نے تو پہلے ہی آرزو کے سر پر آنچل رکھ نی رضامندی ظاہر کر دی تھی۔ وہ ایک ماں کی حیثیت سے بیٹے کی بڑی سے بڑی کو نظرانداز کر سکتی تھی۔

"اب ارمان کو آ جانا چاہیئے......" یہ بات آرزو نے تامی سے کہی۔ کیونکہ وہی ایک ار تھا جس کے ساتھ بیٹھ کر وہ ارمان کی باتیں کیا کرتی تھیں۔

لیکن تامی بھی اسے کہاں تلاش کرتا؟ اس کا کوئی پتہ ٹھکانہ ہوتا یا چلتے چلتے وہ اپنا قدم ہی چھوڑ کر چلا جاتا تو وہ اسی سمت اسے تلاش کرنے کے لیے نکل جاتا!...... اس ہ بھی بے بسی کے ساتھ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہا۔

موسم آتے رہے اور جاتے رہے...... لیکن وہ نہ آیا۔

موسم بہار کے جوڑے میں نت نئے پھول کھلتے رہے لیکن وہ نہ آیا۔

ساون کی رم جھم ایک برہن کو رلاتی رہی...... لیکن پھر بھی وہ نہ آیا

"ارمان آجاؤ...... آجاؤ...... نہیں تو میں مرجاؤں گی......"

انتظار کی بھی حد ہوتی ہے۔

روشن اسی انتظار میں تھا کہ عصمت کے دل سے ارمان کا غم دور ہو تو وہ آرزو کا رشتہ مانگنے کے لیے ماں سے کہے گا۔

لیکن غم دور ہونے کی بجائے روز بروز بڑھتا ہی جاتا تھا۔ انسان مرنے والے پر صبر لیتا ہے لیکن جو زندہ ہو اور لاپتہ ہو۔ اس کے لیے دل نہیں مانتا' اسے ہمیشہ یہی تشویش رہتی ہے کہ وہ کہاں ہے؟ اور کس حال میں ہے؟

لیکن روشن اب انتظار نہیں کر سکتا تھا۔

اسی لیے پھر اس نے ایک نئی چال چلی تھی...... عصمت کی ڈائری کو اس نے ارمان کی کتابوں کے درمیان چھپا کر رکھ دیا تھا۔ حالانکہ عصمت اسے کتابوں کے درمیان تلاش کر چکی تھی لیکن یہ اس وقت کی بات ہے۔ جب ارمان نے گھر نہیں چھوڑا تھا۔ اب اس کے جانے کے بعد یہ رائے قائم کی جا سکتی تھی کہ وہ اسے پڑھنے کے بعد غیر ضروری سمجھ کر چھوڑ گیا ہے۔

ارمان کے جانے کے بعد اس کا کمرہ بہت کم کھولا جاتا تھا اور اوپر ہی اوپر جھاڑ پونچھ کے بعد اسے بند کر دیا جاتا تھا...... لیکن اب کوٹھی کے ہر کمرے کی مکمل صفائی ہو رہی تھی۔ دیواروں پر نئے سرے سے ڈسٹمپر کی لیپ چڑھائی جا رہی تھی اور دروازوں اور کھڑکیوں کا رنگ و روغن بدلا جا رہا تھا...... اور یہ سب اس لیے ہو رہا تھا کہ شب برات قریب آ رہی تھی۔

عصمت نے یہ سوچ رکھا تھا کہ وہ شب برات دھوم دھام سے نہیں منائے گی۔ کوٹھی کا رنگ و روغن اس لیے بدلا جا رہا تھا کہ کئی سال سے اس کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی...... خوشیاں نہ منانا اور بات ہے۔ لیکن صفائی اور سجاوٹ تو ہر حال میں ضروری ہوتی ہے اور پھر روٹھنے والے کا کیا بھروسہ؟...... ہو سکتا ہے کہ وہ ٹھیک شب برات کے موقع پر پہنچ جائے...... پچھلے سال بھی ارمان دو دن کے لیے گھر سے چلا گیا تھا۔ ماں سے وعدہ کیا تھا کہ آتش بازی شروع ہونے سے پہلے ہی چلا آئے گا...... عصمت کو اچھی طرح

تھا' وہ' آرزو اور روشن حلوے کی پلیٹیں سامنے رکھے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ محلے کے بچے آتش بازی کے لیے بار بار مچل رہے تھے لیکن وہ کتنی دیر سے آیا تھا۔

"شریر کہیں کا......" اسے اسی طرح ستانے اور انتظار کرانے کی عادت ہے...... وہ بار بھی اسی طرح اچانک آئے گا...... ضرور آئے گا...... اور مجھ سے لپٹ کر میری ساری ضگی دور کر دے گا۔

امیدیں اسی طرح ڈوبتی' ابھرتی رہتی ہیں۔ آس زندگی کی آخری سانس تک اسی ح بہلاتی رہتی ہیں۔

دوسرے دن کمرے کی صفائی کے دوران وہ ڈائری ایک بوڑھے ملازم کے ہاتھ لگ ڈائری کے اوپر ہی عصمت کا نام لکھا ہوا تھا۔ بوڑھے ملازم کو یاد آیا کہ ایک دن بیگم ب کسی ڈائری کی تلاش کر رہی تھیں اور بڑی پریشانی کی حالت میں اس سے بھی پوچھ تھیں کہ وہ ڈائری گھر کے اندر سے بھلا کہاں غائب ہو سکتی ہے؟

بوڑھا ملازم تھا' گھر کی چھوٹی چھوٹی سی باتوں کا خیال رکھتا تھا۔ ڈائری ملتے ہی وہ ت تک اسے پہنچانے کے لیے اس کے کمرے تک آیا۔ لیکن راستے میں روشن نے روک لیا۔

"یہ کیا ہے تمہارے ہاتھوں میں؟"

"بیگم صاحبہ کی ڈائری ہے۔ وہ کئی مہینے پہلے اسے تلاش کر رہی تھیں۔"

روشن نے اس سے پوچھا۔ "یہ تمہیں کہاں سے مل گئی؟"

"چھوٹے سرکار کی کتابوں میں دبی پڑی تھی۔"

"مجھے دو......" اس نے ڈائری لیتے ہوئے کہا۔

"امی سے جا کر کہہ دو کہ یہ میرے پاس ہے۔"

وہ ڈائری کو لے کر اپنے کمرے میں آگیا اور اسے اپنے سامنے کھول کر اس طرح جیسے پہلی بار اسے پڑھ رہا ہو۔

ایک دو منٹ کے بعد ہی عصمت تیزی سے کمرے میں داخل ہوئی اور بڑی ہی اسے پوچھنے لگی۔ "کہاں ہے ڈائری؟"

ڈائری سامنے ہی روشن کے قریب کھلی رکھی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر اسے

جھپٹ لیا۔

اور سختی سے کہا۔ "ڈائری مل گئی ہے تو اسے میرے پاس لانا چاہیے تھا...... تمہیں پڑھنے کے لیے کس نے کہا ہے؟"

"امی......!" اس نے سنجیدگی سے کہا...... "جب ارمان اسے اپنے پاس رکھ کر پڑھ سکتا ہے تو کیا میں نہیں پڑھ سکتا؟"

عصمت اس بات کا جواب نہ دے سکی۔

روشن اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔ "میں یہ دیکھ رہا تھا کہ آپ ایک معمولی ڈائری کے لیے اس قدر پریشان کیوں تھیں لیکن ابھی ایک ہی صفحہ کو پڑھ کر پتہ چل گیا کہ یہ کوئی معمولی ڈائری نہیں ہے۔

یہ ڈائری کہتی ہے کہ ایک ماں ہو کر آپ نے مجھ پر کبھی اعتماد نہیں کیا۔ مجھے ز سے بیٹا کہتی رہیں لیکن دل سے مجھے ناقابل اعتماد سمجھتی رہیں۔ اور میرے ہوتے ہو ایک لاوارث لڑکے کو بیٹا بنا کر سر پر چڑھا لیا...... لیکن اس کا انجام بھی آپ نے دیکھ ہے۔ اپنا' اپنا ہی ہوتا ہے۔ پرائی اولاد کبھی اپنی نہیں ہوتی۔ اس نے جاتے ہوئے پلٹ بھی نہ دیکھا۔ یہ بھی نہ سوچا کہ آپ کے دل پر کیا گزرتی ہوگی۔"

عصمت کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ اس نے دکھے ہوئے دل سے کہا۔ "ہاں...... شکایت مجھے زندگی بھر رہے گی اس نے میری ممتا کا صلہ مجھے نہیں دیا۔"

روشن نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "صلہ تو بہت کچھ دیا ہے امی!...... بیس لاکھ ر کی چوٹ دے گیا ہے' یہی کیا کم ہے؟...... پہلے میں بھی حیران تھا کہ ابا جان کی جائ آدھا حقدار ہونے کے باوجود وہ اتنی معمولی سی رقم لے کر کیوں چلا گیا...... اب ا جرم کا سبب معلوم ہو چکا ہے۔ ڈائری پڑھنے کے بعد اسے احساس ہو گیا تھا کہ ابا ج جائیداد سے اسے ایک پائی بھی نہیں ملے گی۔ اگر اس لاوارث کو آپ نے حصہ دار کی کوشش بھی کی تو شاید میں آڑے آجاؤں گا۔ اسی لیے وہ بیس لاکھ کی رقم کو مال سمجھ کر اپنے ساتھ لے گیا ہے۔"

عصمت حیرت سے آنکھیں پھیلائے روشن کو دیکھنے لگی۔ وہ جو کچھ بھی کہہ اس میں جھوٹ کی گنجائش نظر نہیں آ رہی تھی۔ ڈائری پڑھنے کے بعد ارمان اگ

وچ سکتا تھا کہ وہ لاوارث ہے' جائیداد کا حقدار نہیں ہے۔ برسوں سے لاڈ پیار اور عیش و آرام سے پلا ہوا لڑکا خالی ہاتھ گھر سے نہیں نکل سکتا تھا...... بے سہارا ہونے کے بعد اتنی ی زندگی گزارنے کے لیے آخر کچھ نہ کچھ رقم کی ضرورت یقینی ہوتی۔"

اب یہ بات ٹھوس دلیل کے ساتھ ثابت ہو چکی تھی کہ روشن سچا ہے اور ارمان ن لاکھ روپے لے گیا ہے۔ جسے وہ نیک اور دیانت دار سمجھتی تھی۔ اسی نے اس کے تماد کو ٹھیس پہنچائی تھی اور جسے وہ ناقابل اعتماد سمجھتی تھی۔ وہ ہر قدم پر سچا اور کھرا نظر آ ا تھا۔

"امی......!" روشن نے کہا...... "صبح کا بھولا شام کو گھر آ جائے تو بھولا نہیں لاتا...... جو کچھ ہو چکا ہے۔ اسے اپنی زندگی کا تلخ تجربہ سمجھ کر ہمیشہ یاد رکھیے۔ تاکہ پھر ی ارمان یہاں آکر آپ کو فریب نہ دے سکے۔"

اس نے قریب آکر عصمت کے شانوں کو تھام کر کہا۔ "جو گہرا اور پائیدار رشتہ پ کا میرے ساتھ ہے۔ وہ کسی کے ساتھ نہیں ہو سکتا...... ایک طوطا چشم کے لیے خواہ ہ غمزدہ رہنے کی بجائے آپ کو میرے لیے ہنسنا' بولنا چاہیے...... میں آپ کی مسکراہٹ کا ار ہوں۔ امی!"

یہ کہتے ہوئے اس نے ماں کے شانے پر اپنا سر رکھ دیا۔

عصمت نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "ہاں بیٹا!...... میں غلطی پر تھی۔ میں اس کا نام بھی زبان پر نہیں لاؤں گی...... تم ہی میرے بیٹے ہو...... میرے بڑھاپے ہارے ہو...... ہائے مجھ سے کیسی بھول ہوئی کہ میں اب تک اپنے بیٹے سے غافل ...... نہیں بیٹا!...... اب تمہاری خوشی میری خوشی ہے۔ اب میں تمہارے لیے ہمیشہ بولتی رہوں گی۔" "میں بھی یہی چاہتا ہوں امی! کہ اس گھر میں وہی پہلے جیسی رونق آ ے۔ میں چاہتا ہوں کہ اب آپ اس گھر میں تنہا نہ رہیں۔ ورنہ تنہائی اور اداسی پھر کو پریشان کر دے گی۔ اگر آپ میری بات مانیں تو میں آپ سے ایک درخواست ں گا۔"

"درخواست نہیں...... ایک بیٹے کی طرح ماں سے ضد کرو۔ میں تمہاری ہر ضد کو کروں گی۔"

"میری اچھی امی!......" اس نے خوش ہو کر کہا...... "آپ اگر چاہتی ہیں کہ اس گھر میں پھر سے رونق آ جائے تو آرزو کو اپنی بہو بنا کر لے آیئے......"

"آرزو!" عصمت کے دل میں ایک چوٹ سی لگی۔ آہ! کبھی اس نے آرزو کے سر پر آنچل رکھا تھا...... ارمان کی دلہن بنانے کے لیے......

عصمت نے خود کو سمجھانے کی کوشش کی۔ "چلو اچھا ہوا کہ میں ایک بہت بڑی غلطی سے بچ گئی۔ ورنہ آرزو کی زندگی برباد ہو جاتی۔"

"آپ خاموش کیوں ہو گئیں......؟" روشن نے کہا۔

"اگر میری بات آپ کو ناگوار......"

"نہیں، نہیں بیٹا!...... یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ میں تو خود بھی یہی سوچ رہی ہوں۔"

"تو پھر کل ہی انکل کے ہاں چلیے!"

"ہاں ضرور چلوں گی۔ تم اطمینان رکھو، بھائی جان میری بات کو نہیں ٹھکرائیں گے۔"

روشن نے اطمینان کی سانس لی اور دل ہی دل میں اپنی ذہانت پر مسکرانے لگا ارمان ماں کی نظروں سے گر گیا تھا تو انکل کی نظروں سے گرتے ہوئے کتنی دیر لگے گی...... رہ گئی آرزو تو وہ اس کی نظروں میں ایک بے وقوف لڑکی تھی...... وہ آرزو کو نہیں، اس کی دولت کو دلہن بنا کر لانے والا تھا۔

ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ پیاسی مٹی کی سوندھی سوندھی سی مہک فضا میں رچی ہوئی تھی اور بارش کی پھوار سے سارا ماحول دھواں دھواں سا نظر آ رہا تھا۔

موسم اتنا سہانا تھا اور ایسا جذبات انگیز تھا کہ آرزو کا بدن رہ رہ کر انگڑائی کے لیے ٹوٹ رہا تھا۔

وہ پنڈی آئی ہوئی تھی اسے یہاں ڈسٹرکٹ میڈیکل آفیسر سے اپنے ہسپتال کے لیے چند مخصوص دواؤں کی منظوری حاصل کرنی تھی۔

پنڈی کا ڈی، ایم، او آرزو کی کارکردگی سے بہت خوش تھا اور اسے اپنی بیٹی کی طرح چاہتا تھا۔ لہٰذا جب بھی وہ یہاں آتی تو ان کے خلوص اور محبت سے متاثر ہو کر اسے تھوڑا سا وقت ان کی فیملی کے ساتھ بھی گزارنا پڑتا تھا۔

آج بھی وہ ان کے ہاں ڈنر پر مدعو تھی۔ ڈائننگ روم میں جہاں وہ بیٹھی ہوئی تھی۔ وہاں ایک پارٹیشن سے پرے ڈرائنگ روم تھا۔ چھوٹے چھوٹے بچے وہاں بیٹھے ہوئے ٹی۔ وی پروگرام دیکھ رہے تھے۔ اس کی دوسری جانب ایک شیشہ کی دیوار تھی۔ جس کے آر پار سے دور بہت دور اسلام آباد کے جگمگاتے ہوئے قمقمے نظر آ رہے تھے۔ بارش کی پھوار میں یہ قمقمے کبھی نمایاں ہو جاتے تھے اور کبھی دھند میں لپٹ کر چھپ جاتے تھے۔

وہ قمقمے، ارمان کی طرح آنکھ مچولی کھیل رہے تھے۔ آرزو کی امیدوں کی طرح کبھی ڈوب رہے تھے اور کبھی ابھر رہے تھے۔

وہ ڈائننگ ٹیبل پر جھکی ہوئی بظاہر کھانے میں مصروف تھی، اپنے میزبان آفیسر اور ان کی بیگم کی باتوں پر مسکرا رہی تھی اور بات بات پر ہوں، ہاں کرتی جا رہی تھی...... لیکن ذہنی طور پر وہ حاضر نہیں تھی...... برکھا رت اسے چھیڑ رہی تھی اور قمقمے کسی کے اشاروں

کی طرح اسے بھٹکا رہے تھے۔

اسی وقت ڈرائنگ روم سے کسی کی گنگناہٹ ابھرنے لگی...... آرزو کے ہاتھ کا نوالہ منہ تک جاتے جاتے رہ گیا۔

یہ جانی پہچانی گنگناہٹ تھی۔ وہ اس آواز کو ہزاروں میں پہچان سکتی تھی۔ اور یہ آواز...... یہ آواز اس کے قریب ہی سے اس کے بائیں جانب ڈرائنگ روم سے آ رہی تھی۔

اس نے پلٹ کر ٹی وی کی طرف دیکھا اور پھر حیرت سے اچھل کر کھڑی ہو گئی...... اس کے سامنے ٹی۔ وی اسکرین پر ارمان کھڑا ہوا ایک گیت گا رہا تھا۔

اس کے اس طرح کھڑے ہو جانے پر آفیسر کی بیگم نے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟"

"یہ...... میرے کزن ہیں...... بہت عرصہ سے لاپتہ ہیں۔ اگر آپ لوگ مائنڈ نہ کریں تو میرا اسی وقت ٹی وی اسٹیشن پہنچنا بہت ضروری ہے۔ ورنہ یہ پھر لاپتہ ہو جائیں گے۔"

آفیسر نے اسے مشورہ دیتے ہوئے کہا۔ "وہاں جانے سے بہتر ہے کہ پروگرام مینجر کو فون کر دو۔ وہ تمہارے کزن کو روک رکھیں گے۔ میرا ڈرائیور انہیں جا کر لے آئے گا۔"

"نہیں سر! بات کچھ اور ہے......" آرزو نے جھجکتے ہوئے کہا...... "اگر انہیں پتہ چل گیا کہ ہم انہیں تلاش کر چکے ہیں تو وہ پھر کہیں چلے جائیں گے۔ مجھے اچانک ہی ان کی لاعلمی میں وہاں پہنچنا چاہئے...... ایکسکیوزمی سر!"

یہ کہتے ہوئے وہ ڈرائنگ روم میں آئی۔ وہاں سے اپنا وینیٹی بیگ اٹھاتے ہوئے پھر ایک نظر ٹی وی پر ڈالی...... ارمان اس کی جانب دیکھ رہا تھا اور گیت گا رہا تھا۔

اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی' آواز میں بلا کا درد تھا اور اس کے گیت کے بول میں ایسی تڑپ تھی کہ آرزو اس کے بعد اور کچھ نہ سن کی۔ تڑپ کر ڈرائنگ روم سے باہر آئی۔ اس نے دوڑتے ہوئے پورچ کا برآمدہ طے کیا۔ کار میں بیٹھ کر ایک جھٹکے سے دروازے کو بند کیا۔ اور پھر اسے اسٹارٹ کرتی ہوئی۔ آن کی آن میں ٹرن لیتی ہوئی مین گیٹ سے نکلتی چلی گئی۔

کار کے پہیے چرچراہٹ کی زوردار آواز سے گھسٹتے ہوئے دور تک گئے اور گاڑی ک گئی۔

شاہدہ نے بڑی بدحواسی سے کار کی بریک لگائی تھی...... بات ہی کچھ ایسی تھی۔ کار ں لگے ہوئے ٹیلیویژن سے اچانک ہی اناؤنسر نے ارمان علی کا نام لیا تھا اور پھر اس کے د ہی اسکرین پر ارمان کا چہرہ نظر آیا تھا۔

پھر وہ بے اختیار بریک کیوں نہ لگاتی۔ اسے اس بات کا بھی ہوش نہ رہا تھا کہ پانک بریک لگانے سے اس کا سر اسٹیرنگ سے ٹکرا جائے گا اور اچھا بھلا چہرہ زخمی ہو ائے گا۔

بہرحال وہ زخمی ہونے سے بچ گئی تھی اور اب بڑی لگن سے اپنے محبوب کا چہرہ یکھ رہی تھی۔

"ہائے...... کتنی مدت کے بعد تمہارا دیدار نصیب ہوا ہے...... کہاں ہو تم؟"

"ٹی۔ وی۔ اسٹیشن......!" دل نے کہا۔

یکایک اس نے دوبارہ کار اسٹارٹ کی...... پہلے وہ زیرو پوائنٹ سے پشاور کے راستے جا رہی تھی۔ اب اس نے رخ بدل دیا...... کار کو بیک کرتے ہوئے وہ مخالف سمت گھوم ئی اور کار کو تیزی سے دوڑاتی ہوئی ٹی وی اسٹیشن کی طرف اڑتی چلتی گئی۔

پنڈی کی دو مختلف شاہراہوں پر دو کاریں انتہائی تیز رفتاری سے دوڑ رہی تھیں...... کار چلانے والی لڑکیوں کی منزل ایک تھی اور ان کے ذہنوں میں بھی ایک ہی محبوب کا صور تھا۔

وہ دوڑ رہی تھیں کہ وہ سنگدل محبوب پھر کہیں گم نہ ہو جائے...... ایک انار تھا اور د بیمار تھے اور دونوں بیماروں کو یہ علم نہیں تھا کہ وہ ایک دوسرے سے بازی لے جانے کے لیے بھاگے جا رہے ہیں۔

ایک چوک میں آ کر دونوں نے ایک دوسرے کو کراس کیا۔ دونوں کی نظریں ونڈ اسکرین پر تھیں۔ اس لیے وہ ایک دوسرے کو نہ دیکھ سکیں...... ذرا آگے جا کر شاہدہ کو خیال آیا کہ وہ مختصر راستہ چھوڑ کر ایک لمبے راستے پر جا رہی ہے۔

اس نے پھر گاڑی کو پیچھے کی طرف موڑ دیا اور اسی راستہ پر چلنے لگی۔ جہاں سے

آرزو گزر کر گئی تھی۔

آرزو بہت آگے نکل گئی تھی اور لمحہ بہ لمحہ اپنی منزل کے قریب پہنچتی جا رہی تھی۔ لیکن رکاوٹوں کے سامنے کس کی پیش چلتی ہے...... چوک کے سرخ سگنل نے اسے رکنے پر مجبور کر دیا۔

جتنی دیر وہ رکی رہی' اتنی دیر میں شاہدہ اپنا فاصلہ طے کرتی ہوئی آرزو کے قریب تر آتی گئی...... پھر دونوں کے درمیان یہی دو سو گز کا فاصلہ رہا ہوگا کہ سبز روشنی نے آرزو کو آگے بڑھنے کی اجازت دے دی۔

دوڑ پھر شروع ہوگئی۔ آرزو آگے ہی رہی۔ اسی ایک رفتار سے' اسی ایک لگن سے بڑھتی ہی رہی...... شاہدہ کی رفتار بھی سست نہیں تھی لیکن ذرا سی بھول سے پیچھے رہ جانے والے' پھر پیچھے ہی رہ جاتے ہیں۔

آگے بہت دور ایک سبز روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ پھر کوئی کراسنگ آ رہی تھی۔ آرزو نے رفتار اور بڑھا دی۔ تاکہ سرخ روشنی ہونے سے پہلے ہی چوک کو پار کر جائے۔

لیکن قریب پہنچتے پہنچتے اسے رک جانا پڑا...... قانون کا احترام کرتے ہوئے۔ سرخ روشنی۔

لیکن یہ ضروری نہیں تھا کہ تمام لوگ قانون کا احترام کرتے ہوں۔ سرخ روشنی کے باوجود شاہدہ کی کار ایک زناٹے سے گزرتی ہوئی آرزو کے قریب سے نکل گئی

پیار کی بازی کبھی کبھی بے ایمانی سے بھی جیت لی جاتی ہے۔ آرزو جب تک رکی رہی۔ اس وقت تک شاہدہ آگے ہی آگے بڑھتی رہی۔ ایک کراسنگ سے دوسری کراسنگ کی طرف بھاگتی رہی...... آرزو کو پتہ نہیں اور کتنے کراسنگ میں رکنا پڑتا۔ لیکن شاہدہ تو رکنا جانتی نہیں تھی۔ وہ جس چیز کو حاصل کرنا چاہتی تھی۔ اس کے لیے ہر رکاوٹ کو پھلانگ کر گزر جاتی تھی۔

ٹی وی اسٹیشن کے احاطے میں داخل ہو کر اس نے دیکھا کہ ارمان عمارت سے باہر آ رہا تھا...... اس نے کار لے جا کر اس کے سامنے روک دی۔

"تم......؟" ارمان نے اسے کار سے اترتے دیکھ کر حیرت سے پوچھا۔

"ہاں......!" وہ اٹھلاتی ہوئی قریب آگئی۔ "تمہاری آواز مجھے یہاں تک کھینچ لائی ہے۔"

ارمان نے ناگواری سے کہا۔ "مجھے گھر سے تو نکلوا دیا ہے۔ اب کیا یہاں سے بھی نکلوانے آئی ہو؟"

"جو کچھ ہوا ہے۔ مجھے اس پر افسوس ہے...... آؤ میرے ساتھ چلو' میں اپنی غلطی کی تلافی کرنا چاہتی ہوں۔"

"خدا کے لیے میرا پیچھا چھوڑو۔ میں تمہارے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گا۔"

شاہدہ نے اسے سنجیدگی سے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "اس طرح بھٹکنے سے کیا فائدہ؟...... تم نے عزیزوں' رشتے داروں کو چھوڑ دیا۔ کبھی پلٹ کر اپنے دوست ٹامی کی بھی خبر نہ لی کہ وہ بے چارہ کس حال میں ہے...... میں کل اس سے ملنے گئی تھی۔ وہ سخت بیمار ہے۔"

"ٹامی بیمار ہے......؟" ارمان نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں......! اتنا سخت بیمار ہے کہ بستر سے اٹھ بھی نہیں سکتا۔ کوئی اس کا اپنا نہیں ہے کہ حلق میں پانی ہی ڈالے......"

ارمان گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

شاہدہ نے اس کے دوستانہ جذبات ابھارتے ہوئے کہا۔ "وہ بے چارہ بے یار و مددگار پڑا ہوا ہے۔ کہیں مزدوری کرتا تھا۔ بیماری کی وجہ سے وہ بھی چھوٹ گئی۔ پتہ نہیں کیسے کھاتا پیتا ہے اور اس بیماری میں کس طرح اپنے دن گزارتا ہے؟

ارمان!...... اچھے وقتوں کے تو سب ہی دوست ہوتے ہیں لیکن برے وقت میں کوئی دوستی نہیں نبھاتا...... کیا تم بھی ایسے وقت میں اس کے کام نہیں آؤ گے؟"

"ہاں...... مگر......" وہ کہتے کہتے رک گیا۔

"اگر اس کے کام نہیں آ سکتے تو رسمی طور پر ہی اس کی عیادت کے لیے چلو۔"

"میں ضرور جاؤں گا......" اس نے فیصلہ کن انداز میں کہا...... "میرے ہوتے ہوئے وہ بے سہارا نہیں ہو سکتا۔"

"تو پھر میرے ساتھ چلو۔ میں شاداب نگر جا رہی ہوں۔"

"تمہارے ساتھ...... مگر......" اس نے کہنا چاہا۔
لیکن شاہدہ نے بات کاٹ کر کہا۔ "اگر مگر کچھ نہیں۔ اگر میرے ساتھ چلنے میں پھ
تمہیں بدنامی کا خوف ہے تو اسے دل سے نکال دو...... اتنی رات کو شاداب نگر میں کوئی ب
دیکھنے نہیں آئے گا کہ تم میرے ساتھ ٹامی سے ملنے آئے ہو۔"
ارمان نے اپنے اطمینان کے لیے کہا۔ "ٹھیک ہے اگر تم وعدہ کرو کہ مجھ سے دو
رہو گی تو میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔"
شاہدہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "تم تو مجھ سے ایسے ڈر رہے ہو' جیسے میں تمہیں کھ
جاؤں گی...... چلو' وعدہ کرتی ہوں کہ میں تمہاری مرضی کے بغیر تمہارے قریب نہیں آؤ
گی۔"
ارمان مطمئن ہو کر کار میں بیٹھ گیا۔ شاہدہ نے ڈرائیونگ سیٹ پر آ کر کار اسٹارٹ
کی...... اسی وقت آرزو کی کار احاطے میں داخل ہوئی۔ لیکن اس کے قریب آتے آتے
شاہدہ کی کار آگے بڑھ کر دوسرے گیٹ سے باہر نکل گئی۔
آرزو کار سے نکل کر تیز قدموں سے چلتی ہوئی عمارت کے اندر داخل ہو گئی۔
لیکن نتیجہ تو ظاہر ہے......
وقتی طور پر سہی...... مگر شاہدہ اسے مات دے گئی تھی......

ارمان کو اچانک اپنے سامنے دیکھ کر ٹامی بستر سے اچھل کر کھڑا ہو گیا اور دوڑتا ہوا آ کر اس کے گلے سے لگ گیا۔
اس کا بدن بخار سے جل رہا تھا۔
اس نے ہولے ہولے کھانستے ہوئے کہا۔ "کہاں چھپ گئے تھے ارمان؟...... کیا دوستی اسی طرح نبھائی جاتی ہے۔"
ارمان نے بات کا رخ بدل کر ہنستے ہوئے کہا۔ "شاہدہ نے تو کہا تھا کہ تم بستر سے اٹھ بھی نہیں سکتے۔ چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے ہو......"
"اگر وہ ایسا نہ کہتی تو شاید تم آج بھی نہ آتے۔"
شاہدہ نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ "دیکھ لو ٹامی!...... میں نے تمہارے دوست کو کس طرح ڈھونڈ نکالا ہے۔"
"ہاں شاہدہ!...... تم نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے اگر تم ساتھ نہ لاتیں تو شاید اسے ایک غریب دوست کبھی یاد نہ آتا۔"
"مجھے شرمندہ نہ کرو ٹامی!......" ارمان نے کہا...... "چلو تمہیں بخار ہے بستر پر آرام سے لیٹ جاؤ۔"
ٹامی اس کے ساتھ چلتا ہوا آ کر بستر پر بیٹھ گیا۔
شاہدہ نے کہا۔ "ٹامی! تم لوگ باتیں کرو۔ میں جب تک کھانے پینے کا انتظام کرتی ہوں۔"
"نہیں، تم تکلیف نہ کرو......" ارمان نے کہا۔ "میں جا کر ہوٹل سے کچھ لے آؤں گا۔"

شاہدہ نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ ”یہ شہر نہیں ہے کہ اتنی رات تک ہوٹل کھلے رہیں گے۔ میں اپنے گھر سے کچھ لے کر آتی ہوں...... میں نے وعدہ کیا تھا۔ ارمان!...... کہ میں تمہاری مرضی کے بغیر تمہارے قریب نہیں آؤں گی۔ لیکن یہ تو نہیں کہا تھا کہ تمہاری خدمت بھی نہیں کروں گی...... تم ثامی کے مہمان ہو اور ثامی اس وقت بیمار ہے۔ لہٰذا اس کی طرف سے میں میزبانی کا فرض انجام دوں گی۔“

یہ کہہ کر وہ کچھ سنے بغیر کمرے سے چلی گئی۔

ارمان نے بے بسی سے سر ہلا کر کہا۔ ”کم بخت! کمبل کی طرح لپٹ جاتی ہے۔ پیچھا ہی نہیں چھوڑتی۔“

”اسے چھوڑو‘ تم اپنی کہو کہ اپنا گھر چھوڑ کر اتنے عرصہ سے کہاں بھٹک رہے ہو؟“

”کوئی دوسری بات کرو ثامی!...... یہ پوچھو کہ میں نے گھر کیوں چھوڑا اور اب تک کہاں بھٹکتا رہا؟“

”یہ نہ پوچھوں تو پھر اور پوچھنے کے لیے کیا رہ جاتا ہے؟ تم میرے اس سوال کا جواب نہیں دینا چاہتے تو اس سوال کا جواب دو کہ اتنے سنگدل بن گئے ہو؟...... کیا تمہیں ماں کی یاد نہ آئی۔ جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہیں پال پوس کر اتنا بڑا کیا؟...... کیا تم نے آرزو کی محبت کو بھی بھلا دیا ہے؟...... جو تمہارے لیے دن رات تڑپتی رہتی ہے...... کیا تمہیں میری یاد بھی کبھی نہ آئی؟...... تم نے یہ کیوں بھلا دیا کہ میں تمہارے سہارے جینے کا عادی ہو گیا ہوں۔ اور ایسی بیماری کی حالت میں اور زیادہ تمہارے سہارے کی ضرورت محسوس کرتا ہوں۔“

ارمان چپ چاپ سر جھکائے اس کی باتیں سنتا رہا۔

پھر وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور بڑے ہی ٹھہرے ہوئے انداز میں کہنے لگا۔ ”ثامی!...... میں انسان ہوں‘ میرے سینے میں دل ہے‘ پتھر نہیں ہے۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ جس ماں نے مجھے جنم دیا‘ اس کے لیے میرا دل نہ تڑپا ہو گا؟“

”تو پھر تم انہیں چھوڑ کر گھر سے کیوں نکل گئے؟“

”اس گھر کی سلامتی کے لیے اور امی کی خوشی کے لیے میں ان سے دور ہو چکا ہوں۔ تم حیران ہو گے کہ بیٹے کے دور ہو جانے سے ماں کو کس طرح خوشی حاصل ہو سکتی

ہے...... لیکن میں تمہاری حیرانی دور نہ کر سکوں گا۔ کیونکہ کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو تمہارے جیسے گہرے دوست اور آرزو جیسی محبوبہ کو بھی نہیں بتائی جا سکتیں۔“

”اگر کوئی راز ہے تو میں تم سے ضد نہیں کروں گا۔ لیکن اتنا سمجھ لو کہ تمہاری رازداری کی وجہ سے تم پر بڑے بڑے الزام عائد ہو رہے ہیں؟“

ارمان نے ایک اداس سی مسکراہٹ سے کہا۔ ”الزام تو مجھ پر لگنا ہی چاہئے۔ اس لیے کہ میں نے امی اور آرزو کو پرنسپل کا خط نہیں دکھایا تھا...... کیوں نہیں دکھایا تھا؟...... اب یہ بھی نہ پوچھو۔ کبھی کبھی جان بوجھ کر اپنے سر الزام لینے میں بھی مزہ آتا ہے۔“

ثامی نے اسے حیرت اور تشویش سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”تم کچھ بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔ کبھی کہتے ہو کہ بیٹے کے دور ہو جانے سے ماں کو خوشی ہوتی ہے اور کبھی کہتے ہو کہ جان بوجھ کر اپنے سر الزام لینے میں مزہ آتا ہے...... تعجب ہے کہ بخار مجھے ہوا ہے اور ہذیان تم بک رہے ہو...... میرے دوست! میں اس الزام کی بات نہیں کر رہا ہوں جو شاہدہ کے سلسلے میں تم پر لگایا گیا ہے...... تمہارے متعلق تو یہ کہا جا رہا ہے کہ تم تین لاکھ روپے لے کر گھر سے نکلے ہو......“

”تین لاکھ روپے......!“ اس نے حیرت اور گھبراہٹ سے کہا...... ”یہ جھوٹ ہے‘ گھر سے نکلتے وقت میری جیب میں صرف پچاس روپے تھے۔“

”لیکن تمہارے بھائی جان کا کہنا ہے کہ انہوں نے بینک میں جمع کرانے کے لیے تمہیں یہ رقم دی تھی۔ لیکن تم نے اسے جمع نہیں کروایا۔“

”یہ جھوٹ ہے......!“

”لیکن تم نے گھر چھوڑ کر انہیں یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ وہ رقم تم نے ہی لی ہے۔ کیونکہ کوئی بھی شخص کسی ٹھوس وجہ کے بغیر اپنا گھر اور اپنے عزیزوں کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔“

ارمان نے پریشان ہو کر کہا۔ ”میں تمہیں کیسے یقین دلاؤں ثامی! کہ میں نے ایسی حرکت نہیں کی ہے۔ میں سب کچھ کر سکتا ہوں لیکن گھر والوں سے نمک حرامی نہیں کر سکتا۔“

نمک حرامی کا کیا مطلب ہے......؟“ ثامی نے چونک کر پوچھا...... ”وہ تمہارا گھر ہے۔

کسی غیر کا گھر نہیں ہے کہ تم نمک کا واسطہ دے رہے ہو۔"

ارمان گھبرا سا گیا۔ اس کی زبان سے بے اختیار وہ بات نکل گئی تھی۔ جسے وہ
میں رکھنا چاہتا تھا۔

اس نے اپنی غلطی کو نبھانے کے لیے کہا۔ "میرا مطلب یہ ہے کہ میں جب ا
گھر کو چھوڑ چکا ہوں تو اب وہ میرا گھر نہیں رہا...... اب تک وہاں جو کچھ کھاتا اور پہنتا
ہوں' مجھے اس کا کچھ نہ کچھ صلہ تو دینا ہی چاہئے۔
لیکن...... میں امی کے سامنے نہیں جا سکتا۔"

ثامی نے اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس کا مطلب یہ ہے کہ آ
سے تمہارا کوئی جھگڑا ہے۔"

"میں امی سے ایسی گستاخی نہیں کر سکتا...... بس' میری کوئی مجبوری سمجھ لو کہ
ان کے سامنے نہیں جا سکتا۔"

ثامی کا ذہن الجھنے لگا کہ آخر ارمان کس مجبوری کا شکار ہو گیا ہے۔ الجھن اس با
کی تھی کہ وہ بہت حد تک ضدی واقع ہوا تھا۔ ہزار اصرار کے باوجود وہ اپنی مجبوری
اظہار نہ کرتا...... ثامی بے چارہ کیا جانتا کہ وہ روشن سے کیا ہوا وعدہ نبھا رہا ہے۔ رو
نے اس سے کہا تھا کہ اگر وہ گھر چھوڑ کر نہیں جائے گا تو وہ خود ہی ماں کو چھوڑ کر چلا جا
گا...... ارمان کے ضمیر نے یہ گوارا نہیں کیا تھا کہ اس کی وجہ سے ایک سگا بیٹا اپنی ماں
بچھڑ جائے۔ اسی لیے وہ خود ہی ان کی زندگی سے دور چلا آیا تھا۔

ثامی نے بڑی سوچ بچار کے بعد ارمان سے کہا۔ "ٹھیک ہے تم امی کے سامنے
جاؤ...... لیکن آرزو اور انکل کے سامنے اپنی صفائی پیش کر دو کہ تم نے وہ بیس لاکھ کی
نہیں لی ہے۔ وہ دونوں تم پر اعتماد کرتے ہیں اور تمہاری کمی کو شدت سے محسوس کر
ہیں۔ ...... تم ایک بار ان سے مل لو۔ اس کے بعد تمہیں آنٹی کے سامنے جانے
ضرورت نہیں ہوگی۔ وہ لوگ لاہور جائیں گے تو تمہاری امی کی غلط فہمی کو دور کر د
گے۔"

ارمان نے جواب نہیں دیا' سوچتا ہی رہ گیا۔

ثامی نے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "میں تمہارے گھریلو معاملات میں دخل اندازی نہ

روں گا۔ میں تم سے یہ نہیں کہوں گا کہ تم گھر واپس جاؤ اور اپنی امی سے ملو...... لیکن اتنا
رور کہتا ہوں کہ بیس لاکھ کی چوری کا الزام ایک بہت بڑا الزام ہے۔ اس لیے اپنی دیانت
ری کا یقین دلانے کے لیے تمہیں انکل کے پاس ضرور جانا چاہئے۔"

"ہاں......!" ارمان نے سر ہلاتے ہوئے کہا...... "مجھے انکل سے ضرور ملنا چاہئے۔"

ثامی نے خوش ہو کر کہا۔ "اور آرزو سے بھی ضرور ملنا' تمہارے متعلق اس کی
اری غلط فہمیاں دور ہو گئی ہیں۔ میں نے اپنی پیٹھ کا زخم دکھا کر اسے یقین دلا دیا تھا کہ
اہدہ سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

ارمان نے مسکرا کر اسے دیکھا اور قریب آ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے
کہا۔ "جس دن سے آرزو شاداب نظر آئی ہے۔ اسی دن سے میرا دل کہہ رہا تھا کہ تم
ستی کا فرض نبھاؤ گے اور غلط فہمی دور کرو گے...... ثامی! میں نے فرض سے مجبور ہو کر
ں کو چھوڑ دیا۔ لیکن محبت مجبور کرتی رہی کہ میں آرزو کو نہ چھوڑوں...... امی اگر میری
رورت محسوس کرتی ہیں تو بھائی جان اس کمی کو پورا کر سکتے ہیں...... لیکن آرزو کی زندگی
ں جو المیہ پیدا ہو گیا ہے۔ اس المیے کو میرے سوا کوئی دور نہیں کر سکتا۔

لیکن میں اب تک اس خیال سے کتراتا رہا کہ اگر میں نے آرزو سے ملاقات کی تو
ہ ضد کرے گی کہ میں امی سے بھی جا کر ملوں۔"

"تعجب ہے ارمان! تم محض اپنی امی سے نہ ملنے کے لیے ہم سب سے کتراتے
رہے۔ مجھے تو اپنے کانوں سے سن کر اور آنکھوں سے دیکھ کر بھی یقین نہیں آ رہا ہے
تمہارے جیسا لائق اور سعادت مند بیٹا اس طرح اپنی ماں سے بیزاری ظاہر کر سکتا ہے۔"

"بیزاری نہ کہو ثامی!...... امی کی عظمت کے سامنے میرا سر ہمیشہ جھکا رہے گا۔ میں
جو کچھ بھی کر رہا ہوں۔ ان کی خوشی کے لیے کر رہا ہوں۔"

ثامی نے گہری سانس لے کر کہا۔ "میری کھوپڑی میں اتنا بھیجا نہیں ہے کہ میں ماں
بیٹے کے فلسفے کو سمجھ سکوں...... بہرحال میری یہ خواہش ہے کہ تم آرزو سے جا کر ضرور
ملو۔"

ارمان کے لبوں سے ہلکی ہلکی مسکراہٹ جھلکنے لگی۔ آرزو کا تصور ہی اتنا خوشگوار تھا
کہ چہرے پر آپ ہی آپ تازگی آ جاتی تھی...... اس نے دور کہیں پھولوں کی انجمن میں

دیکھا۔ اتنے سارے پھولوں میں اتنی ساری خوشبوؤں کے درمیان ایک جوڑا مہک رہا تھا۔
اس نے بڑی آہستگی سے کہا۔ "تم اس سے ملنے کے لیے کہہ رہے ہو ثامی!......
میں اس سے دور کب رہا ہوں؟...... وہ نہیں جانتی...... کوئی نہیں جانتا کہ میں کتنی بار اس کے قریب آچکا ہوں...... کتنی ہی بار اس کی یاد مجھے یہاں تک کھینچ لائی ہے۔"

"تم یہاں آئے تھے......؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"کئی بار......!" ارمان نے مسکرا کر کہا...... "ایک بار میں نے اس کے جوڑے میں پھول بھی لگایا تھا لیکن وہ نہیں جانتی۔"

ثامی نے منہ بنا کر کہا۔ "آج تم الٹی سیدھی ہانکے جا رہے ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم پھول لگاؤ اور آرزو کو پتہ نہ چلے...... یار واقعی تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے...... آؤ میرے ساتھ بستر پر لیٹ جاؤ۔"

ارمان نے ہنستے ہوئے کہا۔ "احمق کہیں کے...... جس وقت میں نے پھول لگایا تھا۔ اس وقت وہ اپنے کمرے میں سو رہی تھی اور نیند میں مسکرا رہی تھی...... میں جانتا ہوں' وہ نیند میں بھی میرے لیے مسکراتی ہے۔ لیکن میں کیا کروں' میں اسے بیدار نہیں کر سکتا تھا...... میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ اس کے سامنے کیوں نہیں آنا چاہتا تھا...... اسی لیے میں چپ چاپ اس کے جوڑے میں پھول لگا کر چلا گیا۔"

"ہم......!" ثامی نے کہا...... "تم محبت بھی کرتے ہو تو ایک مجرم کی طرح...... ارے او سنگدل! اتنا تو سوچا ہوتا کہ اس پھول نے اسے اور کتنی شدت سے تڑپایا ہوگا۔ کس طرح وہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر ان ہاتھوں کو تلاش کرتی ہوگی جو چپکے سے پھول لگا کر چلے گئے۔"

"ہاں' یہ سنگدلی ہے۔" ارمان نے اعتراف کیا۔
"لیکن بعض اوقات اپنی محبت کو قائم اور دائم رکھنے کے لیے سنگدل بھی بننا پڑتا ہے۔

"ثامی!...... اگر یہ معلوم ہو جائے کہ دنیا والے تمہاری محبت کو چھین لینا چاہتے ہیں۔

اگر یہ احساس ہو جائے کہ تمہاری محبوبہ کے دل میں غلط فہمی کا زہر پھیل رہا

... تو پھر چپکے سے اپنی محبت کا یقین دلا کر چھپ جاؤ...... سنگدل بن جاؤ...... کبھی
...نے نہ آؤ......"

"تمہارے پیار کی یہ ظالم ادا اسے عمر بھر تڑپاتی رہے گی۔
یقین نہ ہو تو جا کر آرزو کے دل سے پوچھو...... کہ اس کی سیج پر وہ پھول کس طرح
...ہے...... جو ایک رت اچانک اس کے جوڑے میں کھل گیا تھا۔
وہ پھول ہر رات ایک دستک کی طرح جاگتا رہے گا...... اور کسی کی آمد کا یقین دلاتا
...ے گا۔ اور......"

وہ ثامی کے پاس سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔
"اب تو یہ انتظار ختم ہو چکا ہے...... میں اس سے ملنے جا رہا ہوں۔"

عصمت سر جھکائے افضل کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی اور اپنے ماضی کی داستان
رہی تھی۔

افضل یہ سن کر حیران تھا کہ ارمان...... عصمت کا اپنا بیٹا نہیں ہے...... حیرت ک
بات ہی تھی۔ کہ عصمت کا عزیز ترین بھائی ہونے کے باوجود اب تک یہ نہ جان سکا تھا
بہن نے پرائی اولاد کو گود لیا ہے۔ یہ عصمت کی اعلیٰ ظرفی تھی کہ اس نے کبھی بیٹے
ساتھ امتیازی سلوک نہیں کیا تھا۔ دونوں بیٹوں کو ایک ہی نظر سے دیکھتی رہی تھی۔ گھر
چھوٹی چھوٹی چیز سے لے کر اپنے شوہر کی جائیداد تک میں ارمان کو برابر کا حصہ دار ب
تھا۔ پھر افضل یا دوسرے رشتے دار کیسے جان سکتے تھے کہ وہ ایک لے پالک لڑکا ہے۔

"عصمت!...... تمہیں یہ بات مجھ سے نہیں چھپانا چاہیے تھی۔ میں کوئی غیر تو نہی
تھا۔"

"میں جانتی تھی کہ آپ یہ شکایت کریں گے...... لیکن بھائی جان! میں نے ا
روشن کے ابا نے ایک دوسرے سے وعدہ کیا تھا کہ ہم یہ راز کبھی کسی پر ظاہر نہیں کر
گے۔ پھر آپ ہی سوچیے کہ میں اپنے خاوند سے کیے ہوئے وعدے کو کس طرح ت
دیتی؟"

"ہم......!" افضل نے کہا...... "لیکن آج تم اس وعدے سے پھر گئی ہو؟"

"ارمان کی حرکتوں سے مجبور ہو کر میں آپ کو یہ حقیقت بتا رہی ہوں۔ اس
میری ڈائری چرا لی تھی اور اس راز سے واقف ہو گیا تھا کہ وہ میرا بیٹا نہیں ہے
شرافت کا تقاضا تو یہ تھا کہ راز معلوم ہونے پر وہ میری اور زیادہ عزت کرتا۔ اور م
بے لوث ممتا کی قدر کرتا لیکن اس نے دوسرے ہی انداز میں سوچا۔

اس نے سوچا کہ وہ ایک لاوارث لڑکا ہے۔ شاید روشن اسے باپ کی جائیداد میں
حصہ نہیں دے گا۔ اس لیے بیس لاکھ روپے کو غنیمت جان کر اپنے ساتھ لے گیا۔"

افضل نے سوچتے ہوئے کہا۔ "ہاں...... اب یہ بات دل کو لگتی ہے کہ وہ گھر چھوڑ
کیوں چلا گیا...... پہلے میں حقیقت سے واقف نہیں تھا۔ میں تو یہی سوچ رہا تھا کہ ایک
اپنے باپ کی آدھی جائیداد کا حقدار ہو کر بیس لاکھ روپے کے لالچ میں نہیں آ سکتا......
حال اب بات صاف ہو گئی ہے۔ شاید اسی لیے وہ مجھ سے بھی ملنے نہیں آیا۔
یہ ٹھیک ہے کہ تم نے اسے جنم نہیں دیا ہے لیکن ایک سگی ماں سے بھی زیادہ تم
اس سے محبت کی ہے۔ اسے اپنا دودھ پلایا ہے مگر وہ ایسا بے مروت نکلا کہ پلٹ کر
پھر بھی نہیں آیا۔

"میرے نصیب ہی ایسے ہیں بھائی جان! میں نے بارہا اس کی حمایت کرتے ہوئے
شن کو برا بھلا کہا ہے۔ وہ تو خیریت ہوئی کہ ڈائری اس کی کتابوں میں مل گئی۔ ورنہ میں
پنے ہی بیٹے پر شبہ کر رہی تھی۔"

"واقعی...... میں بھی یہی سوچ رہا تھا کہ روشن نے وہ رقم ارمان کو نہیں دی ہے
خواہ مخواہ اس پر الزام لگا رہا ہے۔ لیکن حالات نے ثابت کر دیا ہے کہ روشن دیانت
اور نیک سیرت لڑکا ہے۔"

"بھائی جان! آج میں نے اس لیے بھی ارمان کی اصلیت بیان کر دی ہے کہ آپ
ے بیان کی روشنی میں خود فیصلہ کریں کہ کون اچھا لڑکا ہے اور کون برا؟"

"فیصلہ ہو چکا ہے۔ پہلے میں نے ارمان کو ذاتی طور پر اپنے ہاں بلانے کی حماقت کی
ہا۔ اب اگر وہ کبھی آیا بھی تو میں اسے دھکے دے کر یہاں سے نکلوا دوں گا۔"

"آپ اس کے آنے جانے کی بات کر رہے ہیں۔ میں تو اس کا نام تک سننا پسند
ں کرتی...... اچھا ہوا کہ ایک الجھن دور ہو گئی۔ پہلے یہ فیصلہ کرنا دشوار تھا کہ میں آرزو
کس بیٹے کی دلہن بناؤں گی...... اب تو ایک ہی بیٹا رہ گیا ہے۔ خدا اسے ہمیشہ سلامت
کھے...... میں آپ کے پاس یہی آرزو لے کر آئی ہوں کہ آپ روشن کو اپنی فرزندی میں
ل کر لیں۔"

"ہاں...... اب یہ رشتہ بھی طے ہو جانا چاہیے......" افضل نے کہا...... "پہلے انتخاب

کا مسئلہ آرزو پر چھوڑا گیا تھا...... لیکن جب لڑکا ایک ہی رہ گیا ہو تو پھر کسی انتخاب کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا......"

اسی وقت ملازم نے آکر کہا۔ "صاحب جی! کوئی ارمان صاحب آپ سے ملنے آئے ہیں۔"

"ارمان!......" افضل اور عصمت نے بیک وقت حیرت سے کہا اور ایک دوسرے کو تکنے لگے۔

لیکن یہ کوئی ضروری تو نہیں تھا کہ یہ وہی ارمان ہو، جس کے متعلق ابھی وہ باتیں کر رہے تھے......

افضل نے ملازم سے پوچھا۔ "کون ارمان صاحب! کیسے آدمی ہیں وہ؟"

"نوجوان سے ہیں۔ کہتے ہیں کہ آپ ان کے انکل ہیں۔"

عصمت کے سینے دل میں شدت سے دھڑکنے لگا۔ ابھی اس نے کہا تھا کہ وہ اس کا نام تک سننا نہیں چاہتی۔ ابھی اس نے اپنی شدید نفرت کا اظہار کیا تھا۔ لیکن کم بخت دل اس کی نفرت کے خلاف اور اس کے فیصلے کے خلاف ایک بے مروت بیٹے کے لیے دھڑکنے لگا تھا۔

افضل نے اپنے ملازم سے کہا۔ "جاؤ!...... اس سے کہہ دو کہ میں نہیں مل سکتا۔"

عصمت نے چونک کر سر اٹھاتے ہوئے دیکھا۔

"نہیں، نہیں بھائی جان...... اسے بلا لیجئے!"

"کیا......؟" اس نے بہن کو حیرت سے دیکھا...... "ابھی تم اس کی صورت بھی دیکھنا نہیں چاہتی تھیں۔"

"آں......!" عصمت نے ہچکچاتے ہوئے کہا...... "ہاں ہاں...... مگر وہ آ گیا ہے نا!...... پتہ نہیں کہاں سے بھٹکتا ہوا آیا ہے۔"

"کہیں سے بھی آیا ہو۔ ہمیں کیا لینا ہے......" افضل نے سختی سے کہا۔

"وہ...... وہ تو ٹھیک ہے...... پر وہ اتنی رات کو کہاں جائے گا......" اس کے لہجے میں تڑپ سی پیدا ہو گئی...... "اسے بلا لیجئے بھائی جان!"

"تم عورتوں کو سمجھنا بہت مشکل ہے......" اس نے بے بسی سے کہا اور پھر ملازم

مخاطب کیا...... "جاؤ اسے اندر بھیج دو۔"

ملازم سر جھکا کر چلا گیا۔

عصمت نے التجا کرتے ہوئے کہا۔ "وہ ابھی بچہ ہے بھائی جان!...... بڑے بڑوں سے غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ آپ اسے کوئی سخت بات نہیں کہیں گے۔ ورنہ پھر وہ کسی غلط راستے پر چل نکلے گا۔"

"تم عجیب عورت ہو۔ ابھی تو تم اسے برا بھلا کہہ رہی تھیں اور اب پھر اس کی حمایت کرنے پر تل گئی ہو۔"

"میں کیا کروں سمجھ میں نہیں آتا...... زبان سے اس کے لیے بددعائیں نکلتی ہیں۔ لیکن دل پھر بھی دعائیں دیتا رہتا ہے۔ میں عجیب کشمکش میں پڑ گئی ہوں۔"

افضل نے جواباً کچھ کہنا چاہا لیکن پھر وہ خاموش ہو گیا۔ اسی وقت ارمان نے ڈرائنگ روم میں قدم رکھا۔

وہ یہاں افضل سے ملنے آیا تھا۔ اس نے یہ سوچا بھی نہیں تھا کہ اس کی امی لاہور سے یہاں آئی ہوں گی اور اس وقت اچانک ان سے سامنا ہو جائے گا...... ماں کو دیکھتے ہی اس کے بڑھتے قدم رک گئے۔

لمحہ بھر کے لیے دونوں کی نظریں ٹکرائیں...... ماں کی آنکھوں میں شکایت تھی اور بیٹے کی آنکھوں میں ندامت...... ماں نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔

ارمان نے زندگی میں پہلی بار ماں کی یہ بے رخی دیکھی تھی۔ وہ آخر کو ماں ہی تھی۔ برسوں کے اس مشفق اور مہربان چہرے کی یہ بے رخی اسے تڑپا گئی...... وہ "امی" کہہ کر دوڑتا ہوا آیا اور اس کے قدموں پر گر پڑا۔

اس کے دونوں ہاتھ ماں کے پیروں کو تھامے ہوئے تھے۔

اس نے اپنا سر اس کی گود میں رگڑتے ہوئے کہا۔ "مجھے معاف کر دیجئے امی!...... میں نے آپ کا دل دکھایا ہے۔"

عصمت کی آنکھوں میں آنسو رواں تھے۔

اس نے شکایتاً کہا۔ "میرے دل کے دکھنے کا احساس تمہیں آج ہوا ہے۔"

"آج بھی احساس نہیں ہوا عصمت!"...... افضل نے کہا...... "تمہیں سامنے دیکھ کر رسمی طور سے یہ بات کہہ رہا ہے۔ ورنہ تو ایسا بے مروت ہے کہ میری بیماری کی خبر پڑھ کر بھی مجھ سے ملنے نہیں آیا۔"

ارمان نے ماں کی گود سے سر اٹھا کر کہا۔ "ایسا نہ کہیں انکل!...... اخبار پڑھنے کے بعد میں ایک رات آپ سے ملنے آیا تھا۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ آپ حقیقتاً بیمار نہیں تھے۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو؟" افضل نے کہا۔

ارمان نے کھڑے ہو کر ایک نظر ماں پر ڈالی اور جواباً بولا۔ "امی جانتی ہیں کہ میں نے آج تک ان کے سامنے کبھی جھوٹ نہیں کہا...... میں اپنی بات کا یقین دلانے کے لیے اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اس رات میری آہٹ پا کر سب سے پہلے آرزو دوڑتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آئی تھی۔ اس کے بعد آپ اور بھائی جان اپنے اپنے کمرے سے نکل کر آئے تھے۔ بھائی جان نے ڈرائنگ روم کا دروازہ بھی دیکھا تھا جو اندر سے کھلا ہوا تھا۔"

بات بہت پرانی ہو چکی تھی۔ افضل کی بوڑھی یادداشت میں وہ اچھی طرح محفوظ نہیں تھی۔ وہ اپنے ذہن پر زور دینے لگا......

ارمان نے کہا۔ "اگر آپ کو یاد نہ آرہا ہو تو کم از کم اس عجیب و غریب بات کو سوچئے کہ اس رات سوتے وقت آرزو کے جوڑے میں ایک پھول لگا ہوا تھا......"

افضل کی نظروں میں یکبارگی وہ منظر گھوم گیا...... آرزو کے جوڑے میں ایک پھول مسکرا رہا تھا...... افضل کے پوچھنے پر وہ کچھ گھبرا رہی تھی اور کچھ شرما رہی تھی۔ اور باپ کے سوال سے کترا کر اپنے کمرے کی طرف خاموشی سے سر جھکائے جا رہی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے وہ اس کمرے سے ارمان کو پکارتی ہوئی نکلی تھی۔

اور آج ارمان کہہ رہا تھا کہ وہ اس رات وہاں موجود تھا۔ آج ارمان کے اعتراف سے وہ پھول اپنی کہانی مکمل کر رہا تھا کہ وہ کن ہاتھوں سے گزر کر آرزو کے جوڑے تک پہنچا تھا۔

افضل نے ایک جھٹکے سے کھڑے ہو کر بڑی سختی سے پوچھا۔ "تو اس رات تم صرف میرے کمرے ہی میں نہیں آئے تھے۔ بلکہ آرزو کے کمرے میں بھی گئے تھے؟"

"جی ہاں......!"

"اور وہ پھول......؟" افضل نے غرا کر پوچھا۔

ارمان نے سر جھکا لیا...... اس کی خاموشی کہہ رہی تھی کہ وہ پھول اسی نے جوڑے میں لگایا تھا۔

"آوارہ...... بدمعاش!"...... افضل نے گرج کر کہا...... "جب تم جان چکے تھے کہ تم عصمت کے بیٹے نہیں ہو۔ تمہارے خاندان سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے...... پھر تم نے میری بیٹی کے کمرے میں جانے کی جرات کیسے کی؟"

عصمت گھبرا کر کھڑی ہوگئی۔ "بھائی جان!...... خدا کے لیے دماغ ٹھنڈا رکھیے۔ ذرا نرمی سے گفتگو کیجیے۔"

"یہ لڑکا میری غیرت کو للکارے اور میں نرمی سے گفتگو کروں۔ تم اپنی ممتا سے مجبور ہو لیکن میں ایک باپ کی حیثیت سے کس طرح برداشت کروں کہ یہ رات کے وقت چوروں کی طرح میری بیٹی سے ملنے آیا تھا۔

یہ میرا گھر ہے عصمت!...... پرنسپل کی کوٹھی نہیں ہے کہ کسی ناچنے والی سے ملنے چلا آئے۔ ایسے آوارہ لڑکے کی نظروں میں شریف زادی اور طوائف زادی کی کوئی تمیز نہیں ہوتی۔ یہ ہر گھر کو طوائف کا کوٹھا سمجھ کر رات کے اندھیرے میں چلا آتا ہے...... اس سے پوچھو کہ یہ مجھ سے ملنے آیا تھا تو پھر ملے بغیر چوروں کی طرح واپس کیوں چلا گیا؟"

ارمان افضل کے بدلے ہوئے رویے پر حیران تھا۔

اس نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔ "انکل!...... میں گھر سے عہد کر کے نکلا تھا کہ آئندہ کسی کو اپنی صورت نہیں دکھاؤں گا۔ لیکن آپ کی بیماری کی خبر پڑھ کر دل نے مجھے مجبور کر دیا تھا کہ میں آپ کی عیادت کے لیے یہاں آؤں...... لیکن یہاں آ کر جب مجھے پتہ چلا کہ آپ بیمار نہیں ہیں تو میں پھر اپنے عہد کا پابند ہوگیا۔ اس رات نہ تو سامنے آپ سے ملاقات کی تھی اور نہ ہی آرزو کو اپنی شکل دکھائی تھی۔"

"یہی تو میں پوچھ رہا ہوں کہ تم نے مجھ سے ملاقات کیوں نہیں کی؟ کس لیے ہم سے چھپتے پھر رہے ہو؟...... کیا اس لیے کہ گھر سے بیس لاکھ کی رقم لے جا کر منہ دکھانے

کے قابل نہیں رہے ہو......؟"

"یہ مجھ پر الزام ہے۔ بیس لاکھ تو کیا' میں نے بیس ہزار بھی بھائی جان سے وصول نہیں کیے ہیں۔"

"تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ روشن جھوٹ کہہ رہا ہے؟...... افضل نے کہا۔

"اگر انہوں نے بیس لاکھ روپے کی چوری کا الزام مجھ پر لگایا ہے تو یقیناً وہ جھوٹ کہہ رہے ہیں۔"

"ارمان......!" عصمت نے ڈانٹ کر کہا...... "میں روشن کے خلاف ایک لفظ بھی سننا نہیں چاہتی۔ تم سے بے جا لاڈ پیار کرتے ہوئے میں نے اس کے ساتھ بہت زیادہ زیادتیاں کی ہیں۔ لیکن اب اپنے جیتے جی اس کے ساتھ کوئی زیادتی برداشت نہیں کر سکتی۔"

"لیکن امی! میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے وہ روپے......"

"بس، ختم کرو اس جھگڑے کو......" عصمت نے اس کی بات کاٹ کر کہا...... "ان روپوں کی نہ تو میری نظروں میں کوئی اہمیت ہے اور نہ ہی میں تھانے میں تمہارے خلاف کوئی رپورٹ لکھوا رہی ہوں...... خدا گواہ ہے کہ میں تم سے شکایت تو کرتی ہوں لیکن نفرت نہیں کرتی...... مجھے تمہاری خوشیاں عزیز ہیں۔ تم مجھ سے دور رہ کر خوش ہو تو خدا مجھ بدنصیب کو ہمیشہ تم سے دور رکھے...... لیکن بیٹے! تم سے میری ایک التجا ہے۔ اگر اسے پورا کر سکتے ہو تو کر دو۔ میں زندگی بھر احسان نہیں بھولوں گی۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں امی!...... آپ التجا نہیں کریں، حکم دیں لیکن پہلے مجھے اپنی طرف سے صفائی پیش کرنے کا موقع دیجئے۔"

"تم پر جتنے بھی الزام عائد ہوئے ہیں' ان تمام الزامات کو میں بخوشی واپس لے رہی ہوں۔ پھر تم کس الزام کی صفائی پیش کرنا چاہتے ہو۔"

پچھلی تمام باتوں کو بھول جاؤ ارمان!...... اب تم پر کوئی انگلی نہیں اٹھائے گا...... ہاں اب جو کچھ ہونے والا ہے۔ اس کے لیے میں التجا کرتی ہوں کہ آئندہ ایسی حرکت نہ کرو۔ جس سے بھائی جان کے دل کو تکلیف پہنچے...... کیونکہ میں ایک ماں ہو کر تمہاری ہر خطا کو معاف کر سکتی ہوں۔ لیکن بھائی جان تمہیں معاف نہیں کریں گے۔"

"ابھی تم نے بھائی جان کی باتوں سے یہ اچھی طرح سمجھ لیا ہو گا کہ وہ آرزو سے تمہارا میل جول پسند نہیں کرتے ہیں...... میں نے بھی آج روشن کے لیے آرزو کے رشتے کی بات کی ہے۔ اس لیے میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ تم آئندہ آرزو سے نہ ملو۔"

ارمان کا ذہن یکبارگی جھنجھنا سا گیا...... وہ آرزو سے کسی طرح دور رہ سکتا تھا؟...... اسی سے ملنے کے لیے تو وہ مدتوں بعد یہاں آیا تھا...... وہ آرزو کو کس طرح چھوڑ دے؟ سارے رشتوں کو چھوڑنے کے باوجود اس لڑکی نہ چھوڑ سکا تھا۔ اکثر چوری چھپے آ کر اسے دیکھ لیا کرتا تھا۔

"امی!...... آپ کا حکم سر آنکھوں پر...... لیکن میں ایک بات پوچھتا ہوں کہ اگر میں آپ کی نظروں میں ملزم اور عیبی نہیں ہوں تو آپ لوگوں نے یہ پابندیاں کیوں لگا دی کہ میں آرزو سے نہ ملوں۔"

"یہ پابندی اس لیے نہیں ہیں کہ میں تمہیں ملزم سمجھتی ہوں۔ بلکہ اس لیے کہ تمہارے آنے سے پہلے ہی ہم نے روشن اور آرزو کا رشتہ طے کر دیا ہے۔ اس لیے میں تم سے التجا کر رہی ہوں کہ جو رشتہ بن رہا ہے' تم اسے یہاں آ کر بگڑنے نہ دو۔"

"یہ آپ کیسی التجا کر رہی ہیں امی!...... کہ میں آپ سے فریاد بھی نہیں کر سکتا۔"

عصمت نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ لڑکا کیسا تنہا تنہا سا اور اجڑا اجڑا سا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ آرزو بھی اس لڑکے کو پسند کرتی ہے۔ اس نے سوچا بھی یہی تھا کہ وہ آرزو کو اسی لڑکے کی دلہن بنا کر لائے گی۔

لیکن سوچی ہوئی باتیں' اکثر عملی صورت اختیار نہیں کرتیں۔ وہ ارمان سے بدظن ہو کر روشن کے لیے رشتہ طے کر چکی تھی۔ اس کے علاوہ افضل نے بھی روشن کو پسند کیا تھا اور ارمان سے نفرت کا اظہار کیا تھا۔

اب آرزو کسی بھی صورت میں ارمان کی دلہن نہیں بن سکتی تھی۔

"ارمان......!" عصمت نے کہا...... "تم مجھے آزمائش میں نہ ڈالو۔ میں اگر تمہاری ماں بن کر انصاف کروں گی تو روشن میری ممتا کی دہائی دے گا...... کیا تم بھائی ہو کر بھائی سے دشمنی کرنا چاہتے ہو۔

کیا میں نے اسی دن کے لیے تمہیں بیٹا بنایا تھا کہ تم میرے ہی بیٹے کی خوشیوں

کے دشمن بن جاؤ۔"

ارمان چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ عصمت کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔ وہ ایک لے پالک بیٹے سے اپنے سگے بیٹے کی خوشیاں مانگ رہی تھی۔

ارمان کے دل نے کہا۔ "اے لاوارث لڑکے تو اسی لیے تو گھر سے نکلا تھا کہ ماں اپنے سگے بیٹے کی خوشیوں میں خوش ہو کر رہے..... اب آزمائش کی گھڑی آگئی ہے تو پھر ہچکچاہٹ کیسی؟"

عصمت نے اس کے قریب آتے ہوئے آنسو بھرے لہجے میں کہا۔ "اگر تم میری التجا کو نہیں سمجھتے..... نہ سمجھو!..... اگر تم میری خوشیوں کو محسوس نہیں کرتے تو نہ کرو۔ لیکن اس آنچل کی لاج رکھ لو....." اس نے ارمان کے سامنے اپنا آنچل پھیلا کر کہا۔ "یہ وہی آنچل ہے..... جو بچپن میں تمہارے آنسو پونچھا کرتا تھا..... یہ وہی آنچل ہے' جو بچپن میں جھولا جھلایا کرتا تھا..... لیکن آج یہ جھولی بن کر تمہارے سامنے پھیل گیا ہے۔

ہو سکے تو میرے گھر کی خوشیاں خیرات کے طور پر اس جھولی میں ڈال دو......"

"بس کیجئے امی......!" ارمان نے تڑپ کر ماں کے آنچل کو تھام لیا...... "آپ کے پھیلے ہوئے آنچل نے مجھے میری ہی نظروں میں گرا دیا ہے...... میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ بھائی جان کی خوشیاں سلامت رہیں گی۔

میں نے آپ کا دودھ پیا ہے امی.....! آپ اطمینان رکھیں..... میں اس دودھ کا حق ضرور ادا کروں گا....."

یہ کہتے کہتے اس کی آواز بھرا گئی' جیسے سارے آنسو اس کے حلق میں آ پھنسے ہوں۔

ماں کی طرف سے منہ پھیرتے ہوئے افضل پر ایک نظر ڈالی...... "خدا حافظ......" کہتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

عصمت نے پکار کر کہا۔ "ارمان..... رک جاؤ' اتنی رات کو کہاں..... جاؤ گے.....؟"

"اب مجھے نہ روکیں امی!...... مجھے آپ لوگوں کی خوشیاں عزیز ہیں...... اگر میرے دور ہو جانے سے آپ لوگ خوش رہیں تو خدا مجھ بدنصیب کو ہمیشہ آپ لوگوں سے دور رکھے۔"

اتنا کہہ کر وہ تیزی سے پلٹ گیا اور ڈرائنگ روم کے دروازے سے نکل کر باہر چ والے برآمدے میں آگیا۔

باہر رات اندھیری تھی اور لحہ بہ لحہ گہری ہوتی جارہی تھی...... راستے کے کنارے ، طرز کے لیمپ پوسٹ اونگھ رہے تھے اور اپنی اندھی روشنی پھیلانے کی ناکام کوشش رہے تھے۔

وہ تھکے ہوئے قدموں سے جا رہا تھا..... اور اپنے آپ کو یقین دلا رہا تھا کہ اب اس دل میں کوئی آرزو نہیں ہے..... جو تھی' وہ مرچکی ہے..... جو زندہ ہے۔ وہ پرائی ہو ہے۔

آرزو کو پنڈی سے لوٹنے میں دیر ہو گئی تھی۔

وہ ٹی وی اسٹیشن سے ارمان کا پتہ لے کر فادر رابسن کی کوٹھی میں گئی تھی۔ یہاں ارمان پیئنگ گیسٹ کی حیثیت سے رہتا ہے۔

فادر نے اسے بتایا تھا کہ ارمان کے یہاں آنے جانے کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ رات کو واپس نہیں آتا۔ کسی نہ کسی میوزیکل فنکشن میں حصہ لینے کے لیے دوسرے شہر چلا جاتا ہے۔

آرزو وہاں ایک گھنٹے تک اس کا انتظار کرتی رہی۔ اس کے بس میں ہوتا تو وہ تمام عمر وہیں بیٹھ کر اس کا انتظار کرتی...... لیکن اپنے ڈیڈی کی ناراضگی کا بھی احساس تھا۔ انہوں نے تاکید کر دی تھی کہ واپسی میں زیادہ رات نہ ہو۔ اس کے علاوہ ہسپتال کی ڈیوٹی کا بھی خیال تھا...... لہٰذا وہ واپس چلی آئی۔ یہ فیصلہ کرتے ہوئے کہ دوسرے دن پھر یہاں آئے گی۔

شاداب نگر سے تین گھنٹے کا سفر تھا۔ وہ کسی نہ کسی طرح بہانہ بنا کر آ سکتی تھی۔

شاداب نگر کے راستوں سے گزرتے ہوئے اس نے ثامی کے مکان کے سامنے کار روک دی...... اتنی رات گئے مکان کے دروازے اور کھڑکیوں سے روشنی آ رہی تھی۔ اسے خیال آیا کہ دن کے وقت ثامی کو سخت بخار تھا۔ پتہ نہیں اس کی دی ہوئی دواؤں نے کس حد تک اثر کیا ہوگا...... ثامی اس کا ہمراز بھی تھا اور مریض بھی..... وہ کار سے اتر آئی۔

وہ مریض کو دیکھنا بھی چاہتی تھی اور اسے یہ خوشخبری بھی سنانا چاہتی تھی کہ ارمان کا پتہ چل گیا ہے۔

ثامی کے کمرے میں قدم رکھنے سے پہلے وہ ٹھٹک گئی اور دروازے پر ہی رک

ی۔

اندر شاہدہ کھڑی ہوئی تھی اور ٹفن کیریر کھول کر ثامی سے کہہ رہی تھی۔ "روٹیاں لازمہ نے پکائی ہیں۔ لیکن یہ آملیٹ خاص کر میں نے ارمان کے لیے اپنے ہاتھوں سے ر کیا ہے۔"

"ارمان کے لیے.....؟" آرزو کا دل دھڑکنے لگا..... "کیا ارمان آیا ہوا ہے؟ اگر آیا ہے تو شاہدہ سے کیا واسطہ ہے۔ وہ اتنی رات گئے اس کے لیے آملیٹ بنا کر کیوں لائی ہے؟"

آرزو نے ہونٹ بھینچ کر شاہدہ کو نفرت سے دیکھا۔ شاداب نگر میں رہتے ہوئی ال بھر کا عرصہ ہو رہا تھا۔ اس عرصہ میں اس نے ہمیشہ شاہدہ سے دور ہی رہنے کی کوشش ی تھی۔ اسے دیکھتے ہی آرزو کو شدت سے یہ احساس ہونے لگتا تھا کہ اس ناچنے والی کی ہ سے ارمان پر شبہ کیا گیا تھا اور وہ اسے بے وفا سمجھتی رہی تھی۔

کوئی اور وقت ہوتا وہ دروازے سے ہی الٹے قدموں لوٹ جاتی۔ شاہدہ کی جودگی میں وہ ثامی کے پاس بھی نہ جاتی...... لیکن ارمان کا نام سن کر اب اس کے قدم پس جانے سے انکار کر رہے تھے۔

وہ اندر چلی آئی۔

ثامی اسے دیکھتے ہی اچھل کر بستر پر بیٹھ گیا اور خوشی سے نعرہ لگاتے ہوئے کہا۔ ھابھی زندہ باد' آج آپ کا مجرم پکڑا گیا ہے۔"

آرزو نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے کہا۔ "اب اگر تم نے مجھے بھابھی کہا تو میں تھپڑ روں گی۔"

"ایک نہیں..... دس تھپڑ ماریئے۔ آپ ارمان کی امانت ہیں۔ اس لیے میں آپ کو ابھی ہی کہوں گا۔"

آرزو اندر ہی اندر خوشی سے لہرا گئی تھی۔ شاہدہ کے سامنے ثامی نے اسے بھابھی ہہ کر جیسے حقیقت کی مہر ثبت کر دی تھی کہ ارمان صرف اس کا ہے۔ صرف اس کا...... اہدہ تو ہوا کا ایک جھونکا ہے جو آتا ہے اور گزر جاتا ہے۔ آرزو کی ذات پر لگی ہوئی ھابھی" کی مہر کو یہ جھونکا نہیں مٹا سکتا۔

اس نے شاہدہ کی طرف دیکھا اور زندگی میں پہلی بار اس سے مخاطب ہوئی۔ "وہ یہاں آئے ہیں اور تم پھران کے پیچھے پڑگئی ہو۔"

"میں کسی کے پیچھے کیوں پڑوں گی.....؟" شاہدہ نے مسکرا کر کہا...... "ارمان اپنی مرضی سے میرے ساتھ یہاں آیا ہے۔"

آرزو کا کلیجہ دھک سے رہ گیا کہ...... ارمان' شاہدہ کے ساتھ یہاں آیا ہے۔

"ہاں...... ہمیں شاہدہ کا شکر گزار ہونا چاہئے۔" ثامی نے کہا...... "یہ ارمان کو تلاش کر کے لائی ہیں۔"

شاہدہ نے ایک ادا سے مسکراتے ہوئے طنزیہ انداز میں کہا۔ "لیکن ثامی...... ڈاکٹر صاحبہ میرا احسان نہیں مانیں گی...... یہ اپنے اپنے ظرف کی بات ہوتی ہے۔"

"میں کسی کا احسان اٹھانے کی عادی نہیں ہو......" آرزو نے جواب دیا...... "میں خود بھی تلاش کرنا جانتی ہوں۔ ابھی میں فادر رابلس کی کوٹھی سے آ رہی ہوں۔ جہاں وہ پیئنگ گیسٹ کی حیثیت سے رہتے ہیں۔"

شاہدہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "لیکن منزل پر پہنچ کر بھی تم اسے پا نہ سکیں اور میں اسے ٹی وی اسٹیشن سے یہاں لے آئی۔ میں ایک رقاصہ ہوں۔ ارمان کے گیتوں پر میرے پاؤں رقص کرتے ہوئے اس کے پاس پہنچ جاتے ہیں۔"

دونوں ایک دوسرے پر چوٹ کر رہی تھیں اور یہ جتانے کی کوشش کر رہی تھیں کہ ارمان ان کی ذاتی ملکیت ہے۔ ثامی کبھی آرزو کو دیکھ رہا تھا اور کبھی شاہدہ کو...... اور یہ محسوس کر رہا تھا کہ دونوں کے درمیان بات بڑھ سکتی ہے۔ لہٰذا انہیں جھگڑے سے باز رکھنے کے لیے اس نے بھی درمیان میں بولنا شروع کر دیا۔

اسی وقت ارمان وہاں پہنچ گیا لیکن آرزو کو دیکھتے ہی دروازے کی آڑ میں کھڑا ہو گیا۔

اس کی آرزو...... اس کے بچپن کی آرزو...... اس کی جوانی کی آرزو...... اس کی ساری زندگی کی آرزو اس کے قریب تھی...... چند قدم کے فاصلے پر تھی۔

لیکن اس فاصلے کے بیچ ماں سے کیا ہوا وعدہ آڑے آ رہا تھا۔

اس کے سامنے ماں کا آنچل پھیل گیا۔

"یہ وہی آنچل ہے جو بچپن میں تمہیں جھولا جھلایا کرتا تھا۔ لیکن آج یہ جھولی بن ارے سامنے پھیل گیا ہے...... ہو سکے تو میرے گھر کی خوشیاں خیرات کے طور پر اس میں ڈال دو......"

ماں بیٹے سے خیرات مانگ رہی تھی اور بیٹے کا ذہن اپنا وعدہ یاد کر رہا تھا۔

"میں نے آپ کا دودھ پیا ہے امی!...... آپ اطمینان رکھیں۔ میں دودھ کا حق ادا کروں گا۔"

لیکن وہ اپنا وعدہ کس طرح پورا کر سکتا تھا۔ ابھی وہ آرزو سے منہ موڑ کر جا سکتا لیکن زندگی کے کسی موڑ پر آرزو پھر اس کے سامنے آ سکتی ہے۔ جب تک دلوں میں کا یقین ہے' وہ ایک دوسرے سے کترا نہیں سکتے۔

ہاں...... اس یقین کو کچل دینا چاہئے...... محبت کی جگہ اگر نفرت پیدا ہو جائے۔ اگر پہلے کی طرح پھر اس سے بدظن ہو جائے تو شاید ماں سے کیا ہوا وعدہ پورا ہو جائے؟

آہ...... وقت اسے پھر مجبور کر رہا تھا کہ وہ اپنی آرزو سے بے وفائی کا الزام اپنے سر اسے محبت کی بجائے اپنی نفرت کا یقین دلائے۔ تاکہ وہ اپنے محبوب کا خیال چھوڑ اور بزرگوں کے طے کیے ہوئے رشتے کو قبول کر لے۔

نہیں...... وہ آرزو کے سامنے نہیں جائے گا۔ وہ تیزی سے پلٹ گیا۔

لیکن اس کے قدم رک گئے...... اگر وہ آرزو کے سامنے نہیں جائے گا تو کسی دن اس کے پاس پہنچ جائے گی...... اس کا راستہ روکنے کے لیے یہی ایک راستہ رہ گیا تھا ہ ارمان کو بے وفا سمجھ کر پھر کبھی اس کے پیچھے نہ آئے۔

وہ پھر دروازے کی طرف گھوم گیا اور آگے بڑھ کر کمرے میں آ گیا۔

تینوں نے سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔ اسے دیکھتے ہی آرزو کا چہرہ مسرت سے گیا۔

"ارمان......!" اس نے مسرت بھرے لہجے میں پکارا۔

ارمان کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ تھی لیکن یہ مسکراہٹ آرزو کے لیے نہیں...... کے لیے تھی۔ وہ شاہدہ کو دیکھ رہا تھا۔

آرزو کو ایک ذرا اپنی بے وقعتی کا احساس ہوا۔

لیکن پھر ارمان کی اس حرکت کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔ ”میں ابھی فادر رابر
کے ہاں سے تمہیں تلاش کر کے آ رہی ہوں۔“

ارمان نے شاہدہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میں تمہاری کوٹھی سے تمہیں تلاش کر کے
رہا ہوں۔“

”سچ......!“ شاہدہ نے خوش ہو کر پوچھا۔

آرزو کا چہرہ مرجھا گیا۔

اس نے بڑی آزردگی سے کہا۔ ”تم مجھ سے انتقام لے رہے ہو۔ میں جانتی ہو
کہ تم مجھ سے ناراض ہو۔“

اس نے شاہدہ کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ”پرنسپل کی باتیں سن کر تم مجھ ـ
ناراض ہو گئی تھیں لیکن میں تم سے کبھی ناراض نہیں ہوا۔“

وہ آرزو کی بجائے شاہدہ سے نظریں ملا کر باتیں کر رہا تھا۔

آرزو نے تلملا کر کہا۔ ”جواب میری باتوں کا دے رہے ہو اور نظریں کسی او
سے ملا رہے ہو۔“

اس نے شاہدہ کے قریب پہنچ کر کن انکھیوں سے آرزو کو دیکھا۔

”نظریں اسی سے ملتی ہیں۔ جس کے لیے دل مچلتا ہے۔“

آرزو نے رو دینے کے انداز میں ٹامی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”تو اس کا مطلب یہ
کہ ٹامی نے تمہاری صفائی میں جو کچھ کہا تھا۔ وہ سب جھوٹ ہے؟“

ارمان نے بڑی حسرت سے کہا۔ ”ٹامی بے چارہ کیا جانے کہ مجھے منزل پر پہنچ
بھٹک جانے کی عادت ہو گئی ہے۔“

پھر اس نے شاہدہ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ”اور ایسی خوبصورت لڑکی پہلو م
ہو تو منزل تک پہنچنے کی آرزو بھی ختم ہو جاتی ہے۔“

یہ بات ایسی ناقابل برداشت تھی کہ آرزو نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ ا
کے بعد اور کچھ سننے کی تاب نہ رہی تھی۔

ٹامی نے بستر سے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”ارمان!...... یہ تم مذاق کر رہے ہو یا آرزو
محبت کا مذاق اڑا رہے ہو۔“

ارمان نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ ”جو محبت اپنے انجام تک نہ پہنچے،
ے مذاق بنا کر ختم کر دینا ہی اچھا ہے۔“

”یہ تم کیا کہہ رہے ہو ارمان؟...... ابھی تم یہاں سے گئے تھے تو تم آرزو کے گن گا
ے تھے۔ اب واپس آئے ہو تو اس کی محبت کی توہین کر رہے ہو۔“

آرزو نے دل برداشتہ ہو کر کہا۔ ”تم میری توہین کا گلہ نہ کرو ٹامی!...... مجھے میری
ی کی سزا مل چکی ہے اب میں کسی سے پیار کی بھیک نہیں مانگ سکتی......“

یہ کہہ کر وہ تیزی سے بھاگتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

ارمان کا چہرہ تاریک ہو گیا۔ آج اس نے اپنی زندگی کی ساری خوشیوں کو آرزو کے
وؤں میں بھگو کر ہمیشہ کے لیے رخصت کر دیا تھا۔

ٹامی نے ارمان کی طرف پلٹ کر غصہ سے کہا۔ ”دوست ہو تو ایسا کہ میرے ہی گھر
اس لڑکی کو ذلیل کر دیا۔ جو میرے دکھ اور بیماری میں کام آتی رہی...... جو یہاں آ کر
ں تمہاری باتیں کرتی رہی...... آج معلوم ہوا کہ تم دوستی کو ایک مذاق سمجھتے ہو اور
ن کو ایک کھیل...... کبھی آرزو...... اور کبھی شاہدہ۔“

”ٹامی!...... بکواس نہ کرو......“ ارمان نے جھلا کر کہا۔

”ہاں...... تمہاری نظروں میں ہماری باتیں، ہماری دوستی، ہماری محبت اور ہمارا وجود
بکواس ہے۔ ہم نے تمہیں سمجھنے میں بھول کی ہے۔ ہمیں پہلے ہی اس حقیقت کا
اس ہو جانا چاہیئے تھا کہ جو شخص اپنا گھر چھوڑ سکتا ہے، اپنی ماں کو چھوڑ سکتا ہے۔ وہ دنیا
کی کا ہو کر نہیں رہ سکتا...... میں آج سے تمہاری دوستی پر لعنت بھیجتا ہوں۔ تمہارے
پر تھوکتا ہوں......“

”تڑاخ......!“ ارمان کا ہاتھ گھوم گیا۔

طمانچہ پڑتے ہی ٹامی لڑکھڑا کر بستر پر گر پڑا۔

شاہدہ نے دوڑتے ہوئے آ کر ارمان کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ”ارمان!...... کیا پاگل ہو گئے

”آں......!“ جیسے اچانک اسے ہوش آ گیا ہو...... اس نے اپنے عزیز ترین دوست کو
پڑ مارا تھا...... وہ ندامت سے اپنے ہونٹ کاٹنے لگا اور مٹھیاں بھینچنے لگا۔

شاہدہ نے اسے اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ "چلو میرے ساتھ...... تمہارا یہاں ر
مناسب نہیں ہے۔"

ارمان نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ شاہدہ کا سہارا لے کر اس نے آرزو کے سا
ایک ناٹک رچایا تھا۔ اب وہ ناٹک ختم ہو چکا تھا۔ اب اسے شاہدہ کی بھی ضرورت نہ
رہی تھی۔

وہ شاہدہ کو اپنے پیچھے چھوڑتا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔

لیکن مکان کے باہر آ کر اس کے قدم اچانک رک گئے...... آرزو کی کار اب تک
وہاں موجود تھی...... اور آرزو سڑک کے کنارے لیمپ پوسٹ کا سہارا لیے کھڑی ہو
تھی۔

وہ رو رہی تھی اور ثامی کے دروازے کی جانب یوں تک رہی تھی۔ جیسے اب ؛
ارمان سے کوئی امید وابستہ رہ گئی ہو۔

محبت زخمی ہوتی ہے لیکن مرتی نہیں...... زندگی کی سانس ٹوٹ جاتی ہے لیک
انسان کی آس نہیں ٹوٹتی۔

شاہدہ پیچھے پیچھے دوڑتی ہوئی آئی تھی...... ارمان نے پلٹ کر اسے دیکھا...... پھر ایک
نظر آرزو پر ڈالی۔ ناٹک ابھی مکمل نہیں ہوا تھا۔ اس نے جبراً مسکراتے ہوئے شاہدہ کا ہا
تھام لیا...... اور مخالف سمت گھوم کر اس کے شانہ بشانہ چلنے لگا۔

"کھٹ، کھٹ...... کھٹ کھٹ......" کنکریٹ کے راستے پر رات کی تاریکی م
جوتوں کی آواز دور تک بجتی چلی گئی۔

"آہ......!" آرزو کے دل سے ایک سسکتی ہوئی آہ نکلی۔

لیمپ پوسٹ کی دم توڑتی ہوئی روشنی، امید کی طرح بجھتی جا رہی تھی اور رات
تاریکی کو دم بہ دم گہرا کرتی جا رہی تھی۔

آرزو کی بڑھتی ہوئی سسکیاں کہہ رہی تھیں۔ "کالی رات! تو بہت کالی ہے۔
لیکن ایک بے وفا کے دل سے زیادہ کالی نہیں ہے۔"

حالات ایسے ہی تھے کہ ارمان دروازے دروازے بھٹکنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

آرزو کا دل توڑ کر وہ ثامی کے گھر سے یہی سوچ کر نکلا تھا کہ شاداب نگر سے ہمیشہ
لیے چلا جائے گا۔ لیکن پھر اسے احساس ہوا کہ آرزو کے دل میں اس کی محبت کا نقش
گہرا ہے۔ یہ نقش اتنی آسانی سے نہیں مٹے گا۔ ابھی اسے اچھی طرح یقین دلانا ہو گا
وہ شاہدہ سے محبت کرتا ہے...... صرف محبت نہیں کرتا بلکہ اس کے ساتھ رہتا سہتا بھی
۔

اسی لیے وہ شاہدہ کے ساتھ اس کی کوٹھی میں چلا آیا۔ وہ جانتا تھا کہ شاداب نگر
چھوٹی سی جگہ ہے۔ اگر وہ ایک دن بھی شاہدہ کے ساتھ رہ گیا تو پوری بستی میں خبر
ل جائے گی۔ یہ خبر آرزو تک بھی پہنچ جائے گی کہ اس نے شاہدہ کے ساتھ رہائش
یار کر لی ہے۔

شاہدہ کوئی بچی نہیں تھی، وہ ارمان کے بدلے ہوئے رویئے کو اچھی طرح سمجھ رہی
۔ وہ بظاہر ایک نوجوان دوشیزہ تھی...... لیکن حقیقتاً ایک مکمل عورت تھی اور مرد کے
ں کو ایک نظر میں پڑھ لیا کرتی تھی۔

ارمان نے آرزو کے سامنے اس سے محبت کا اظہار کیا تھا۔ لیکن اپنی محبوبہ کے
تے ہی اس کا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔ پھر ثامی کے مکان کے باہر آرزو کا سامنا ہوتے ہی اس
دوبارہ اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

دوسروں کی طرح وہ بھی شاہدہ کے ساتھ ایک کھلونے کی طرح کھیل رہا تھا......
ا عجیب کھلاڑی تھا کہ تنہائی میں اس سے دور بھاگتا تھا۔

اس وقت رات کے دو بج رہے تھے۔

شاہدہ نے آئینہ میں اپنا جائزہ لیا۔ اس کے جسم پر صرف ایک باریک سی نائٹی تھی۔ جس کے آر پار سے اس کا گورا اور چھچھاتا ہوا بدن جھلک رہا تھا۔

رات کی خاموشی میں' نائٹ بلب کی مدھم روشنی میں وہ شاداب جسم سلگ رہا تھا۔ آئینہ بے حس تھا اگر ذرا بھی حساس ہوتا تو اپنی سطح پر نقش ہونے والے جسم کی آنچ سے ضرور تڑخ جاتا۔

شاہدہ نے مسکراتے ہوئے سوچا۔ "آج تو خود ہی میرے شبستان میں چلا آیا ہے اگر آج میں اسے لبھانہ سکی تو پھر وہ کبھی ہاتھ نہیں آئے گا۔"

اس نے سینٹ کی ایک خوبصورت سی اسپرے بوتل اٹھائی۔ اس پر لکھا ہوا تھا...... اسٹرینجران دی نائٹ دو رات کا اجنبی۔"

پھر رات کے اس اجنبی کی خوشبو کو وہ اپنے جسم پر اسپرے کرنے لگی۔ خوشبو تیز تھی اور جذبات انگیز تھی...... اچانک اس کا سر چکرانے لگا۔

خوشبو سے بھی کہیں سر چکراتا ہے؟..... لیکن وہ اپنا سر تھام کر بیٹھ گئی۔ اس کی طبیعت گھبرانے لگی اور متلی سی آنے لگی۔

وہ دوبارہ اٹھی۔ لڑکھڑاتی ہوئی آگے بڑھی اور دیوار کا سہارا لیتی ہوئی باتھ روم کے اندر چلی گئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ باہر آئی تو قدرے ست پڑ چکی تھی۔ اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ پہلے جیسی شوخی اور شادابی نہیں رہی تھی۔ اب تو اس کا دل یہی چاہتا تھا کہ بے سدھ ہو کر اپنے بستر پر گر پڑے۔

لیکن ارمان......! اگر آج وہ ارمان سے دور رہی تو پھر یہ رات کبھی نہ آئے گی۔

ارمان مہمان خانہ میں ٹھہرا ہوا تھا۔ کمرے کی بتی بجھی ہوئی تھی لیکن وہ سو نہیں رہا تھا۔ ایک معصوم لڑکی سے نفرت کا اظہار کر کے وہ کس طرح چین کی نیند سو سکتا تھا......

وہ اندھیرے میں ادھر ادھر ٹہل رہا تھا۔

شاہدہ کو دروازے پر دیکھ کر اس کے قدم رک گئے۔

"تم؟"

"ہاں...... نیند نہیں آ رہی ہے......" اس نے سوئچ دبا کر کمرے کا نیلا بلب روشن کر

ہلکی نیلی روشنی میں ارمان نے دیکھا کہ اس کے جسم پر صرف ایک باریک سی نائٹی ی۔ اتنی باریک کہ نگاہیں وہاں تک پہنچتے ہی لرز جاتی تھیں۔

اس نے گھبرا کر منہ پھیر لیا۔ "جاؤ...... سو جاؤ۔"

شاہدہ نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "تم جاگ رہے ہو' میں کیسے سو جاؤں۔"

"شاہدہ!...... تم نے اگر مجھے مہمان بنایا ہے تو میری پریشانی کا خیال کرو اور یہاں چلی جاؤ۔"

"میں تمہاری پریشانی دور کرنے آئی ہوں۔ ارمان!...... تم نہیں جانتے کہ میں یں کتنا چاہتی ہوں۔ میں بھی ایک عورت ہوں۔ اچھی نہ سہی بری سہی۔ لیکن پیار کے میرا دل بھی تڑپتا ہے۔"

"ضد نہ کرو شاہدہ!...... میں آرزو کا نہ ہو سکا تو دنیا میں کسی اور کا نہیں ہو سکتا۔"

"آرزو کو تم نے اپنی مرضی سے ٹھکرایا ہے لیکن مجھے نہ ٹھکراؤ وہ تمہارے پیار قابل نہیں تھی۔ لیکن میں......"

"شاہدہ......!" اس نے غصہ میں کہا...... "آرزو پیار کے قابل ہے یا نہیں' یہ میں تا ہوں۔ تم محبت کی گہرائیوں کو نہیں سمجھ سکتیں...... تم جسے نفرت سمجھ رہی ہو' وہ بھی کی ایک ادا ہے۔"

شاہدہ نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔ "تم اب بھی اس سے محبت تے ہو......؟ کیسی عجیب محبت ہے یہ...... جو نفرت کے بعد بھی مٹنے کا نام نہیں لیتی......؟ ت کی تنہائی میں یہ نائٹی پہن کر میں جس شریف زادے کے بھی سامنے گئی۔ اس کی افت ڈگمگا گئی...... لیکن یہ کیسی زاہدانہ محبت ہے کہ یہ میرے سامنے بھی اپنی توبہ نہیں

ارمان!...... میں ہزار گناہگار سہی لیکن میرا دل بھی ایک ایسے مرد کی تمنا کرتا رہتا جسے میرے سوا کوئی عورت نہ جیت سکے۔

لیکن ایسی تمنا کرتے وقت میں یہ بھول جاتی ہوں کہ میں اپنے ماں باپ کی مقروض ۔ انہوں نے میری پرورش پر جو دولت صرف کی ہے۔ اسے میں قسط وار ادا کر رہی

ہوں..... اپنے گاہکوں کی جیب سے.....

میری ماں نے پہلی بار میرے پاؤں میں گھنگرو باندھتے ہوئے کہا تھا کہ جو لڑکی گھنگروں کی آواز سنتی ہے۔ اسے شہنائیوں کی آواز کبھی سنائی نہیں دیتی..... اس کی زندگی میں کوئی محبت کرنے والا اور اسے دلہن بنانے والا کبھی نہیں آتا۔

مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔ یہ حقیقت میری سمجھ میں آ گئی ہے کہ میں اپنا جسم دے کر بھی تمہاری محبت کو حاصل نہیں کر سکتی۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے بستر کی طرف دیکھا..... بستر کے پائنتی تک ایک سفید چادر تہہ کی ہوئی رکھی تھی۔ وہ چادر کو اٹھا کر اپنے جسم کے گرد لپیٹنے لگی..... وہ چادر سفید تھی۔ یوں کہنا چاہئے کہ وہ اپنے گناہگار جسم کو کفن پہنانے لگی۔

اپنے اندر کی فاحشہ کو مار کر وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ارمان کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی اور کہنے لگی۔ "ارمان اب مجھ سے منہ نہ پھیرنا۔ میں نے تمہاری شرافت کی قدر کی ہے۔ اب مجھ سے نظریں ملا کر باتیں کرو اور بتاؤ کہ تمہیں کیا پریشانی ہے؟"

ارمان نے اسے چادر میں لپٹے ہوئے دیکھ کر کہا۔ "تم بہت اچھی لڑکی ہو شاہدہ!..... تمہارا دل اس چادر کی طرح اجلا ہے۔"

"باتوں میں نہ بہلاؤ ارمان!..... مجھے اپنی پریشانی بتاؤ۔"

"اب مجھے کوئی پریشانی نہیں ہے....." اس نے جبراً مسکراتے ہوئے کہا..... "تمہارے اندر یہ تبدیلی دیکھ کر میں سب کچھ بھول گیا ہوں۔"

شاہدہ نے اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں گھر چار دیواری میں بیٹھنے والی بھولی بھالی عورت نہیں ہوں جو مرد کی باتوں سے بہل جاتی ہے..... میں نے اپنے ماحول میں رہ کر جو سب سے اہم کتاب پڑھی ہے' وہ مرد کا چہرہ ہے۔ میں تمہارے چہرے کی بدلتی ہوئی رنگت سے تمہارے دل کا حال پڑھ رہی ہوں۔"

ارمان نے کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔ "تم تو خواہ مخواہ اپنے تجربے کی دھاک بٹھانا چاہتی ہو۔ جاؤ جا کر سو جاؤ۔"

"سونے کے لیے ساری زندگی پڑی ہے لیکن یہ جو تھوڑی دیر کے لیے میرے اندر شرافت جاگ گئی ہے تو اس شرافت سے فائدہ اٹھا لو۔ مجھے حقیر اور کمزور لڑکی نہ سمجھو۔

ایک بار اپنی پریشانی بیان کر دو..... پھر دیکھو کہ میں تمہارے لیے کیا کرتی ہوں؟"

"تم میری پریشانی کو کیا دور کرو گی.....؟ میرے اور امی کے درمیان فرض اور محبت کی ایک الجھن ہے۔ میں اسی لیے پریشان ہوں کہ یہ الجھن کیسے دور ہو گی۔"

"اوہ.....!" شاہدہ نے مایوسی سے کہا۔ "میں تو کچھ اور سمجھتی تھی۔"

ارمان نے اس کی مایوسی پر مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم سمجھتی تھی کہ میری پریشان محض آرزو کے باعث ہے۔"

"ہاں..... بعض اوقات خاندان میں ایک لڑکی کے باعث دو بھائیوں میں کشیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔ میں یہی سمجھتی تھی کہ تم یہ کشیدگی دور کرنے کے لیے بھائی کی خاطر آرزو کو چھوڑ رہے ہو....."

ارمان نے اسے حیرت سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "تم نے اس حد تک کیسے سوچ لیا.....؟ تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ دوسروں کی طرح بھائی جان بھی ایک لڑکی کے لیے مجھ سے جھگڑ سکتے ہیں؟"

شاہدہ نے طنزیہ مسکراتے ہوئے کہا۔ "ارمان.....! میں جس دروازے پر بیٹھی ہوں۔ وہاں باپ بھی آتے ہیں اور بیٹے بھی..... بھائی بھی آتے ہیں اور بہنوئی بھی..... میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ روشن صاحب تمہیں اپنے راستے سے ہٹانا چاہتے ہیں۔ تم صرف اتنا بتا دو کہ ان کی ذات سے تمہیں کون سی تکلیف پہنچی ہے۔ اس کے بعد تم سے کوئی سوال نہیں کروں گی۔"

ارمان نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ "مجھے بھائی جان سے صرف ایک شکایت ہے کہ انہوں نے مجھ پر جھوٹا الزام لگایا ہے۔"

"جھوٹا الزام.....؟" شاہدہ نے پوچھا۔

"ہاں..... انہوں نے الزام لگایا ہے کہ میں گھر سے بیس لاکھ روپے لے کر چلا آیا ہوں۔"

"بیس لاکھ روپے.....؟" اس نے حیرت سے کہا۔

"ہاں..... اس الزام سے بچنے کے لیے میرے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔ امی کو بھی یقین ہو گیا ہے کہ چوری میں نے کی ہے۔"

شاہدہ نے جواباً کچھ نہ کہا۔ وہ گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

ارمان نے کہا۔ "میں نے تمہارے سوال کا جواب دے دیا ہے۔ اب جاؤ۔ رات کافی گزر چکی ہے۔"

لیکن وہ کھڑی رہی اور سوچ میں ڈوبی ہوئی ایک طرف تکتی رہی۔

تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ "جب تمہاری امی کو تمہاری بے گناہی کا یقین نہیں ہے تو پھر آرزو کے والد بھی تم پر شبہ کر رہے ہوں گے؟"

"ہاں.....!" بے اختیار ارمان نے اقرار کیا۔

پھر اس نے سنبھلتے ہوئے کہا..... "اب تم مجھ سے کوئی سوال نہ کرو..... جاؤ.....!"

"ہاں..... اب میں کوئی سوال نہیں کروں گی۔ اس لیے کہ ہر سوال کا جواب مجھے مل گیا ہے..... تمہیں چور سمجھ کر ایک باپ اپنی بیٹی کا رشتہ نہیں دے سکتا..... تمہیں چور سمجھ کر تمہاری امی اس سے رشتہ کے لیے تمہاری حمایت نہیں کر سکتیں..... اور تمہیں چور ثابت کر کے تمہارے بھائی نے اپنے لیے راستہ ہموار کر لیا ہے۔"

ارمان نے پریشانی سے اسے تکنے لگا۔ وہ لڑکی صرف ایک سوال کا جواب معلوم کر کے اس کی پریشانیوں کی تہہ تک پہنچتی جا رہی تھی۔

وہ باتیں کرتے کرتے پھر اپنے خیالات میں گم ہو گئی۔

روشن نے ایک رات اس سے کہا تھا کہ ارمان اگر شاداب نگر آئے تو وہ اسے پھر ایک بار اپنے جال میں پھانس لے۔

اس رات وہ یہ سوچ کر خاموش ہو گئی تھی کہ جب ایک بھائی خود اپنی ہی زبان سے دوسرے بھائی کو پھانسنے کے لیے کہہ رہا ہے تو اس کو اعتراض نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ وہ خود بھی ارمان کو کسی طرح حاصل کرنا چاہتی تھی۔

لیکن اسے معلوم نہیں تھا کہ جس ارمان کو وہ دل و جان سے چاہتی ہے۔ اسے روشن اس بری طرح تباہ کر دے گا.....!

وہ اپنے گاہکوں کو لوٹنے کی عادی تھی لیکن اپنے محبوب کو لٹتا ہوا نہیں دیکھ سکتی تھی۔

وہ غصہ میں دانت پیستی ہوئی کمرے سے جانے لگی۔

"شاہدہ.....!" ارمان نے آواز دی۔

اس کے قدم رک گئے۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔

وہ سر جھکائے کہہ رہا تھا۔ "جو باتیں ہمارے درمیان ہو چکی ہیں..... انہیں اسی چار دیواری تک محدود رکھو۔ کیونکہ اب کسی صورت میں بھی میری بے گناہی ثابت نہیں ہو سکتی۔"

"مکار کو ہمیشہ مکاری سے مارا جاتا ہے....." شاہدہ نے تلخی سے کہا..... "تم اپنی شرافت سے مجبور ہو لیکن میں شریف زادی نہیں ہوں۔"

"تم.....!" ارمان نے گھبرا کر پوچھا..... "تم کہنا کیا چاہتی ہو؟"

"صرف کہنا نہیں۔ بلکہ ثابت کرنا چاہتی ہوں کہ اصل مجرم کون ہے؟"

ارمان نے مایوسانہ انداز میں کہا۔ "یہ بہت مشکل ہے.....!"

شاہدہ نے اپنے جسم کے اطراف لپٹی ہوئی چادر کو بڑی آہستگی سے اتار کر یوں فرش پر ڈال دیا۔ جیسے سانپ نے اپنی کینچلی اتار دی ہو۔

پھر اس نے پھنکارتے ہوئے کہا۔ "ارمان!..... تم نے کبھی ناگن کو ڈستے ہوئے دیکھا ہے؟"

"نہیں تو.....!"

"تو پھر کل دیکھ لینا کہ میں کتنی زہریلی ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ ایک جھٹکے سے گھوم گئی اور پھر تیزی سے قدم بڑھاتی ہوئی کمرے سے نکلتی چلی گئی۔

صبح ہسپتال جانے کے لیے آرزو تیار ہو رہی تھی۔

آئینہ کے سامنے کنگھی کرتے ہوئے اس نے دیکھا کہ اس کی آنکھیں سوجھی ہوئی تھیں اور اس بات کی گواہی دے رہی تھیں کہ وہ رات بھر جاگتی رہی ہے اور ارمان کی بے وفائی پر آنسو بہاتی رہی ہے۔

وہ پریشان ہو کر سوچنے لگی کہ ڈیڈی اسے دیکھیں گے تو کیا سوچیں گے؟ آنٹی بھی آئی ہوئی ہیں۔ ان سے بھی یہ بات چھپی نہیں رہے گی کہ وہ رات کو روتی رہی ہے۔

وہ ان آنکھوں کو کہاں چھپائے کہ کوئی اس کے دل کا بھید نہ جان سکے۔

وہ کاجل کا ٹیوب اٹھا کر اسے کھولنے لگی۔ بعض اوقات کاجل اس لیے بھی لگایا جاتا ہے کہ دیکھنے والے آنکھوں میں چھپے ہوئے کرب کو نہ دیکھ سکیں' کاجل کی دھار کو دیکھتے رہ جائیں۔

کاجل لگانے کے بعد وہ اپنی چوٹی گوندھنے لگی...... اب وہ چوٹی ہی گوندھا کرتی تھی۔ جوڑا کی گٹھری اب گردن پر ایک بھاری طوق کی طرح محسوس ہوتی تھی۔

"آرزو......!" اس کے ڈیڈی نے کمرے میں قدم رکھتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

"آداب......!" اس نے باپ کی تعظیم کی۔

"جیتی رہو بیٹا......! رات کو تم دیر سے آئی تھیں؟"

"جی ہاں...... پنڈی میں زوروں کی بارش ہو رہی تھی۔ اس لیے دیر ہو گئی۔"

"بیٹا......! اس طرح تم دن رات ہسپتال کے کاموں میں مصروف رہو گی تو پھر اپنا گھر کیسے سنبھالو گی؟"

"مجھے احساس ہے ڈیڈی کہ گھر کی ساری ذمہ داریاں آپ پر آ پڑی ہیں۔ میں آپ

ے کہنے ہی والی تھیں کہ یہاں کا انتظام سنبھالنے کے لیے ہم ایک گورنس رکھ لیں۔"

افضل نے ہنستے ہوئے کہا۔ "تم بھی کتنی بھولی ہو۔ میں گھر کو سنبھالنے کی بات یں کہہ رہا ہوں۔ اس گھر کی بات کہہ رہا ہوں جو شادی کے بعد تمہارا ہو گا۔"

"آں......!" آرزو نے گھبرا کر سر کو جھکا لیا۔

افضل نے مسکرا کر کہا۔ "تمہاری آنٹی اسی لیے آئی ہوئی ہیں۔ عصمت نے بہت لے ہی یہ طے کر لیا تھا کہ وہ تمہیں بہو بنا کر لے جائے گی۔ لیکن اس وقت دو بیٹے تھے۔ ں نے کہا تھا کہ جسے تم پسند کرو گی' اسی کے ساتھ تمہارا رشتہ ہو گا۔

لیکن تمہیں یہ سن کر تعجب ہو گا کہ ارمان حقیقتاً عصمت کا بیٹا نہیں ہے۔ وہ ایک وارث لڑکا ہے۔"

"جی......!" آرزو نے حیرت سے کہا۔ "یہ...... یہ...... آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"وہی کہہ رہا ہوں جو عصمت نے کہا ہے۔ ایک ماں اپنے بیٹے کے رشتے سے کبھی نکار نہیں کرتی...... یہ حقیقت ہے۔ اسی لیے اس نے اعتراف کیا ہے کہ وہ لے پالک لڑکا ہے۔"

"لیکن ڈیڈی......!" اس نے غیر یقینی انداز میں کہا...... "آنٹی نے یہ حقیقت آج کیوں بتائی ہے۔ آج سے پہلے کیوں نہ بتائی؟"

افضل نے اسے یقین دلاتے ہوئے کہا۔ "تمہارے انکل مرحوم سے انہوں نے کچھ یا وعدہ کیا تھا کہ اس وعدے کو نبھانے کے لیے انہوں نے مجھ جیسے بھائی سے بھی یہ بات چھپائے رکھی۔

لیکن ایک روز ارمان نے ان کی ڈائری چرا کر تمام حقیقت معلوم کر لی۔ اسے اس بات کا احساس ہو گیا کہ وہ ایک لاوارث لڑکا ہے اور اسے روشن کے باپ کی جائیداد سے حصہ نہیں ملے گا۔ لہٰذا وہ بیس لاکھ کی رقم کو مال غنیمت سمجھ کر اسے اپنے ساتھ لے گیا۔"

آرزو گم صم کھڑی اپنے ڈیڈی کی باتیں سن رہی تھی۔ آنٹی نے خود ہی کہا تھا کہ ارمان ان کا بیٹا نہیں ہے۔ لیکن یہ سوچتے ہوئے اسے عجیب سا لگ رہا تھا کہ ارمان لاوارث ہے۔

"میں اسے ایک اچھے کردار کا لڑکا سمجھتا تھا......" افضل نے کہا...... "اسی لیے میں ذاتی طور پر اس بات کی تحقیق کرنا چاہتا تھا کہ واقعی وہ بیس لاکھ روپے لے گیا ہے یا نہیں...... لیکن اب یہ واضح ہو چکا ہے کہ وہ اسی رقم کی وجہ سے گھر چھوڑ کر چلا گیا...... اور اب تو یہ بات بھی یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ وہ پرنسپل کی کوٹھی میں کسی طوائف سے چھپ کر ملنے گیا تھا۔"

آرزو کے زخم خوردہ دل سے ایک آہ نکلتی نکلتی رہ گئی۔

اس نے دل ہی دل میں کہا۔ "ہاں...... میں نے بھی کل اس کی بے وفائی کا تماشہ دیکھا ہے۔ اب مجھے اس کے ذکر سے تکلیف ہوتی ہے...... میں زبان کھول کر کس طرح کہوں ڈیڈی......! کہ میرے سامنے اس کا نام نہ لیں۔"

افضل نے اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "بہرحال...... میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اب ارمان کا تعلق ہمارے گھرانے سے نہیں ہے...... اب عصمت کا صرف ایک ہی بیٹا ہے اور وہ اس بیٹے کے لیے رشتہ مانگنے آئی ہے۔"

آرزو نے گھبرا کر اپنے سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔ "روشن......!" اس نے ناگواری سے سوچا۔ لیکن اس ناگواری کا اظہار وہ اپنے ڈیڈی کے سامنے نہ کر سکی۔ کیونکہ ان کی باتوں سے پتہ چل رہا تھا کہ وہ ارمان سے متنفر ہو کر اب روشن کو پسند کرنے لگے ہیں...... باپ کی پسند کے خلاف براہ راست کچھ کہنا گستاخی بھی تھی اور بے حیائی بھی۔

لہٰذا اس نے بات بناتے ہوئے کہا۔ "ڈیڈی...... آپ نے مجھے ڈاکٹر بنایا ہے۔ اس لیے ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے مجھے کوئی اعلیٰ مقام حاصل کرنے دیجیے۔"

یہ کہتے ہوئے وہ اپنا بیگ اٹھا کر جانے لگی۔

افضل نے کہا۔ "یہ تو کوئی بات نہ ہوئی!...... تم چاہو تو شادی کے بعد بھی ڈاکٹر کی حیثیت سے نمایاں مقام حاصل کر سکتی ہو۔"

آرزو نے سنجیدگی سے سر جھکا کر جواب دیا۔ "لیکن جو آزادی مجھے اس گھر میں رہ کر نصیب ہو سکتی ہے' وہ آنٹی کے ہاں نہیں ہو سکتی...... میں آپ سے التجا کرتی ہوں۔ ڈیڈی! فی الحال آپ آنٹی کو ٹال دیں۔"

"تم فی الحال ٹالنے کے لیے کہہ رہی ہو۔ میں شادی کے معاملہ کو سال' دو سال کے

لیے ٹال سکتا ہوں۔ لیکن رشتہ کے لیے منظوری تو دینی ہی ہو گی...... بہن دروازے پر آئی ہوئی ہے۔ میں اسے یونہی تو نہیں ٹال سکتا۔"

آرزو نے تھکے ہوئے انداز میں کہا۔ "میں صرف اتنا ہی چاہتی ہوں کہ آپ مجھے کچھ عرصہ تک آزادی سے کام کرنے دیں...... اس کے بعد آپ جو چاہیں کریں......"

وہ کمرے سے جانے کے لیے پلٹ گئی۔

افضل نے خوش ہو کر کہا۔ "مجھے تم سے یہی امید تھی...... سعادت مند بیٹیاں ایسی ہی ہوتی ہیں۔"

وہ ڈوبتے ہوئے دل کے ساتھ قدم اٹھاتی ہوئی دروازے کی جانب بڑھ گئی۔

"اور ہاں' میں تو کہنا ہی بھول گیا......" افضل کی آواز پیچھے سے سنائی دی۔

آرزو کے قدم دہلیز پر رک گئے۔

"شام کو ذرا جلدی آ جانا۔ آج شب برات ہے......!"

"شب برات......!" آرزو کا دل یکبارگی تڑپ اٹھا۔

"شائیں......!" ایک ہوائی سرسراتی ہوئی تصور کی بلندیوں تک پہنچ کر چھٹنے لگی۔ اس میں سرخ' سبز اور نارنجی رنگ کی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں۔ اور آرزو کی آنکھوں پر منعکس ہو رہی تھیں۔

اس نے کانپتے ہوئے قدموں سے دہلیز پار کی...... اور کاریڈور سے گزرتی ہوئی' ڈرائنگ روم کو طے کرتی ہوئی کوٹھی کے باہر چلی آئی۔

وہ ارمان کا نام تک بھول جانا چاہتی تھی۔ لیکن ماضی کی کوئی نہ کوئی یاد خوبصورتی سے پلٹ کر چلی آتی تھی اور اسے بار بار چرکے دے کر چلی جاتی تھی۔

پورچ میں آ کر اس نے دیکھا...... اس کے سامنے کوٹھی کا لان پھولوں سے مہک رہا تھا۔ لان کے ایک گوشے میں بید کی میز اور کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔

پچھلی شب بزات میں وہ ایسے ہی لان میں عصمت اور روشن کے ساتھ بیٹھی ہوئی ارمان کا انتظار کر رہی تھی اور ان کے سامنے حلوے کی پلیٹیں رکھی ہوئی تھیں۔

"حلوہ......!"

اسے اپنے کانوں میں ارمان کی سرگوشی سنائی دی۔ "آرزو!...... تمہارے ہونٹوں پر

ذرا سا حلوہ لگا ہوا ہے۔"

"کہاں......؟" بے خیالی میں آرزو نے ہونٹوں کو پونچھنے کے لیے اپنا ہاتھ اٹھایا۔

ارمان نے اس کا ہاتھ تھام کر شوخی سے کہا۔ "رہنے دو آرزو!...... ابھی میں نے حلوے کی مٹھاس نہیں چکھی ہے......"

آرزو نے گھبرا کر اپنے ہاتھوں کو ہونٹوں پر رکھ لیا۔

یہ حرکت غیرارادی طور پر سرزد ہوئی تھی لیکن دواؤں کا بیگ ہاتھ سے گر پڑا تھا۔

شاہدہ کا یہ معمول تھا کہ وہ ہر صبح اٹھ کر ڈانس کی ریہرسل کیا کرتی تھی۔

ریہرسل کا تو محض نام تھا۔ ورنہ مقصد یہی ہوتا تھا کہ جسمانی ورزش ہو جائے۔ تاکہ جسم کا لوچ اور اس کی شادابی ہمیشہ برقرار رہے۔

لیکن آج وہ دیر تک سوتی رہی تھی۔ پچھلی رات وہ ارمان کے کمرے سے آکر صبح چار بجے تک جاگتی رہی تھی۔ اس کا دل ارمان کی بربادی پر کڑھ رہا تھا۔ پہلے وہ اس نوجوان کو اپنا آئیڈیل سمجھ کر پیار کرتی تھی۔ لیکن اسے اس حال میں دیکھ کر اس کی محبت اب عقیدت میں بدل گئی تھی۔ ایسے خاموشی سے لٹ جانے والے شریف آدمی کو اس نے زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا۔

وہ رہ رہ کر روشن کی کمینگی پر پیچ و تاب کھا رہی تھی اور اس سے ارمان کی بربادیوں کا انتقام لینے کے لیے منصوبے بنا رہی تھی۔

ابھی تک اس کے ذہن میں کوئی مکمل منصوبہ نہیں بن سکا تھا۔ اس سے انتقام لینے کے لیے اب تک یہی ایک تدبیر سمجھ میں آئی تھی کہ روشن نے جس طرح ارمان کو اس کے ساتھ بدنام کیا تھا۔ اسی طرح روشن کو یہاں لاکر بدنام کیا جائے اور اس کی امی اور انکل وغیرہ کو اس کی آوارگی کا تماشہ دکھایا جائے۔

لیکن اس تدبیر میں بہت ساری خامیاں تھیں...... یہ ٹھیک ہے کہ روشن کی اصلیت بے نقاب ہو جاتی۔ لیکن ارمان کی بے گناہی ثابت نہ ہوتی۔ دنیا تو یہی کہتی کہ چھوٹے بھائی کی طرح بڑا بھائی بھی آوارہ نکلا۔ اس کے علاوہ ارمان پر جو چوری کا الزام لگا ہوا تھا وہ بدستور قائم رہتا۔

دراصل اسی فراڈ کو بے نقاب کرنا تھا کہ روشن نے بیس لاکھ کی رقم خود ہتھیالی ہے

اس کا الزام ارمان کے سر پر رکھ دیا ہے۔

لیکن اس کی مکاری کا بھانڈا پھوڑنا اتنا آسان نہ تھا۔ وہ ارمان کو اپنے باپ کی
داد سے الگ کرنے اور آرزو سے شادی کر کے افضل کی جائیداد پر قابض ہونے کے
بڑی اچھی طرح سوچ سمجھ کر نئی نئی چالیں چل رہا تھا اور اتنی سوجھ بوجھ سے کام لے
تھا کہ اس پر کوئی انگلی بھی نہیں اٹھا سکتا تھا اور نہ کوئی دشمن ایسی چالوں کے سامنے
مات دے سکتا تھا۔

پھر شاہدہ جیسی تنہا عورت اسے کس طرح مات دے سکی تھی۔ کس طرح اس کی
ن سے یہ اگلوا سکتی تھی کہ اس نے بیس لاکھ روپے کا فراڈ کیا ہے؟

وہ صبح نو بجے بیدار ہوئی تو ذہنی طور پر اس طرح تھکی ہوئی تھی۔ جیسے نیند میں بھی
ل سوچتی رہی ہو۔

اس نے بستر سے اٹھ کر ایک بھرپور انگڑائی لی۔ اس کے دل نے کہا کہ اس طرح
ریں سوچ سوچ کر الجھنے سے کام نہیں چلے گا۔ ذہن کو کام میں لانے کے لیے ہنستے بولتے
چاہئے اور خود کو چاق و چوبند رکھنا چاہئے۔

وہ گنگناتی ہوئی باتھ روم میں چلی گئی۔ ذہن الجھا ہو تو سریلا گیت یا اس گیت کی
ناہٹ ایک ذرا سکون پہنچاتی ہے۔ انسان اسی طرح موڈ میں آتا ہے...... وہ شاور باتھ
کر واپس اپنے کمرے میں آئی اور خود کو تروتازہ محسوس کر رہی تھی۔

صبح کی ورزش ابھی باقی تھی۔ حالانکہ آج اٹھنے میں دیر ہو گئی تھی۔ پھر بھی وہ اپنے
کو ہر طرح سے مستعد رکھنا چاہتی تھی۔

آرکسٹرا ہولے ہولے ابھرنے لگا۔ اور اسے...... رقص کے لیے پکارنے لگا۔ وہ
ے کے وسط میں آکر طبلے کی تال پر پاؤں کو حرکت دینے لگی...... موسیقی کی لے پر
ں بازو پرواز کی مانند لہرائے اور اس کا سارا جسم بل کھانے اور تھرکنے لگا۔

آرکسٹرا کی آواز سن کر اس کے ماں باپ کو پتہ چلتا تھا کہ بیٹی اٹھ گئی ہے۔ اب
کے لیے ناشتہ تیار کرانا ہوگا اور ناشتہ لے کر اس کے کمرے میں جانا ہوگا۔ یہ کام تو
ابھی کر سکتے تھے۔ مگر وہ خود بیٹی کے لیے ناشتہ لے کر جاتے تھے۔ کیونکہ صبح سویرے
موڈ ذرا ٹھیک ہوتا تھا اور وہ خوشامد اور چاپلوسی کر کے دن بھر کے نشے پانی کے لیے

اس سے اچھی خاصی رقم وصول کر لیتے تھے۔

وہ ناشتہ لے کر دروازے پر پہنچے تو رقص پورے زور شور سے جاری تھا۔ و موسیقی کی تال پر بار بار سر کو جھٹک رہی تھی۔ پھر اس نے گول گھومنا شروع کر دیا۔ آہستہ آہستہ تیز سے تیز تر ہو کر اپنے کلائمکس پر پہنچ رہا تھا اور وہ اتنی ہی تیزی سے گول گھومتی جا رہی تھی۔

اچانک وہ گھومتے گھومتے لڑکھڑا گئی...... گرتے گرتے سنبھل گئی۔ اس نے سر کو تھام لیا...... یکایک اس کا سر چکرانے لگا۔ کمرے کے در و دیوار گھومتے نظر آ رہے تھے...... ایسا تو پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ وہ کوئی اناڑی رقاصہ نہیں تھی کہ ذرا سا ناچتے ناچتے یوں چکرا جاتی...... اس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی...... لیکن چکر آنے کے ساتھ ہی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔

وہ سر کو تھامے ہوئے...... دوزانو ہوئی اور پھر دھڑام سے چکنے فرش پر گر پڑی۔

"میری بچی......!"

بچی کے ماں باپ دوڑتے ہوئے اس کے قریب آئے لیکن وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔

ماں چھاتی پیٹ کر رونے لگی۔ باپ پریشان ہو کر ملازموں کو چیخ چیخ کر بلانے لگا۔ ملازم ادھر ادھر سے دوڑتے ہوئے آنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اچھا خاصہ ماتمی ہنگامہ پیدا ہو گیا۔

ارمان ابھی ابھی سو کر اٹھا تھا۔ رونے پیٹنے کی آواز سن کر وہ بھی اپنے کمرے سے نکل آیا اور آہستہ آہستہ شاہدہ کے کمرے کی طرف بڑھنے لگا۔

آرزو مریضوں کے وارڈ سے معائنہ کر کے واپس آ رہی تھی کہ ہسپتال کے کمپاؤنڈ میں ایک تانگہ داخل ہوا۔ اس میں سے ایک شخص نے اچانک چھلانگ لگائی اور دوڑتا ہوا آرزو کے قریب آ گیا۔

"ڈاکٹر صاحبہ......! میری مالکن بے ہوش ہو گئی ہیں۔ خدا کے لیے جلدی چلیے......!"

آرزو نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔ وہ گھبرایا ہوا تھا۔

اس نے پوچھا۔ "کیا پہلے وہ بیمار تھیں؟"

"جی نہیں...... وہ تو صبح تک اچھی تندرست تھیں...... بس ابھی اچانک بے ہوش ہو ...ں۔"

آرزو نے وارڈ بوائے سے دواؤں کا بیگ لانے کے لیے کہا۔

اور پھر اس ملازم سے پوچھا۔ "وہ اچانک کس طرح بے ہوش ہو سکتی ہے۔ و...ہیں ...دمہ پہنچا ہو گا...... کوئی چوٹ لگی ہو گی یا پھر کہیں سے گر پڑی ہوں گی...... بے ہوشی ...نہ کوئی وجہ تو ضرور ہو گی؟"

"جی...... جی ہاں!......" ملازم نے ہچکچاتے ہوئے کہا...... "دراصل وہ روزانہ صبح ناچتی ہیں۔ آج بھی ناچ رہی تھیں کہ اچانک گر کے بے ہوش ہو گئیں۔"

آرزو کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ حالانکہ ملازم نے شاہدہ کا نام نہیں لیا تھا۔ لیکن وہ جانتی تھی کہ اس بستی میں شاہدہ کے سوا اور کوئی ناچنے والی نہیں ہے۔

آرزو کے چہرے پر سختی سی آ گئی اور آنکھوں سے نفرت جھلکنے لگی...... شاہدہ کا ذکر ...ہی وہ اپنی شکست پر تلملا جاتی تھی۔ یہ وہی لڑکی تھی، جس نے پچھلی رات آرزو کی ...کے سامنے اس کی دنیا لوٹ لی تھی اور اس کی محبت کا سارا سرمایہ اس سے چھین ...گئی تھی۔

اس کے جی میں آیا کہ وہ اس مریضہ کے پاس جانے سے انکار کر دے...... لیکن ...رح انکار کرے۔ اس کے سینے میں ایک شکست خوردہ محبوبہ کا دل ہی نہیں ایک ...شناس ڈاکٹر کے جذبات بھی تھے...... وہ ایک عورت کی حیثیت سے اس سے دشمنی ...تھی۔ لیکن ڈاکٹر کی حیثیت سے اسے دشمن کے دروازے پر جانا تھا۔ اس دشمن ...مسکرانا تھا۔ محبت سے اس کی کلائی تھام کر اس کی نبض دیکھنی تھی۔

لوگ تو دوستوں کے لیے لمبی عمر کی دعائیں مانگتے ہیں...... لیکن وہ دشمن کی لیے لمبی ...نہ لکھنے والی تھی۔

وارڈ بوائے نے بیگ لا کر اسے دے دیا۔

وہ ملازم کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔ اس کے قدم نہیں اٹھ رہے تھے لیکن وہ جا رہی تھی تانگے پر سوار ہوتے وقت اچانک اسے خیال آیا کہ ارمان پچھلی رات

شاہدہ کے ساتھ گیا تھا۔ اب پتہ نہیں' وہ کل اس کے ہاں رہ گیا ہے یا پنڈی واپس
ہے۔

دل نے پھر فریب دیا کہ نہیں' وہ ایک ناچنے والی کے ہاں رات کو نہیں جائے
اس کے ہاں نہیں ٹھہرے گا۔

ٹانگہ تیزی سے دوڑتا جا رہا تھا۔

اس نے ملازم سے پوچھا۔ "مریضہ کے پاس کون کون موجود ہے؟"

"ان کے ماں باپ ہیں' بے چارے بہت پریشان ہیں۔"

"ان کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے؟"

"جی نہیں......!" ملازم نے جواب دیا۔

پھر اچانک اسے یاد آیا...... "جی ہاں! ایک مہمان اور ہیں...... کل رات ہی کو
ہیں۔"

آرزو کی سانس جیسے حلق میں آ کر پھنس گئی۔ ارمان نے اس کے لیے ایک ذ
بھی آس نہیں چھوڑی تھی کہ وہ کسی پہلو سے اپنے آپ کو بہلاتی...... اس بے و
ذات سے کوئی خوشی نہ سہی' کوئی خوش فہمی تو ہوتی...... لیکن اس نے بے شرمی کی ا
دی تھی۔ ایک بدکار عورت کے ہاں رات گذار کر اس نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ و
شریف زادی سے محبت کرنے کے قابل نہیں ہے۔

اس نے ایک گہری سانس لی۔ زندگی اسے کیسے کیسے تماشے دکھا رہی تھی۔
ایسے اسٹیج پر لے جا رہی تھی۔ جہاں اس کی محبت کا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔

ٹانگہ کوٹھی کے سامنے رک گیا۔ وہ بے دلی سے اتر کر آگے بڑھی اور کوٹھ
داخل ہو گئی۔ اس کے پاؤں آگے بڑھتے ہوئے کانپ رہے تھے...... ارمان سے سامنا
والا تھا۔

وہ ملازم کی راہنمائی میں ڈرائنگ روم اور کاریڈور سے گزرتی ہوئی شاہد
کمرے تک پہنچی۔

دروازے پر ایک ساعت کے لیے اس کے قدم رک گئے۔ کمرے میں اور تو
سے لوگ۔ تھے لیکن اس کی نظریں ارمان سے ٹکرائی تھیں۔

ایک ساعت کے لیے نظریں ملی تھی۔ وہ شاہدہ کے سرہانے کھڑا ہوا تھا۔ آرزو نے
فوراً ہی نظروں کو جھکا لیا۔ اسے دیکھ کر دوسرے لوگ مریضہ کے پاس سے ہٹ گئے۔ وہ
سر جھکائے آہستہ آہستہ چلتی ہوئی بستر کے قریب آ گئی۔

اس نے دواؤں کے بیگ کو ایک طرف رکھا اور اسٹیتھوسکوپ اپنے کانوں سے
گانے لگی۔

شاہدہ ہوش میں آ چکی تھی لیکن نقاہت کے باعث آنکھیں بند کیے پڑی ہوئی تھی۔
سٹیتھوسکوپ سنبھالتے ہوئے اچانک آرزو کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اسے خیال آیا کہ
پہلے بے ہوش افراد کی نبض دیکھی جاتی ہے۔ ایک ڈاکٹر کو ایسی معمولی باتوں کا ہمیشہ خیال
رہتا ہے۔ لیکن اس کا سارا دھیان تو ارمان کی طرف بٹا ہوا تھا۔

"یہ یہاں کیوں کھڑے ہیں؟...... یہاں سے جاتے کیوں نہیں؟ کیا انہیں احساس
ہیں ہے کہ میں اندر ہی اندر کانپ رہی ہوں اور اپنی تمام صلاحیتیں بھولتی جا رہی
وں۔"

وہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی اور نبض محسوس کر رہی تھی...... نبض کی رفتار
عتدال پر آ گئی تھی۔

اس نے اسٹیتھوسکوپ لے کر شاہدہ کے سینے پر رکھا۔

عالم تصور میں آرزو کو محسوس ہوا جیسے ارمان نے اس اسٹیتھوسکوپ کو تھام لیا ہے
ر کہہ رہا ہے۔

"آرزو......! کیا اس کے بغیر تم دل کی دھڑکنوں کو نہیں سمجھ سکتیں۔ جہاں زبان
ے کام لیا جاتا ہے۔ وہاں اس بے زبان آلے کی کیا ضرورت ہے۔"

آرزو کے ہاتھ کانپنے لگا۔ اتنے خوبصورت انداز میں محبت کا اظہار کرنے والا وہ
ص اس کے قریب ہی کھڑا ہوا تھا...... وہ سب کچھ بھول چکا تھا لیکن وہ کیسے بھول جاتی؟

شاہدہ کی پسلیوں کی جانب اسٹیتھوسکوپ رکھ کر معائنہ کرتے ہوئے وہ ٹھٹھک گئی۔
ل نے چونک کر شاہدہ کی طرف دیکھا جو آنکھیں بند کیے لیٹی ہوئی تھی۔

ارمان مسلسل آرزو کی جانب دیکھے جا رہا تھا اور اس کے چہرے سے اور اس کی
کت سے اندازہ لگا رہا تھا کہ وہ ذہنی طور پر بہت پریشان ہے۔ بظاہر وہ اپنے آپ کو

سنبھال رہی تھی لیکن اس کی اضطراری حرکتوں سے ذہنی الجھنوں کا پتہ چل رہا تھا۔

ارمان نے دیکھا کہ وہ شاہدہ کا معائنہ کرتے کرتے رک گئی ہے اور بالکل گم صم ہو کر کھڑی ہوئی ہے۔ اس کا ہاتھ شاہدہ کے جسم پر جہاں تھا' وہیں رکھا رہ گیا ہے۔

ارمان نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور پھر گھبرا سا گیا۔ وہ رو رہی تھی۔

وہ ایک ڈاکٹر ہو کر مریضہ کے سامنے کھڑی ہوئی رو رہی تھی۔ اسے روتے دیکھ کر شاہدہ کی ماں گھبرا گئی۔

"ڈاکٹر صاحبہ...... کیا ہوا میری بچی کو......؟"

لیکن شاید اس نے نہیں سنا۔ وہ اپنے ہونٹوں کو بھینچ کر اپنی سسکیاں روکنے لگی۔

"کیا ہو گیا ہے۔ تمہیں؟....." ارمان نے آگے بڑھ کر اس کے شانے کو چھو لیا۔

جیسے کوئی سلگتا ہوا انگارہ اس کے شانے کو چھو گیا ہو۔

وہ بدک کر پیچھے ہٹ گئی اور چیخ کر کہا۔ "خبردار......! مجھے ہاتھ نہ لگانا......"

"آرزو......!" ارمان نے نرمی سے کہا۔

"آرزو مر گئی...... اب اپنی ناپاک زبان سے میرا نام نہ لو...... تمہارے جیسا بے حیا اور بے شرم آدمی میں نے کبھی نہیں دیکھا......"

یہ کہتے کہتے اس کی آواز بھرا گئی اور وہ سسکیاں لے کر رونے لگی۔ پھر وہ دواؤں کا بیگ اٹھا کر تیزی سے پلٹ گئی۔

اسے جاتے دیکھ کر شاہدہ کی ماں نے دہائی دی۔ "ڈاکٹر صاحبہ...... میری بیٹی!"

"آپ کی بیٹی کو کچھ نہیں ہوا ہے......" اس نے پلٹ کر کہا اور پھر ارمان کو نفرت سے دیکھتے ہوئے کہنے لگی...... "آپ کو بھی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ خوش ہونا چاہئے کہ آپ کی محترمہ 'ماں بننے والی ہیں۔"

ارمان کے ذہن میں ایک دھماکہ سا ہوا...... غلط فہمی اس انتہا کو پہنچ جائے گی۔ وہ کبھی ایسا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

آرزو روتی ہوئی کمرے سے باہر جا رہی تھی۔

"آرزو...... رک جاؤ' میں اتنا بڑا الزام برداشت نہیں کر سکتا۔"

آرزو نے چیخ کر کہا۔ "ہاں...... ہاں...... پھر کوئی نیا فریب لے کر آؤ۔ تم تو اچھی

طرح جانتے ہو کہ میں فریب کھانے کی عادی ہوں...... میٹھی باتوں سے بہل جاتی ہوں...... لیکن خدا کے لیے اتنا بتا دو کہ تم کب میرا پیچھا چھوڑو گے۔ میں نے محبت ہی کی تھی لیکن تم اسے جرم سمجھ کر کب تک سزا دیتے رہو گے۔"

وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔

ارمان نے اس کے پیچھے آتے ہوئے کہا۔ "میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں آرزو...... کہ میں نے کبھی کوئی شرمناک حرکت نہیں کی ہے۔"

"جس خدا کی تم قسم کھا رہے ہو' میں اسی کا واسطہ دے کر کہتی ہوں کہ مجھ پر رحم کرو...... میں تم جیسے بہروپیوں کو اچھی طرح جانتی ہوں جو اپنی غرض کے لیے خدا کے نام کو بھی سستا کر دیتے ہیں...... لہٰذا مجھے فریب دینے کے لیے اب تمہارا کوئی حربہ کام نہیں آئے گا۔ بہتری اسی میں ہے کہ تم میرا پیچھا نہ کرو۔"

ارمان جوں کا توں کھڑا رہ گیا۔ آرزو کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ اس کی صفائی میں ایک لفظ بھی سننا نہیں چاہتی۔ اور وہ سن کر کرتی بھی کیا...... ارمان کے پاس اس کا کیا ثبوت تھا کہ وہ شاہدہ کے ہونے والے بچے کا باپ نہیں ہے۔

وہ روتی ہوئی اور بار بار آنسو پونچھتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ ارمان نے یہ کوشش کی کہ وہ اس سے نفرت کرنے لگے۔ لیکن اس نے یہ نہیں سوچا تھا کہ آرزو کو تنفر کرنے کے لیے تقدیر اسے اتنی غلاظت میں ڈبو دے گی۔ اور اس پر اتنا گھناؤنا الزام عائد کر دے گی اور پھر اسے کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ ماں کی خوشی کے لیے اور بھائی کا گھر آباد کرنے لیے ایک معصوم لڑکی کو رلاتا رہے۔

نہیں...... یہ ظلم ہے...... خود غرضی ہے...... ماں اور بھائی کی خاطر خود پر ظلم سہ سکتا ہے۔ لیکن اب...... اب وہ آرزو کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا۔

وہ دل ہی دل میں فیصلے کرتا ہوا شاہدہ کے کمرے میں آیا۔

"شاہدہ......!" اس نے چیخ کر کہا۔

شاہدہ نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ ارمان غصہ سے سرخ ہو رہا تھا۔

اس نے اسی طرح چیختے ہوئے کہا۔ "تمہیں ابھی میرے ساتھ انکل کے ہاں چلنا ہو گا اور انہیں بتانا ہو گا کہ تم کس کا گناہ لیے پھر رہی ہو۔"

"ارمان......! اس طرح طیش میں آنے سے کام نہیں چلے گا...... میں انہیں تمہاری بے گناہی کا یقین دلاؤں گی لیکن اس طرح نہیں، جس طرح تم کہہ رہے ہو۔"

"تم جس طرح چاہو، انہیں یقین دلاؤ لیکن میرے ساتھ چلو۔ میں نے بڑے بڑے الزامات برداشت کیے ہیں لیکن اس الزام کو برداشت نہیں کر سکتا۔"

"میری طبیعت ذرا سنبھلنے دو ارمان!...... جلد بازی نہ کرو۔ میرے یا تمہارے کہہ دینے سے کسی کو تمہاری بے گناہی کا یقین نہیں آئے گا...... جہاں اتنے عرصہ تم نے صبر کیا ہے۔ وہاں تھوڑی دیر اور صبر کر لو۔ مجھے صرف بارہ گھنٹے کی مہلت دو۔"

"بارہ گھنٹے......!"

"ہاں، صرف بارہ گھنٹے...... ارمان! میں ایک گناہگار عورت ہوں۔ میں نے زندگی میں کوئی نیک کام نہیں کیا...... لیکن آج مجھے ایک نیکی کرنے کا موقعہ دو۔"

"نہیں شاہدہ!...... تم جب بھی مجھ سے ملی ہو۔ میرے لیے تباہی لے کر آئی ہو۔ یہ میری بھول تھی کہ کل میں تم سے خود ہی مل بیٹھا اور اب اس بھول کی سزا مجھے مل رہی ہے۔ ابھی طیش میں آکر واقعی مجھے یہ خیال نہ رہا کہ میری اور تمہاری باتوں پر کوئی یقین نہیں کرے گا۔

مجھ پر الزامات ہی ایسے لگائے جا رہے ہیں کہ میں قسمیں کھا کر بھی یقین نہیں دلا سکتا۔ دنیا مجھے چور سمجھتی ہے...... بدکار سمجھتی ہے...... میں کیا کروں؟ کس طرح اپنی بے گناہی ثابت کروں؟"

"تم کچھ نہیں کر سکتے......" شاہدہ نے کہا...... "جو لوگ دشمنوں کو ڈھیل دیتے ہیں۔ وہ آخر میں اسی طرح پچھتاتے ہیں۔ تم نے روشن کو چھوٹ دے کر ہمیشہ اسے موقع دیا کہ وہ تمہارے خلاف سازشیں کرے۔

اب تمہارے پاس کوئی ایسا ثبوت نہیں ہے کہ تم اپنی بے گناہی ثابت کر سکو...... لیکن میرے پاس ہے۔ میرے پاس ایک ترپ کا پتہ ہے۔ جس سے تمہاری ہاری ہوئی بازی جیت سکتی ہوں۔"

"واقعی......؟" ارمان نے مضطرب ہو کر پوچھا۔

"میری بے گناہی کا کون سا ثبوت ہے تمہارے پاس؟"

شاہدہ نے اس اضطراب پر مسکراتے ہوئے کہا ثبوت یہ بچہ ہے جو میرے جسم میں ورش پا رہا ہے۔ میں یہ ثابت کروں گی کہ اس بچے کا باپ کون ہے؟"

"کون ہے......؟"

"یہ نہ پوچھو...... ورنہ تم اور زیادہ طیش میں آ جاؤ گے۔"

"بچے کا باپ کوئی بھی ہے، مجھے طیش میں آنے کیا ضرورت ہے؟"

"تم یقیناً آپے سے باہر ہو جاؤ گے۔ یہ میں اچھی طرح جانتی ہوں...... اب یہی ایک ڈ میرے ہاتھ میں ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ تم جذبات میں کوئی ایسی ویسی حرکت کر بیٹھو ر میرا بنتا ہوا کھیل بگڑ جائے۔ لہٰذا صرف بارہ گھنٹے کی مہلت دو مجھے۔"

ارمان نے بے بسی سے سر جھکا لیا۔ اب اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تھا کہ شاہدہ پر اعتماد کرے۔

"مجھے پر اعتبار کرو ارمان!...... اگر میں نے بچے کے باپ کا نام ابھی بتا دیا تو تم پھر ں شرافت سے مار کھا جاؤ گے۔ لیکن میں جانتی ہوں کہ سیدھی انگلی سے گھی کبھی نہیں نا۔

مجھ پر بھروسہ کرو۔ اگرچہ میں ایک فاحشہ اور بدکار عورت ہوں اور لوگوں کو قوف بنا کر ان کا شکار کرتی ہوں۔ لیکن آج میرے شکار کا انداز بدل جائے گا۔"

آج میں آرزو کی کوٹھی میں جاؤں گی اور اسی کمین گاہ میں بیٹھ کر تمہارے لیے ر کھیلوں گی۔"

آرزو کی کوٹھی رنگ برنگے قمقموں سے جگمگا رہی تھی۔

کوٹھی کے احاطے کے باہر عورتوں اور بچوں کا بے پناہ ہجوم تھا۔ آج ان کی بستی میں پہلی بار آتش بازی کا تماشہ ہونے والا تھا۔ اس لیئے وہ شام سے ہی کوٹھی میں جمع ہونے لگے تھے۔

کوٹھی کے لان میں جابجا ہوائیاں اور ماہتابی چکر نصب کیے گئے تھے۔ ان کے درمیان ایک آتشی پتلا کھڑا تھا۔ لان کے کنارے چھوٹے بڑے دیسی ساخت کے بم' رنگین کاغذوں میں لپٹے رکھے ہوئے تھے اور پھٹ پڑنے کے لیے ایک ننھے سے شعلے کے منتظر تھے۔

آرزو کو یہ سب تماشے اچھے نہیں لگ رہے تھے۔ انسان کا من مزاج اچھا ہو تو تہوار کی خوشیاں بھی اچھی لگتی ہیں۔ ورنہ خوشی کے موقعوں پر بھی پھوٹ پھوٹ کر رونے کو جی چاہتا ہے۔

آرزو کا جی بھی یہی چاہ رہا تھا کہ وہ ان ہنگاموں سے دور اپنے کمرے میں بند ہو کر خوب روئے۔ لیکن عصمت نے اسے تنہائی کا موقع ہی نہیں دیا۔ وہ جانتی تھی کہ آرزو کا چہرہ اجڑا اجڑا سا کیوں ہے...... اس آوارہ لڑکے کے لیے جس کی وجہ سے اس کی ممتا بھی تڑپتی رہتی تھی...... اب اس کی ممتا' روشن کے پیار سے بہل رہی تھی اور وہ سوچ رہی تھی کہ آرزو بھی رفتہ رفتہ روشن کے نام سے بہل جائے گی۔ وقت گہرے سے گہرے زخم پر مرہم رکھ دیتا ہے۔

اور مرہم رکھنے کے لیے ہی اس نے روشن کے لیے آرزو کو مانگا تھا۔ وہ ایک بیٹے کی کمی کو جس طرح دوسرے بیٹے سے پورا کر رہی تھی۔ اسی طرح آرزو کی زندگی میں پیدا

ہو جانے والے خلا کو روشن کی ذات سے پر کرنا چاہتی تھی۔

آرزو کو بہلانے کی خاطر اس نے آتش بازی کا اہتمام کرایا تھا اور اسے اپنے ساتھ لیے پھر رہی تھی۔ بعض اوقات دل پر زخم کھا کر بھی اپنی سوسائٹی کے لیے مسکرانا پڑتا ہے۔ شاداب نگر کی چند معزز ہستیاں مدعو کی گئی تھیں۔ ان کے سامنے وہ روتا بسورتا منہ لے کر نہیں جا سکتی تھی۔ لہٰذا وہ جبراً مسکرا رہی تھی۔

اس کی مسکراہٹ دیکھ کر روشن کھلا جا رہا تھا۔ اسے یہ خوشخبری پہلے ہی مل چکی تھی کہ افضل نے اپنی بیٹی کے لیے اس کا رشتہ منظور کر لیا تھا۔ یہی نہیں' بلکہ یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ ارمان پچھلی رات یہاں آیا تھا اور افضل کی لعن طعن سن کر چلا گیا ہے۔

اب آرزو کی مسکراہٹ بھی اسے یہ یقین دلا رہی تھی کہ باپ کے طے ہوئے رشتہ پر بیٹی کو اعتراض نہیں ہے۔

آج روشن کی زندگی میں ہر چہار طرف سے خوشیاں امنڈ آئی تھیں...... آج اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے شب برات کی خوشیاں اسی کے لیے آئی ہیں۔ آتش بازی کا اہتمام اسی کے لیے کیا گیا ہے...... کیونکہ پچھلی شب برات میں ہاری ہوئی بازی کو اس نے آج کی رات جیت لیا تھا۔

تمام مہمان آ چکے تھے اور لان کے دوسرے حصے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آتش بازی اب شروع ہونے والی تھی۔

اسی وقت روشن نے مین گیٹ کی طرف دیکھا۔ لوگوں کے ہجوم میں شاہدہ کا ملازم نظر آ رہا تھا۔ اس نے روشن کو اپنی جانب متوجہ دیکھ کر اشارے سے اسے اپنی طرف بلایا۔

وہ معزز لوگوں کے درمیان کھڑا ہوا تھا۔ ایک ملازم کا اس طرح بلانا اسے بڑا ہی معیوب لگا اور پھر وہ بھی ایک ناچنے والی کا ملازم...... اس نے حقارت سے اس کی طرف دیکھا۔ لیکن حقارت کے اظہار کے باوجود وہ اس کے پاس جانے کے لیے مجبور تھا...... یہ سوچ کر کہ ایسے نیچ لوگ کسی کی عزت کا خیال نہیں کرتے۔ اگر وہ نہ گیا تو وہ کم بخت خود ہی معزز لوگوں کے درمیان چلا آئے گا۔

وہ آہستہ آہستہ ٹہلنے کے بہانے سے آگے بڑھتے ہوئے اس کے قریب آیا اور غرا

کر پوچھا۔ "یاں کیوں آئے ہو؟" "سرکار!...... مالکن نے مجھے بھیجا ہے۔ وہ آپ کو بلا رہی ہیں......!"

"جاؤ یہاں سے!......" اس نے سختی سے کہا۔ "میں ابھی نہیں آسکتا۔"

"لیکن وہ تو یہاں آئی ہوئی ہیں۔"

"یہاں......؟" اس نے گھبرا کر پوچھا۔

"جی ہاں...... اس کوٹھی کے پیچھے' جو ایک سرونٹ کوارٹر خالی ہے نا!...... وہیں آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔"

"یہ کیا حماقت ہے......؟" اس نے دانت پیس کر کہا۔

"اسے کس نے کہا تھا یہاں آنے کے لیے؟"

"کیا بتاؤں سرکار! معاملہ بڑا خراب ہو گیا ہے...... آج ڈاکٹر صاحبہ ہمارے ہاں آئی تھیں۔ انہوں نے مالکن کو دیکھ کر بتایا ہے کہ وہ ماں بننے والی ہیں۔"

"اچھا......!" اس نے چونک کر کہا۔

"جی ہاں...... مالکن کہتی ہیں کہ وہ بچہ آپ کا ہے۔"

"یہ جھوٹ ہے......" اس نے غصہ سے کہا۔

"میں تمہاری مالکن کو شوٹ کر دوں گا۔"

"لڑائی جھگڑے سے کام نہیں چلے گا سرکار!...... آپ تو جانتے ہیں کہ مالکن کے گھر والے کتنے لالچی ہیں۔ آپ کچھ رقم دے کر ان کا منہ بند کر دیں۔"

وہ سوچنے لگا...... ملازم کی بات معقول تھی کہ اگر کچھ رقم دے کر ان کا منہ بند کیا جا سکتا ہے تو خواہ مخواہ بات نہیں بڑھانی چاہئے۔"

"میں تو انہیں اچھی خاصی رقمیں دیتا رہا ہوں۔ اب بھی وہ جو مانگیں' میں دینے کے لیے تیار ہوں۔ لیکن شاہدہ کو یہاں نہیں آنا چاہئے تھا۔ تم اس سے جا کر کہہ دو کہ کل ان کی منہ مانگی رقم پہنچ جائے گی۔"

"نہیں سرکار!...... مالکن کا مزاج کچھ بگڑا ہوا ہے' وہ آپ سے ملے بغیر نہیں جائیں گی۔ آپ تک خبر پہنچانا میرا کام تھا۔ اب آپ جانیں یا وہ......"

یہ کہہ کر وہ وہاں سے کھسک گیا۔

"ذلیل...... کمینی!......" اس نے غصہ سے مٹھیاں بھینچتے ہوئے دل میں کہا......

"اونہہ! مزاج بگڑا ہوا ہے...... لوگ ٹھیک ہی کہتے ہیں طوائفوں کو منہ نہیں لگانا چاہئے...... کم بخت کتنے اچھے موقعہ پر رنگ میں بھنگ ڈالنے چلی آئی ہے۔"

وہ تیزی سے پلٹ کر کوٹھی کے اندر گیا۔ شاہدہ کے متعلق بھی یہی خطرہ تھا کہ اگر وہ ملنے نہ گیا تو وہ خود ہی چلی آئے گی۔

اس نے کمرے میں داخل ہو کر اپنا سوٹ کیس کھولا اور اس میں سے چیک بک نکال کر ایک نظر اپنے بینک بیلنس پر ڈالی۔ پھر اسے اپنی جیب میں رکھنے لگا۔

اچانک اس کے دل نے کہا کہ اگر رقم پر بات نہ ٹلی تو کیا ہوگا؟ ملازم نے بتایا ہے کہ آرزو اس کا معائنہ کرنے گئی تھی۔ یہ ٹھیک ہے کہ شاہدہ نے آرزو کو حقیقت نہیں بتائی ہے...... لیکن بتا سکتی ہے اگر میں نے اس کا مطالبہ پورا نہ کیا تو وہ طوائف بہت کچھ کر سکتی ہے۔ امی اور انکل اس کی بات کا یقین کریں یا نہ کریں۔ لیکن آرزو کے سوچنے کے لیے کافی گنجائش پیدا ہو جائے گی۔ اور یہ اتنا نازک وقت ہے کہ آرزو کو ہر ممکن طریقہ سے اپنے اعتماد میں لینا ضروری ہے۔

اس نے سوٹ کیس کے اندر ہاتھ ڈالا کر کپڑوں کی تہہ میں چھپا ہوا ریوالور نکال لیا...... شاہدہ کو رقم دینے کے ساتھ ہی دھمکی دینا بھی بہت ضروری تھا۔ تاکہ وہ آئندہ آرزو کی کوٹھی میں کبھی نہ آئے۔

اس نے ریوالور کو پتلون کی جیب میں رکھا اور سوٹ کیس کو بند کرنے کے بعد کمرے سے نکل گیا۔

کاریڈور سے ڈرائنگ روم جانے کی بجائے وہ کچن کی طرف گیا اور کچن کے دروازے سے کوٹھی کے پچھلے حصے میں چلا آیا۔

دور سرونٹ کوارٹر کے روشندان سے ہلکی ہلکی روشنی نظر آ رہی تھی۔ وہ سبز گھاس کے میدان سے گزرتا ہوا کوارٹر کے دروازے پر پہنچا اور اسے آہستگی سے کھولا۔

دروازہ ہلکی سی چرچراہٹ کے ساتھ کھل گیا۔ شاہدہ کمرے کے ایک گوشے میں کھڑی ہوئی تھی۔

روشن نے دیکھتے ہی غصہ سے کہا "میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ شاداب نگر میں مجھ

سے نہ ملا کرو۔"

"ہاں......!" شاہدہ نے مسکرا کر کہا...... "لیکن میں ایک ضروری کام سے آئی ہوں۔"

"میں وہ ضروری کام اچھی طرح جانتا ہوں۔ بولو تمہیں کتنی رقم کی ضرورت ہے۔ میں یہ بھی سن چکا ہوں کہ تم ماں بننے والی ہو اور یہ بھی اچھی طرح سمجھ چکا ہوں کہ بچے کے سلسلے میں تم کچھ زیادہ ہی رقم کا مطالبہ کرو گی...... بولو' اس نئے سودے کا کیا لو گی...... مجھ سے جتنی چاہو' لے لو اور بچے کو ضائع کر دو۔"

"آپ نے تو آتے ہی ایک سانس میں ساری باتیں کہہ دیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ بڑی عجلت میں ہیں۔ ویسے میں واقعی ایک نیا سودا کرنے آئی ہوں۔ لیکن یہ سودا بچے کے لیے نہیں' ارمان کے لیے ہوگا۔"

"اب مجھے ارمان سے کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ آرزو سے میرا رشتہ طے ہو گیا ہے۔"

شاہدہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "بڑے بھولے ہیں آپ...... رشتہ آپ سے طے ہوا ہے اور وہ ارمان سے چھپ چھپ کر ملتی ہے۔"

"یہ جھوٹ ہے۔"

"جھوٹ نہیں...... آپ کی خوش فہمی ہے۔ کل رات اسے پنڈی سے لوٹنے میں دیر نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ وہ ثامی کے ہاں ارمان کے پہلو میں تھی۔"

روشن نے اسے غیر یقینی نظروں سے دیکھا۔

شاہدہ نے پورے اعتماد سے مسکراتے ہوئے کہا۔ "آپ نے گھر والوں کو بیوقوف بنا کر یہ سمجھ لیا تھا کہ آرزو بھی بیوقوف بن گئی ہے اور ارمان سے نفرت کرنے لگی ہے۔ لیکن آپ سوچیں کہ وہ کس وجہ سے نفرت کرے گی؟ ثامی نے اپنی پیٹھ کا زخم دکھا کر اسے یقین دلا دیا ہے کہ ارمان کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آرزو کے سامنے ارمان کا صرف ایک عیب ہے کہ اس نے اپنے گھر سے ایک بہت بڑی رقم چوری کی ہے۔ لیکن لڑکیاں جب محبت کرنے پر آتی ہیں تو چور اور ڈاکوؤں سے بھی محبت کرنے لگتی ہیں۔ اگر نہیں کرتیں تو صرف بے وفا اور ہرجائی مرد سے...... اور ارمان اس کی نظروں میں ہرجائی نہیں

ہے۔"

روشن نے قائل ہوتے ہوئے پوچھا۔ "ہم...... تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ارمان اداب نگر میں موجود ہے۔"

"ہاں...... موجود ہے...... جانتے ہو کیوں؟" شاہدہ نے ایک ادا سے لچکتے ہوئے ذرا گے بڑھ کر کہا۔

"اس لیے کہ آرزو اپنے باپ کے سامنے تمہارے رشتے سے انکار نہ کر سکی۔ لہٰذا رمان نے اسے مشورہ دیا ہے کہ وہ چپ چاپ کورٹ میرج کر لیں۔ تاکہ آرزو کا باپ رمان کو قبول کرنے پر مجبور ہو جائے۔"

روشن کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کی علمی میں آرزو اور ارمان ایک دوسرے سے ملتے رہے ہیں اور اب کورٹ میرج کا وگرام بنا رہے ہیں۔

شاہدہ نے تیر نشانے پر لگتے دیکھ کر کہا۔ "اسی لیے میں آپ کے پاس آئی تھی کہ اپ کو حالات سے باخبر کر دوں اور یہ بتا دوں کہ ارمان کو راستے سے ہٹانے کا صرف ایک ں راستہ ہے۔"

"وہ کیا......؟" اس نے مضطرب ہو کر پوچھا۔

"وہ یہ کہ آرزو کے دل میں ارمان کے خلاف اتنی نفرت پیدا کر دی جائے...... اتنی فرت کہ پھر کبھی وہ ارمان کا نام نہ لے۔"

"لیکن نفرت کیسے پیدا کی جائے۔ یہ کام اتنا آسان نہیں ہے۔"

"نہیں آسان ہے......" شاہدہ نے مستحکم انداز میں کہا...... "میرے پاس ایک ترپ کا پتہ ہے' جسے دیکھتے ہی آرزو' ارمان سے نفرت کرنے لگے گی...... میں نے کہا نا!...... کہ یں آج ایک نیا سودا کرنے آئی ہوں۔"

شاہدہ نے قریب آ کر بڑی مکاری سے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں جھوٹی قسم کھا کر آرزو سے کہوں گی کہ میرے بچے کا باپ ارمان ہے۔"

روشن خوشی سے اچھل پڑا۔ کتنی آسان ترکیب تھی۔ ایک تیر سے دو نشانے ہو رہے تھے۔ اس کا گناہ ارمان کے سر تھوپا جاتا اور آرزو ہمیشہ کے لیے اس سے متنفر ہو

جاتی۔

اس نے پوری طرح اطمینان حاصل کرنے کے لیے پوچھا۔ "لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ آرزو تمہاری بات کا یقین کر لے۔"

"ضرور یقین کرے گی۔ اس نے خود ہی میرا معائنہ کیا ہے اور وہ جانتی ہے کہ میں ماں بننے والی ہوں۔ میرے ماں باپ اور ملازم وغیرہ اس بات کی گواہی دیں گے کہ ارمان اکثر راتوں کو میرے ہاں آیا کرتا تھا۔"

روشن نے خوش ہو کر اسے گلے سے لگا لیا۔ "جان من!...... تم نے ایسی چال سوچی ہے...... کہ ارمان' آرزو تو کیا' کسی کو بھی منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گا۔ بولو کتنی رقم چاہیے؟"

"بیس لاکھ روپے نقد......!"

روشن ایک جھٹکے سے یوں پیچھے چلا گیا۔ جیسے بجلی کا تار چھو گیا ہو۔

اس نے بگڑ کر کہا۔ "تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ بیس لاکھ کی رقم کبھی تم نے خواب میں بھی دیکھی ہے؟"

"نہیں دیکھی ہے...... اسی لیے آج دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"دیکھو شاہدہ!...... ایک کاروباری کی طرح باتیں کرو۔ جتنا کام ہے' اتنا ہی معاوضہ لو۔"

"میں نے اتنا ہی معاوضہ طلب کیا ہے...... اب یہ سوچنا آپ کا کام ہے کہ میں آپ کے لیے کتنا بڑا کارنامہ انجام دے رہی ہوں۔ آرزو کا باپ کروڑ پتی ہے۔ کروڑوں کی جائیداد حاصل کرنے کے لیے اگر آپ مجھے بیس لاکھ دے دیں گے تو کون سا نقصان ہو جائے گا...... ذرا غور کیجیے کہ آرزو قانونی طور سے بالغ ہے آپ یا اس کا باپ یا دنیا کا کوئی فرد اسے کورٹ میرج سے نہیں روک سکتا۔ صرف میں روک سکتی ہوں۔"

"پھر بھی یہ بہت بڑی رقم ہے۔ میں تمہیں پانچ ہزار دے سکتا ہوں۔"

"بیس لاکھ سے نیچے کی بات نہ کریں یا پھر اس کا معاملہ ختم کر دیں...... اب یہ بچہ آپ کا ہی کہلائے گا اور آپ زندگی بھر اس کے اخراجات برداشت کریں گے۔"

روشن نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "تمہیں نہیں معلوم ہے شاہدہ!...... کہ

رے پاس اتنی بڑی رقم کبھی نہیں رہتی۔ امی مجھ سے ایک ایک پیسے کا حساب طلب کرتی ہے۔"

"آپ مجھے نادان سمجھ کر بہلانے کی کوشش نہ کریں یا اگر واقعی آپ مجبور ہیں تو ہمارے درمیان سودا نہیں ہو گا۔"

روشن نے بے بسی سے پیچ و تاب کھاتے ہوئے کہا۔ "تم بہت ضدی ہو......!"

"ضدی اس لیے ہوں کہ طوائف زادی ہوں۔ اپنے گاہکوں سے مول تول کرنے سلیقہ جانتی ہوں۔"

"دیکھو' میں تم سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گا۔ میرے پاس اتنی رقم ضرور تھی ن ایک سال کے دوران تقریباً آدھی رقم خرچ ہو چکی ہے۔ تمہیں بھی ہر ماہ اسی ؤنٹ سے روپے دیتا رہا ہوں...... میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ میرے گناہ کا الزام اگر ارمان ے سر تھوپ دیا جائے تو اس کم بخت کا کانٹا ہمیشہ کے لیے صاف ہو جائے گا۔ اور مجھے ل کی جائیداد کا حقدار بننے سے کوئی نہ روک سکے گا...... لہٰذا دس لاکھ روپے جو میرے ؤنٹ میں رہ گئے ہیں۔ وہ میں تمہیں بخوشی دیتا ہوں۔"

اس نے جیب سے چیک بک نکالتے ہوئے کہا۔ "بس' اب اس سودے پر زیادہ رار نہ کرنا' میں دو چیک مختلف تاریخوں میں لکھ کر دے رہا ہوں۔ اگر تم نے دو دن کے ر اپنا کام نہ دکھایا اور کامیاب نہ ہو سکیں تو یہ چیک کیش ہونے سے روک دیے جائیں ے۔"

یہ کہہ اس نے یکے بعد دیگرے تین چیک لکھے اور انہیں شاہدہ کے حوالے کر

شاہدہ نے انہیں تہہ کر کے اپنے گریبان میں ہاتھ ڈالا اور ان چیکوں کو اپنی باڈی ، اندر اڑس لیا۔

پھر وہ اطمینان کی ایک سانس لیتی ہوئی بولی۔ "یہ چیک آپ کے پرائیوٹ اکاؤنٹ ، تعلق رکھتے ہیں۔"

"کسی بھی اکاؤنٹ سے تعلق رکھتے ہیں۔ تمہیں آم کھانے سے مطلب ہے یا پیڑ نے سے؟"

"نہیں...... میں نے اس لیے پوچھا ہے کہ ابھی آپ اپنی مجبوری کا رونا رو رہ
تھے کہ امی ایک ایک پیسے کا حساب لیتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ آپ کی امی کو اس اکاؤنٹ کا عل
نہیں ہوگا۔"

"تم بعض اوقات بہت غیر ضروری باتیں کرتی ہو۔ اب جاؤ یہاں سے۔"

شاہدہ اٹھلاتی ہوئی اور مسکراتی ہوئی دروازے تک آئی۔

پھر پلٹ کر کہا۔ "روشن صاحب! آپ کے اس خفیہ اکاؤنٹ نمبر سے اس بات
تحقیق ہو سکتی ہے کہ یہ اکاؤنٹ کب کھولا گیا......؟ شاید ایک سال پہلے...... آپ کے گ
سے غائب ہونے والے بیس لاکھ روپے کہاں گئے؟...... ارمان کی جیب میں یا آپ کے ا
اکاؤنٹ میں......؟"

"یہ کیا بکواس ہے؟" اس نے گھبرا کر کہا۔

"بکواس نہیں ہے...... میں ابھی جا کر آپ کی امی سے پوچھتی ہوں کہ ایک ا
پیسے کا حساب لینے کے باوجود بڑے بیٹے کے پاس اتنی رقم کہاں سے آ گئی؟"

"ذلیل...... کمینی......!"

"ذلیل میں نہیں...... تم ہو...... تم نے ایک شریف آدمی کو گھر سے بے گھ
دیا...... ماں کی گود سے اسے چھڑا دیا اور آرزو کے دل میں اس کے لیے نفرت پیدا کر
لیکن میں اب اس بازی کا نقشہ ہی بدل دوں گی۔"

روشن غصہ میں جھنجلاتا ہوا آگے بڑھا۔

"خبردار......!" شاہدہ نے چیخ کر کہا...... "اگر میرے قریب آنے کی کوشش کی تو
چیخنا چلانا شروع کر دوں گی...... تمہارے گھر والے اور معزز مہمان اتنی دور نہیں ہ
میری چیخ و پکار نہ کر سکیں۔"

روشن کے قدم رک گئے۔

"ٹھائیں...... ٹھائیں......" کوٹھی کے لان میں آتش بازی شروع
تھی۔

شاہدہ پلٹ کر کوارٹر سے نکل گئی اور سبز گھاس پر قدم رکھتی ہوئی لان کی
جانے لگی...... روشن کا ہاتھ پتلون کی جیب میں گیا اور ریوالور کے دستے کو مضبوطی۔

شائیں......" ایک ہوائی سراسرتی ہوئی اندھیرے کا سینہ چیرتی ہوئی بلندی تک گئی
اچٹ جھلمتی ہوئی رنگ برنگی شعاعیں بکھرنے لگیں۔

ان شعاعوں کی مدھم روشنی میں شاہدہ جاتی ہوئی نظر آ رہی تھی...... روشن نے
ر نکال کر اس کا نشانہ لیا۔

لیکن فائر کی آواز دوسرے لوگ سن سکتے تھے۔ وہ تو شاہدہ کو دھمکانے کے لیے یہ
ر لے آیا تھا۔ اب چلانے کی نوبت آ رہی تھی تو پہلے اپنے بچاؤ کی تدبیر کرنی تھی۔

"شائیں...... شائیں...... شائیں......" تین ہوائیاں سرسراتی ہوئی آسمان کی بلندی کو
نے کے لیے گئیں۔ بچے اور دیگر تماشائی تالیاں بجا بجا کر شور مچانے لگے۔

اسی شور و غل کے دوران روشن کے ریوالور سے ایک شعلہ نکلا۔ "ٹھائیں!"

شاہدہ چلتے چلتے لڑکھڑائی۔ گولی اس کے قریب سے سنسناتی ہوئی گزر گئی تھی۔ اس
حلق سے ایک چیخ نکلی اور وہ کوٹھی کی طرف بھاگنے لگی۔

ریوالور سے پھر شعلے نکلے۔ "ٹھائیں...... ٹھائیں...... ٹھائیں......"

لان میں دیسی ساخت کے بم پھٹنے لگے۔ "دھائیں...... دھائیں...... دھائیں......"

شاہدہ کے بھاگنے کے دوران ایک درخت آڑے آ گیا تھا۔ اس لیے ایک بھی نشانہ
نہ بیٹھا۔

بم کے دھماکوں کے بعد آتشی پتلا پھٹنے لگا۔ آوازیں ایسی ہی تھیں جیسے متواتر
فلیں چھوٹ رہی ہوں۔

شاہدہ اور کوٹھی کے درمیان کوئی بیس گز کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ روشن نے پوری توجہ
نشانہ باندھا۔

"ٹھائیں...... ٹھائیں......"

شاہدہ کے حلق سے ایک چیخ نکلی اور وہ لڑکھڑا کر گر پڑی۔

آتشی پتلے کی دھجیاں اڑ گئی تھی۔ وہ بانس کے فیتیوں میں جھول گیا۔ اس کی
نکھیں پھیل گئی تھیں اور منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔

شاہدہ ایک جھاڑی سے الجھ کر جھول گئی۔ پتلے کی طرح اس کی بھی آنکھیں پھیل

گئی تھی۔

اسی وقت ملازمہ حلوے کی پلیٹ لے کر اپنے کوارٹر کی طرف آ رہی تھی۔ شاہدہ پر نظر پڑتے ہی اس کے حلق سے ایک دلخراش چیخ نکلی۔ آتش بازی ایک ذرا دیر کے لیے رکی تھی۔ ذرا دیر کے لیے سناٹا چھایا تھا اور اس سناٹے میں ملازمہ کی چیخ دور تک لہرائی گئی تھی۔

پھر ہر طرف سے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں آنے لگیں۔

روشن نے اسی میں عافیت سمجھی کہ اندھیرے میں روپوش ہو جائے۔

یہ خبر دیکھتے ہی دیکھتے ساری بستی میں پھیل گئی کہ شاہدہ کو کسی نے گولی مار دی ے۔

یہ خبر ارمان تک بھی پہنچی...... حادثہ آرزو کی کوٹھی کے احاطے میں ہوا تھا۔ وہ یہ ننے کے لیے بے چین تھا کہ شاہدہ وہاں کیوں گئی تھی اور جب چلی ہی گئی تھی تو آرزو کی ٹھی میں اس کا دشمن کون ہو سکتا ہے۔ جس نے اتنی بڑی جرات کی ہے۔

وہ کوٹھی تک آیا لیکن اندر نہ جا سکا۔ کیونکہ اس کی امی اور انکل اس سے بات کرنا گوارا نہیں کرتے تھے۔ کوٹھی کے باہر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ لان کی حالت بتا رہی تھی کچھ دیر پہلے آتش بازی ہو چکی ہے...... وہاں دو چار لوگ اور بھی آئے ہوتے تھے۔ وہ اس بات کی تصدیق کے لیے آئے تھے کہ واقعی شاہدہ کو کوئی حادثہ پیش آیا ہے یا ا۔

اسی وقت ثامی بھی اس حادثہ کی نوعیت معلوم کرنے کے لیے وہاں پہنچ گیا۔ دونوں توں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

ارمان کی نگاہیں جھک گئیں۔ پچھلی رات اس نے ثامی پر ہاتھ اٹھایا تھا۔ طیش میں آ سے طمانچہ مار دیا تھا۔

اب وہ طیش میں نہیں تھا اور اب اسے اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا۔ اس لیے وہ سے نظریں نہ ملا سکا۔

ثامی نے اس کی شرمندگی کو محسوس کرتے ہوئے خود ہی اسے مخاطب کیا۔

ان......!"

اس کا سر بدستور جھکا رہا۔

ٹامی نے آگے بڑھ کر کہا۔ "تم آرزو کی کوٹھی تک چل کر آئے ہو...... میں اسے کیا سمجھوں؟ کیا آرزو کی محبت تمہیں یہاں کھینچ کر لائی ہے یا شاہدہ کے حادثہ کی خبر سن کر آئے ہو؟"

"ٹامی......!" ارمان نے اس سے نظریں چراتے ہوئے کہا...... "مجھے شرمندگی ہے کہ میں نے تم پر ہاتھ اٹھایا ہے' ہو سکے تو مجھے معاف کر دو۔"

"معافی مانگ کر اب مجھے شرمندہ نہ کرو۔ مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ میں ایک غریب دوست ہوں۔ تم جب چاہو ٹھوکر مار سکتے ہو۔ لیکن آرزو تو دولت مند ہے' تم نے اس کے پیار کو کیوں ٹھکرا دیا؟"

"مجھے طعنے نہ دو ٹامی!...... نہ میں نے کبھی تمہیں غریب سمجھا ہے اور نہ ہی آرزو کو نفرت سے ٹھکرایا ہے۔ کل رات کو تم نے جو کچھ بھی دیکھا' وہ محض ڈرامہ تھا۔ میں آرزو سے محض اس لیے نفرت کا اظہار کر رہا تھا کہ امی اسے بڑے بیٹے کی دلہن بنانا چاہتی ہیں۔ انکل کی بھی یہی مرضی ہے...... میں شاید آج بھی تمہیں یہ حقیقت نہ بتاتا۔ لیکن اب اس لیے بتا رہا ہوں کہ مجھ پر ایک گھناؤنا الزام لگ رہا ہے...... آرزو کو غلط فہمی ہو گئی ہے کہ میں شاہدہ کے ہونے والے بچے کا باپ ہوں...... ٹامی! تم ہی دل پر ہاتھ رکھ کر کہو' کیا میں ایسی گری ہوئی حرکت کر سکتا ہوں؟"

ٹامی نے حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا شاہدہ ماں بننے والی تھی؟"

"تھی' کا کیا مطلب ہوا ٹامی......؟ کیا واقعی شاہدہ ہلاک ہو گئی ہے؟"

ٹامی نے تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "میں نے تو یہی سنا ہے لیکن مجھے یقین نہیں آ رہا ہے کہ کوئی خواہ مخواہ شاہدہ کو کیوں قتل کرے گا...... میں اس بات کا پتہ لگانے کے لیے یہاں آیا ہوں۔"

ارمان نے جلدی سے اس کا بازو پکڑ کر التجا کی۔ "تو پھر جلدی جاؤ اور پتہ کر کے آؤ۔"

"کیوں......؟" ٹامی نے تعجب سے پوچھا۔

"تم کوٹھی میں نہیں چلو گے؟"

"نہیں'...... انکل وغیرہ مجھ سے ناراض ہیں......"

"وہ لوگ کیوں ناراض ہیں؟......"

"اب اس پر تم بحث نہ کرو' میں تمہیں بعد میں سب کچھ بتا دوں گا...... لیکن ابھی شاہدہ کا پتہ کر کے آؤ۔ جاؤ پلیز۔"

ٹامی بحث کرنے کی بجائے چپ چاپ کوٹھی کے اندر چلا گیا۔

ارمان بے چینی سے اس کا انتظار کرنے لگا۔ اس وقت اسے شاہدہ کی بات یاد آ رہی تھی۔ اس نے صبح کہا تھا کہ آج وہ اس کوٹھی میں آئے گی اور یہیں بیٹھ کر وہ دشمن کا شکار کرے گی۔ لیکن وہ خود ہی شکار ہو گئی تھی...... آخر وہ یہاں کیا کرنے آئی تھی؟ یہی ایک سوال ارمان کو پریشان کر رہا تھا۔

واپسی میں ٹامی تیزی سے دوڑتا ہوا آیا اور آتے ہی کہنے لگا "شاہدہ کو کسی نے قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس کے شانے میں گولی لگی ہے۔ لوگ اسے ہسپتال لے گئے ہیں۔ تمہاری امی کہہ رہی ہیں کہ اگر شانے سے گولی نکل جائے تو بچ سکتی ہے۔"

"یہ امی کیسے کہہ سکتی ہیں؟"

"میرا مطلب ہے آرزو نے انہیں بتایا ہو گا...... کیونکہ آپریشن تو وہی کرے گی...... اس وقت شاہدہ کی زندگی اور موت آرزو کے ہاتھوں میں ہے۔"

ارمان نے چونک کر اسے دیکھا...... واقعی شاہدہ اس وقت آرزو کے رحم و کرم پر تھی۔ آرزو اگرچہ ایک فرض شناس ڈاکٹر تھی لیکن پھر بھی ایک عورت تھی۔ ...... ایک ایسی عورت جس کے محبوب کو شاہدہ نے چھین لیا تھا...... جس کی محبت کا مذاق' شاہدہ نے اڑایا تھا...... آج صبح ہی شاہدہ کی ذات سے اسے سخت صدمہ پہنچا تھا کہ وہ ارمان کے بچے کی ماں بننے والی ہے۔

"آؤ...... ہسپتال چلیں!"

یہ کہتے ہوئے وہ ہسپتال کی طرف پلٹ گیا۔ ٹامی بھی تیز قدم بڑھاتا ہوا اس کے پیچھے چلنے لگا۔ ہسپتال کوٹھی سے زیادہ دور نہیں تھا۔

وہاں کچھ لوگ کھڑے ہوئے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ دو سپاہی ہسپتال کے گیٹ پر ڈیوٹی دے رہے تھے تاکہ غیر ضروری افراد اندر نہ جا سکیں۔

ارمان اور ٹامی کو بھی انہوں نے روک لیا۔

ارمان نے کہا۔ "میں ڈاکٹر آرزو کا کزن ہوں۔ میرا نام ارمان علی ہے۔ آپ انہیں پیغام پہنچا دیں کہ میرا ان سے ملنا بہت ضروری ہے۔"

وارڈ بوائے پیغام لے کر چلا گیا۔ ارمان نے پیغام بھیج دیا تھا۔ لیکن اسے امید نہ تھی کہ آرزو اس سے ملنا پسند کرے گی۔ وہ بھی ایسے موقعہ پر جب کہ وہ شاہدہ کا آپریشن کرنے جا رہی ہے۔

لیکن خلاف توقع اسے اندر بلا لیا گیا۔ ٹامی باہر ہی کھڑا رہا۔ ہسپتال کے برآمدے میں شاہدہ کے ماں باپ سر جھکائے بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ برآمدے سے گزرتا ہوا ایک کمرے میں آیا۔ وہاں افضل اور پولیس انسپکٹر بیٹھے ہوئے موجودہ کیس کے متعلق باتیں کر رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر ارمان کے قدم لمحہ بھر کے لیے رک گئے۔ اس نے افضل کو سلام کیا لیکن افضل نے بے رخی سے جواب دیتے ہوئے منہ پھیر لیا۔

وہ کمرے کو عبور کرتا ہوا کاریڈور میں آیا۔ آپریشن تھیٹر کا دروازہ ایک ذرا سا کھلا ہوا تھا...... وہ اندر داخل ہو گیا۔

شاہدہ آپریشن بیڈ پر بے ہوش پڑی ہوئی تھی اور آرزو ایک نرس کے ساتھ مل کر آپریشن کی ابتدائی تیاریاں کر رہی تھی۔

ارمان کو اس نے بلا تو لیا تھا لیکن اسے دیکھ کر وہ اجنبیوں کی طرح اس سے انجان بنی رہی۔

"آرزو......!" اس نے مخاطب کیا۔

ٹرے پر اوزار رکھتے ہوئے ایک ساعت کے لیے آرزو کے ہاتھ رکے...... بڑی مدتوں کے بعد ایک بے وفا کی زبان پر اس کا نام آیا تھا...... اس کے چہرے پر سے ایک رنگ آ کر گزر گیا...... بڑی مدتوں کے بعد ایک ہرجائی نے پیار سے اس کا نام لیا تھا۔

پھر وہ سنبھل گئی...... اور اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔ سامنے بے ہوش پڑی ہوئی شاہدہ کو دیکھ کر اسے فریب خوردگی کا احساس ہو گیا تھا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم مجھ سے ناراض ہو......" ارمان نے کہا...... "شاہدہ کی ذات سے بھی تمہیں بہت تکلیفیں پہنچی ہیں۔ میں تم سے صرف اتنا ہی کہنے آیا ہوں کہ پچھلی تلخیوں کو بھول جاؤ۔ اس وقت شاہدہ تمہارے رحم و کرم پر ہے...... میں تم سے یہ

لگا......"

"بس...... اس کے آگے کچھ نہ کہنا......" آرزو نے اس کی بات کاٹ کر کہا...... ہیں نے تمہیں یہاں آنے کی اجازت اسی لیے دی ہے کہ تم شاہدہ کے سگوں میں سے د۔ میں نے تمہیں یہ کہنے کے لیے بلایا ہے کہ زندگی اور موت خدا کے ہاتھ میں ہے۔ ں ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے اسے بچانے کی کوشش کر سکتی ہوں۔"

"صرف کوشش نہیں آرزو! آج تمہیں اپنی تمام صلاحیتوں کو آزمانا ہوگا...... تم ہیں جانتیں کہ شاہدہ میری بے گناہی ثابت کرنے کے لیے تمہاری کوٹھی میں گئی تھی لیکن ے کسی نے گولی مار دی۔"

"کون بے گناہ ہے اور کون مجرم ہے؟ یہ رپورٹ تم تھانے میں جا کر لکھواؤ۔"

"لیکن میں تو تمہارے سامنے اپنی صفائی پیش کرنے آیا ہوں۔"

"یہ عدالت نہیں' ہسپتال ہے۔ میرا وقت برباد نہ کرو...... اب جاؤ یہاں سے...... م نے میرے ساتھ کوئی نیکی نہیں کی۔ لیکن میں تمہارے ساتھ ضرور کروں گی۔ میں وعدہ رتی ہوں...... کہ تمہاری شاہدہ تمہیں ضرور واپس ملے گی...... اب جاؤ مجھے کام کرنے د۔"

ارمان سر جھکا کر واپس جانے لگا۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ آرزو کے آفس میں بیٹھ کر پریشن کے نتیجے کا انتظار کرے گا۔ لیکن پھر خیال آیا کہ وہاں افضل وغیرہ بیٹھے ہوئے ں۔ وہ جاتے جاتے رک گیا۔ اس نے پلٹ کر دروازے کی جانب دیکھا۔ یہ دروازہ پتال کے پیچھے ایک برآمدے کی طرف کھلتا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے دروازے تک آیا اور پلٹ کر آرزو سے کہا۔ "میں اں برآمدے میں کھڑا ہوا انتظار کر رہا ہوں...... امید ہے کہ تم مجھے کوئی خوشخبری سناؤ ی۔"

یہ کہہ کر وہ باہر چلا گیا۔

"خوشخبری......" یہ لفظ سن کر آرزو کے دل کو ٹھیس پہنچی۔

شاہدہ کی زندگی ارمان کے لیے ایک خوشخبری تھی اور اس کی زندگی کی کوئی اہمیت یں تھی۔

اس نے شاہدہ کی جانب دیکھا۔ بے ہوشی کی حالت میں اس کا منہ ذرا سا کھلا ہوا تھا اور آنکھیں بند تھیں۔ وہ بڑی معصوم نظر آ رہی تھی۔ مکاری اور دنیا والوں سے سودے بازی کی جو لعنت اس کے چہرے پر جھلکتی رہتی تھی۔ اب اس کا دور دور تک پتہ نہ تھا۔

آرزو نے اس کی جانب سے منہ پھیر لیا اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی باتھ روم کے اندر چلی گئی۔ وہ آپریشن کے لیے دستانے پہننے سے پہلے صابن سے ہاتھ دھونے کے لیے آئی تھی۔

اندر آ کر اس نے سوئچ آن کیا لیکن روشنی نہیں ہوئی...... آرزو نے سوچا کہ شاید بلب فیوز ہو گیا ہے۔

"لیکن نہیں...... بلب فیوز نہیں ہوا تھا۔ کسی نے ہولڈر سے بلب کو نکال لیا تھا...... اس باتھ روم میں کوئی موجود تھا...... آرزو کے پیچھے ایک کونے میں کوئی دبکا ہوا تھا۔

پھر وہ آہستہ آہستہ آرزو کی جانب بڑھنے لگا۔ آرزو نے دروازہ ذرا سا کھول رکھا تھا۔ تاکہ دوسرے کمرے کی ہلکی سی روشنی ملتی رہے...... وہ ہاتھ دھو رہی تھی...... اور ایک ہاتھ پیچھے کی جانب سے اس کی طرف بڑھتا آ رہا تھا۔

"ڈاکٹر......!" اسی وقت نرس نے آرزو کو پکارا۔

سائے کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔

نرس نے باتھ روم کی طرف آتے ہوئے پوچھا۔ "آپ نے سوئچ آن نہیں کیا؟"

"کیا تھا...... بلب فیوز ہو گیا ہے...... تم پیشنٹ کے پاس رہو۔"

"جی اچھا......!" وہ واپس چلی گئی۔

وہ پھر تنہا رہ گئی۔ اس نامعلوم سایہ کے لیے بس یہی موقعہ تھا۔ اس نے پیچھے سے آ کر آرزو کے منہ پر سختی سے ہاتھ رکھ دیا...... اور دوسرے ہاتھ سے دروازے کو بند کر دیا۔

وہ چیخ بھی نہ سکی۔ باتھ روم میں گہری تاریکی چھا گئی تھی۔

سایہ نے اس کی کنپٹی پر ریوالور رکھتے ہوئے کہا۔ "یہ ریوالور ہے۔ اگر تم نے ذرا بھی آواز نکالی یا کسی کو مدد کے لیے بلانا چاہا تو میں تمہیں شوٹ کر دوں گا۔"

یہ کہہ اس نے منہ پر سے ہاتھ ہٹا لیا۔ "روشن صاحب......!" آرزو نے تاریکی میں

حیرت سے دیدے پھیلا کر کہا...... "میں نے آپ کو آواز سے پہچان لیا ہے۔"

"وہ تو میں جانتا ہی تھا کہ تم مجھے پہچان لو گی۔ میں تم سے نہیں' دنیا والوں سے چھپ کر آیا ہوں۔ صرف یہ کہنے کے لیے شاہدہ کا آپریشن نہ کرو۔"

"آپریشن نہ کروں؟" اس نے تعجب سے پوچھا۔

"کیوں......؟"

"اس لیے کہ اگر وہ ہوش میں آ گئی تو میرے خلاف بیان دے گی۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ زندہ رہے۔"

"ہم......!" آرزو نے کہا...... "تو اس کا مطلب ہے کہ آپ نے اسے ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"ہاں......! یہی سمجھ لو۔"

آرزو نے حقارت سے اندھیرے میں گھورتے ہوئے کہا۔ "اور اب یہ چاہتے ہیں آپ...... کہ میں بھی جرم کروں اور اسے ہلاک کر دوں۔"

"جب تک ہمارا جرم چھپا رہے گا' جرم نہیں کہلائے گا۔ تمہیں میری عزت کی خاطر...... اپنی آنٹی کے خاندان کی عزت بچانے کی خاطر یہ آپریشن نہیں کرنا چاہئے۔"

"آپ آنٹی کے خاندان کا واسطہ دے رہے ہیں۔ مگر خدا جانتا ہے کہ اگر میرے خاندان کی عزت بھی خطرے میں پڑ جائے۔ تب بھی میں یہ آپریشن کروں گی۔"

"ضد نہ کرو آرزو!...... میرے ہاتھ میں ریوالور ہے۔ آج میں اپنی سلامتی کے لیے تمہاری بھی پرواہ نہیں کروں گا۔"

"آپ کی دھمکی' مجھے اپنے فرض کی ادائیگی سے نہیں روک سکتی۔"

روشن نے غراتے ہوئے کہا...... "میں نے ٹھیک ہی سوچا تھا کہ تم سیدھی طرح قابو نہیں آؤ گی...... اب تمہیں حقیقت بتا کر ہی مجبور کرنا پڑے گا...... اور وہ حقیقت یہ ہے کہ ارمان کو میں نے بیس لاکھ روپے نہیں دیئے تھے۔ بلکہ انہیں اپنے پرائیوٹ اکاؤنٹ میں جمع کر دیا تھا۔ آج یہ راز شاہدہ کو معلوم ہو گیا تھا اور وہ امی اور انکل یہ بات بتانے جا رہی تھی کہ میں نے اسے گولی مار دی۔ اسے ہمیشہ کے لیے خاموش کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ میرے بچے کی ماں بننے والی تھی۔"

"آپ کے بچے کی ماں؟......" آرزو نے چونک کر پوچھا۔

اس کا دل حیرت' مسرت سے اور ارمان کی محبت سے اچانک دھڑکنے لگا۔

ارمان بے وفا نہیں ہے...... ارمان ہرجائی نہیں ہے...... مجرم اس کے سامنے اقرا
کر رہا تھا کہ جسے سب آوارہ اور بدچلن سمجھتے رہے۔ وہ ایک فرشتہ کی طرح بے داغ
اور اپنے محسنوں کی خاطر خاموشی سے لٹتا رہا تھا۔

"ہاں......!" روشن نے کہا...... "میں نے تمہیں حاصل کرنے کے لیے اس پر
سارا الزام عائد کیا تھا۔ میں بھی تمہیں چاہتا ہوں' تم سے محبت کرتا ہوں...... اسی لیے میں
تمہیں جان سے نہیں مار سکتا...... اب تم بتاؤ کہ ارمان کے لیے تمہارے کیا جذبات ہیں
وہ شخص جو ہمارے گھر کا حق نمک ادا کرنے کے لیے خاموشی سے لٹتا رہا۔ امی کی خواہش
کے مطابق تمہیں میری دلہن بنانے کے لیے تم سے دور بھاگتا رہا۔ تم سے محبت کرنے کے
باوجود بظاہر تم سے نفرت کا ڈھونگ رچاتا رہا...... ایسے آدمی کے لیے تم کیا کر سکتی ہو؟"

"میں اس کے قدموں میں ساری زندگی گزار دوں گی۔ آج مجھے سچی خوشی حاصل
ہو رہی ہے کہ اس نے مجھے اپنا سمجھ کر دکھ دیا...... لیکن آپ کو اور آنٹی کو شکایت کا موقع
نہیں دیا۔ میں اس کی انسانیت اور عظمت پر جتنا بھی فخر کروں' کم ہے۔"

روشن نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "تمہارے عظیم عاشق کی زندگی اگر خطرے میں
جائے تو تم اس کے لیے کیا کرو گی؟"

"بکواس مت کیجئے!......" آرزو نے جوش میں آ کر کہا...... "اب میرے جیتے
کوئی اس کے خلاف سازش نہیں کر سکتا۔"

روشن نے ہولے ہولے ہنستے ہوئے اور دانت پیستے ہوئے کہا۔ "اس وقت ارما
میرے ریوالور کی زد میں ہے۔"

آرزو نے گھبرا کر اندھیرے میں ادھر ادھر دیکھا۔ جیسے ارمان کو تلاش کر رہی ہو۔

"میں تمہیں دکھاتا ہوں کہ کس طرح میں اسے پلک جھپکتے ہی قتل کر سکتا ہوں
لیکن میری یہ وارننگ یاد رکھنا...... کہ تمہارے حلق سے ایک ذرا بھی آواز نکلی تو ارما
کی لاش تمہیں تڑپتی ہوئی نظر آئے گی۔"

یہ کہہ کر اس نے دوسری طرف کی کھڑکی کا ایک پٹ ذرا سا کھول دیا...... آرزو

کلیجہ دھک سے رہ گیا۔

ارمان کھڑکی سے ذرا دور پچھلے برآمدے میں ٹہل رہا تھا اور آپریشن کے نتیجے کا
انتظار کر رہا تھا۔ ادھر سے ادھر ٹہلنے کا فاصلہ اتنا مختصر تھا کہ وہ ہر حالت میں روشن کے
نشانے پر رہتا۔

روشن نے کھڑکی کا پٹ بند کرتے ہوئے کہا۔ "یہ کھڑکی کھولنے اور فائر کرنے کے
لیے صرف دو سیکنڈ کی ضرورت ہے۔ تمہاری چیخ و پکار کو تو لوگ بعد میں سنیں گے۔ لہٰذا
دانشمندی یہی ہے کہ مصلحت سے کام لو......"

اس نے آرزو کی ٹھوڑی کو چھو کر ہنستے ہوئے کہا۔ "میری جان!...... اچھی طرح
سوچ لو کہ تمہیں فرض عزیز ہے یا اپنی محبت......"

آرزو نے اس کے ہاتھ کو پرے جھٹک دیا لیکن وہ منہ سے آواز نہ نکال سکی۔
اتنے عرصہ کے بعد اسے ارمان کی مظلومیت کا علم ہوا تھا۔ اب وہ زبان ہلا کر اور شور مچا کر
اس مظلوم کی موت کا سامان نہیں کر سکتی تھی۔

لیکن شاہدہ......؟ ...... ایک ڈاکٹر کا فرض اس کے ضمیر کو جھنجھوڑ رہا تھا۔ وہ اپنی
مریضہ کو جان بوجھ کر کس طرح موت کے منہ میں دھکیل نہیں سکتی تھی۔

روشن نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "ڈاکٹر صاحبہ!...... خوب سوچ سمجھ کر فیصلہ کیجئے کہ
آپ شاہدہ کی زندگی بچانا چاہتی ہیں...... یا ارمان کی......؟"

وقت گزرتا جا رہا تھا۔

آرزو کو اچھی طرح علم تھا کہ جیسے جیسے وقت گزرتا جائے گا۔ ویسے ویسے شاہدہ موت کے قریب تر ہوتی جائے گی...... اسے بچانے کے لیے ضروری ہے کہ جلد سے جلد گولی اس کے جسم سے نکالی جائے۔

"میں تمہاری مجبوریوں کو سمجھتا ہوں......" روشن نے کہا...... "تم ارمان کی جان بچانا چاہتی ہو لیکن شاہدہ کی موت سے تم قانونی گرفت میں آ جاؤ گی۔

اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ تم آپریشن روم میں جاؤ۔ لیکن آپریشن شروع کرنے سے پہلے اتنا وقت ضائع کر دو کہ اس کے بعد آپریشن کامیاب نہ ہو سکے۔ اس کے جسم سے گولی نکل جائے لیکن اس وقت تک اس کی سانس ٹوٹ چکی ہو...... کوئی تم پر شبہ نہ کر سکے گا۔ نرس کو تم بر-تھنگ بیگ سے دور رکھو۔ تاکہ اسے شاہدہ کی سانسوں کا پتہ نہ چلے۔"

آرزو خاموشی سے پلٹ گئی۔

روشن نے اسے روکتے ہوئے کہا۔ "جانے سے پہلے میری پوزیشن کو اچھی طرح سمجھ لو۔ میں یہاں کھڑکی کے قریب رہوں گا اور باتھ روم کا یہ دروازہ پوری طرح کھلا رہے گا۔ تاکہ یہاں سے مجھے نظر آ سکے کہ آپریشن روم میں تم کیا کر رہی ہو...... تم شاہدہ کے قریب جا سکتی ہو۔ لیکن اگر آپریشن کا کوئی بھی اوزار تم نے اٹھایا تو میں یہاں سے ارمان کو شوٹ کر دوں گا...... اس کے علاوہ تم اور نرس دونوں میں سے کوئی بھی آپریشن روم سے باہر نہ جائے اور نہ ہی کوئی اندر آئے۔"

آرزو اس کے حکم کی تعمیل میں آگے بڑھی اور باتھ روم کے دروازے کو پوری

طرح کھولتے ہوئے آپریشن روم میں چلی گئی۔

روشن باتھ روم کے اندھیرے میں کھڑا ہوا اسے دیکھ رہا تھا۔ اب تمام کام اس کی مرضی کے مطابق ہو رہا تھا۔ اس نے جان بوجھ کر آرزو کے سامنے اپنے جرم کا اعتراف کیا تھا اور اسے ارمان کی بے گناہی کا یقین دلایا تھا تاکہ اس کے دل میں ارمان کی محبت اور بھی شدت اختیار کر لے اور وہ اس کی زندگی بچانے کی خاطر شاہدہ کی زندگی سے کھیل جائے۔

اس طرح آرزو کے دل میں پھر سے ارمان کی محبت پیدا ہو گئی تھی۔ اب وہ آرزو کے باپ کی جائیداد حاصل کرنے کے لیے اسے اپنا نہیں بنا سکتا تھا۔ اپنی عزت کو خطرے میں دیکھ کر اس نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ آرزو اور اس کی جائیداد ہاتھ سے نکل جائے کوئی بات نہیں۔ لیکن شاہدہ زندہ نہ رہے ورنہ اقدام قتل کے جرم میں وہ گرفتار کر لیا جائے گا...... گرفتار ہو کر وہ سب کچھ ہار جاتا۔ عزت بھی جاتی' آرزو بھی ہاتھ نہ آتی اور عصمت اور افضل کی نظروں میں بھی ذلیل ہوتا۔ اس لیے اس نے آرزو کو چھوڑ دینا ہی مناسب سمجھا تھا...... اس کے بچاؤ کا راستہ صرف ایک ہی رہ گیا تھا کہ چاہے کچھ ہو جائے...... لیکن شاہدہ مرجائے۔

آرزو جیسے گونگی ہو کر رہ گئی تھی۔ اس نے نرس سے بھی کوئی بات نہیں کی۔ نرس اسے ایپرن پہنانے لگی تو اس نے اعتراض نہیں کیا۔ خاموشی سے اسے پہنتی رہی۔

اس کا ذہن فرض اور محبت کی کشمکش میں گرفتار تھا۔ وہ اگرچہ روشن کی ہدایت کے مطابق خاموش ہو گئی تھی۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ شاہدہ کو مار ڈالنا چاہتی ہے...... وہ ایسی اخلاقی پستی کا مظاہرہ کبھی نہیں کر سکتی تھی۔

لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ شاہدہ کو کس طرح بچائے؟"

"ٹک...... ٹک...... ٹک...... ٹک......"

اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ سیکنڈ کا کانٹا دل کی دھڑکنوں کے ساتھ ٹک ٹک کرتا ہوا گھومتا جا رہا تھا اور اسے وقت ضائع ہونے کا احساس دلا رہا تھا۔

نرس نے اس کے سامنے دونوں ہاتھوں کے دستانے بڑھا دیئے۔ وہ انہیں ہاتھوں چڑھانے لگی۔ یکایک اس کی نظر بر-تھنگ بیگ پر گئی...... بیگ کے پھولنے پچکنے سے

صاف پتہ چل رہا تھا کہ شاہدہ کا دل ڈوب رہا ہے۔ رفتہ رفتہ اپنی دھڑکنیں کھو رہا ہے۔

وہ جیسے تڑپ گئی۔ انسانیت کا جذبہ جوش میں آیا کہ...... نہیں، شاہدہ نہیں مر سکتی......!

تو پھر ارمان کی موت یقینی ہے...... اس نے گھبرا کر بند دروازے کی جانب دیکھا۔ جس کے پیچھے ارمان کھڑا ہوا تھا۔ وہ بند دروازے سے دکھائی نہیں دے رہا تھا لیکن وہ تصور میں اسے گولی کھا کر گرتے اور دم توڑتے ہوئے دیکھ رہی تھی...... نہیں، ارمان بھی زندہ رہے گا۔

اس نے چور نظروں سے باتھ روم کے دروازے کی جانب دیکھا۔ دروازہ کھلا تھا لیکن اندھیرا ہونے کے باعث روشن نظر نہیں آ رہا تھا۔

دشمن اگر نظر نہ آئے تو اس کی دہشت کسی قدر کم ہو جاتی ہے۔ آرزو کا حوصلہ بڑھ گیا۔ اس نے چشم زدن میں فیصلہ کرلیا کہ شاہدہ اور ارمان دونوں کی زندگی بچے گی۔

وہ اچانک اپنی جگہ سے اچھل کر سوئچ بورڈ کے پاس پہنچی...... اور سوئچ کو آف کرتے ہوئے زور سے ایک چیخ ماری...... "ارمان......!"

روشن اس ناگہانی چیخ کے لیے تیار نہ تھا۔ وہ ایک لمحہ کے لیے سٹپٹا گیا۔ دوسرے لمحے دھوکا کھانے کا احساس ہوتے ہی اس نے کھڑکی کھول کر فائر جھونک دیا۔

آرزو کی چیخ سن کر ارمان بت کی طرح کھڑا نہیں رہ سکتا تھا۔ روشن کے فائر کرنے سے پہلے ہی اس نے آپریشن روم کی طرف چھلانگ لگائی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نشانہ خالی چلا گیا۔

اس نے ریوالور کا رخ آپریشن روم کی طرف موڑ دیا لیکن پھر آرزو کی ذہانت پر تلملا کر رہ گیا...... اس لڑکی نے چیخنے سے پہلے ہی اندھیرا کر دیا تھا اب وہ اس گہری تاریکی میں نہ تو آرزو کا نشانہ لے سکتا تھا اور نہ ہی شاہدہ کو مار سکتا تھا۔

اب ایک یہی راستہ تھا کہ وہ اندھیرے میں راستہ ٹٹول کر آگے بڑھتا...... لیکن اس کے قدم بڑھاتے ہی آپریشن روم کے سامنے والے دروازے پر مسلسل دستک ہونے لگی۔ پولیس انسپکٹر چیخ چیخ کر آرزو سے پوچھ رہا تھا کہ فائر کس نے کیا ہے؟ فوراً دروازہ کھولو۔"

روشن گھبرا گیا کہ آرزو اندھیرے میں آگے بڑھ کر دروازہ کھول سکتی ہے۔ اس طرح پولیس سے ٹکراؤ ہو جائے گا...... اس نے آرزو کو روکنے اور اسے خوفزدہ کرنے کے لیے پے در پے دو فائر کر دیئے۔

لیکن آرزو تو لائٹ آف کرنے کے بعد دوڑتی ہوئی پچھلے دروازے پر آ گئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ ارمان اس کی چیخ سن کر آپریشن روم کی طرف بھاگا آئے گا۔ اسی لیے اس نے پچھلے دروازے پر آ کر اسے اندر داخل ہونے سے روک لیا تھا۔

"اندر نہ جاؤ......!" اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"روشن تمہیں قتل کرنا چاہتا ہے۔"

"بھائی جان......!" اس نے حیرت سے پوچھا۔

لیکن آرزو نے جواب نہ دے سکی۔ روشن نے جو دو فائر کیے تھے۔ ان سے سہم کر وہ ارمان سے لپٹ گئی۔

ارمان بھی پریشان ہو گیا کہ وہ اس اندھیرے میں کیا کرے۔ وہ روشن کو للکار کر ہتھیار پھینک دینے کے لیے بھی نہیں کہہ سکتا تھا۔ اس طرح وہ ارمان کی آواز کی سمت فائر کر دیتا۔

دوسری طرف دروازے کو مسلسل پیٹا جا رہا تھا۔ اب پولیس انسپکٹر کے ساتھ ساتھ افضل بھی آرزو کو آوازیں دے رہا تھا۔

اسی وقت پچھلے برآمدے میں آہٹ سنائی دی...... روشن نے اسی میں خیریت سمجھی کہ باتھ روم کی کھڑکی سے کود کر فرار ہو جائے۔ کیونکہ اس کے دونوں ہی دشمن ارمان اور شاہدہ اس گہری تاریکی میں نظر نہیں آ رہے تھے۔

روشن کی آہٹ پاتے ہی ارمان آرزو کو کھینچتا ہوا آپریشن روم کے اندر لے گیا...... دروازے پر کھٹکا سن کر روشن نے پھر فائر کرنا شروع کر دیا۔

"ٹھائیں...... ٹھائیں...... ٹھائیں!......"

اسے یقین ہو گیا تھا کہ ارمان دروازے پر ہی ہے۔ دروازے کے شیشے چھناکوں سے ٹوٹتے چلے گئے۔ وہ اندھا دھند فائر کر رہا تھا۔

پھر ریوالور ٹھُس ہو کر رہ گیا۔ اس کا چیمبر خالی ہو گیا تھا۔ اس نے جھنجلا کر ریوالور

کو جیب میں رکھا اور برآمدے کو عبور کرتے ہوئے ہسپتال کی باؤنڈری وال کی طرف بھاگنے لگا۔

ارمان نے ایک ذرا دروازے سے جھانک کر دیکھا۔

باہر چاندنی رات نہیں تھی۔ پھر بھی ستاروں کی روشنی میں اسے بھاگتا ہوا سایہ نظر آ گیا۔

اس نے آرزو سے کہا۔ "تم شاہدہ کا خیال کرو...... میں بھائی جان کے پیچھے جا رہا ہوں۔"

"نہیں......!" آرزو اس سے لپٹ گئی...... "میں تمہیں نہیں جانے دوں گی۔"

"گھبراؤ نہیں...... آرزو!...... ان کا ریوالور خالی ہو چکا ہے...... ورنہ وہ اس طرح نہ بھاگتے۔ تم ہر طرف سے مطمئن ہو کر آپریشن کرو۔ یہی تمہارا پہلا فرض ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے بڑی نرمی سے اسے اپنے سے الگ کیا اور دروازے سے نکل کر خود بھی باؤنڈری وال کی طرف بھاگتا چلا گیا۔

آرزو دھڑکتے ہوئے دل سے اسے دیکھتی رہی جب وہ احاطے کو پھلانگ کر دوسری جانب چلا گیا تو اس کے سینے سے ایک آہ نکلی۔ "ارمان...... تم بار بار ملتے ہو...... اور بار بار بچھڑ جاتے ہو...... خدا کے لیے اب نہ بچھڑنا......!"

اس نے آہستگی سے پلٹ کر نرس سے کہا۔ "سوئچ آن کرو...... اور انسپکٹر کے لیے دروازہ کھول دو۔"

روشن بھاگتا ہوا آرزو کی کوٹھی کی طرف آیا۔ اس کے لیے فرار کی یہی صورت تھی کہ وہ کوٹھی سے آرزو کی کار لے کر یہاں سے نکل جائے۔

گیراج تک پہنچتے پہنچتے اسے خیال آیا کہ راستے کے لیے کچھ نقد رقم کی بھی ضرورت پڑے گی...... اور یہ رقم اسے عصمت سے ہی مل سکتی تھی۔ وہ بیٹے کی منگنی دھوم دھام سے کرنے کے لیے اپنے ساتھ پچھتر ہزار روپے لے کر آئی تھی۔

وہ تیز قدموں سے چلتا ہوا کوٹھی کے اندر آیا...... عصمت ڈرائنگ روم میں بیٹھی ہوئی ایک کتاب پڑھ رہی تھی۔

"امی......!" اس نے آتے ہی ماں سے کہا...... "آپ جو رقم لے کر آئی ہیں' وہ مجھے دیجئے...... اس وقت سخت ضرورت ہے۔"

عصمت نے حیرت سے بیٹے کا حلیہ دیکھا...... اسے ہانپتے دیکھ کر اس نے اندازہ لگایا کہ وہ کہیں سے بھاگتا ہوا آ رہا ہے۔ اس کے چہرے سے خوف اور گھبراہٹ بھی مترشح تھی۔

اس نے تعجب سے پوچھا۔ "تم اس طرح ہانپ کیوں رہے ہو؟...... تم تو ہسپتال گئے تھے۔"

"میرے پاس باتیں کرنے کا وقت نہیں ہے...... آپ کے پاس جتنی رقم ہے' وہ مجھے دیجئے۔"

"میرے پاس پچھتر ہزار ہیں لیکن پتہ تو چلے کہ اتنی رات کو اتنی بڑی رقم کی کیا ضرورت پڑ گئی ہے کہ اس کے لیے بھاگے چلے آ رہے ہو؟"

روشن نے جھنجلا کر کہا۔ "میں کہہ رہا ہوں کہ فضول باتوں کے لیے میرے پاس

وقت نہیں ہے۔ آپ مجھے رقم دیں گی یا نہیں؟"

عصمت غصہ سے اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ "تم...... تم اپنی ماں سے اس لہجے میں گفتگو کر رہے ہو۔"

"میں اس وقت ماں اور بیٹے کے رشتے کی تمیز نہیں کر سکتا لائیے! سوٹ کیس کی چابی مجھے دیجیے۔"

"جہنم میں گئی چابی......" عصمت نے غصہ سے لرزتے ہوئے کہا...... "مجھ سے سیدھی طرح بات کر سکتے ہو تو کرو۔ ورنہ دور ہو جاؤ میری نظروں سے۔"

"میں دور ہونے کے لیے ہی آپ سے آخری بار رقم مانگ رہا ہوں۔ کہاں ہے چابی؟" اس نے عصمت کے بائیں بازو کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

عصمت نے اپنا دایاں ہاتھ تھپڑ مارنے کے لیے اٹھایا۔ "گستاخ۔ بے ادب!"

لیکن تھپڑ لگنے سے پہلے ہی روشن نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے پیچھے کی طرف دھکیل دیا۔

بیٹے نے بڑی بے رخی سے ماں کو دھکا دیا تھا...... وہ حیرت سے اپنے لاڈلے کو تکتی ہی رہ گئی...... کبھی تو اس کی زندگی میں ایسا نہیں ہوا تھا کہ کسی بھی بیٹے نے بھول کر بھی اس سے گستاخی کی ہو......!

روشن اس کے پلو سے چابی کھول رہا تھا۔ وہ ایک جھٹکے سے اپنا پلو چھڑا کر صوفہ کی ایک جانب کھسک گئی اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں ارمان کو برا سمجھتی تھی لیکن اب معلوم ہوا کہ تم اس سے بھی زیادہ برے ہو...... اس نے رقم چراتے وقت ماں سے گستاخی نہیں کی تھی۔ لیکن تم ڈاکوؤں کی طرح مجھے زبردستی لوٹنے آئے ہو۔"

"میں ڈاکو نہیں ہوں۔ اپنا حق طلب کر رہا ہوں...... اب میں آپ سے کچھ نہیں چھپاؤں گا۔ کیونکہ تھوڑی دیر کے بعد آپ کو یہ تمام حقیقت معلوم ہو جائے گی کہ وہ بیس لاکھ روپے ارمان نے نہیں، میں نے لیے ہیں...... اس لیے کہ وہ میرے باپ کی دولت ہے اور یہ پچھتر ہزار بھی میرے ہی ہیں...... لائیے سیدھی طرح چابی مجھے دے دیجیے۔"

"تڑاخ......!"

اس بار روشن کے گال پر طمانچہ پڑ ہی گیا۔

"کمینے...... مردود!...... تم نے ارمان پر جھوٹا الزام لگایا تھا۔"

وہ اسے پرے دھکیلتی ہوئی بپھر کر کھڑی ہو گئی۔

روشن نے پھر اس کے ہاتھوں کو پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ "امی!...... مجھے مجبور ت کیجئے کہ میں اور زیادہ گستاخی پر اتر آؤں۔"

"ارے نامراد!...... اور زیادہ گستاخی کیا کرے گا۔ تیری اصلیت دیکھ کر تو مجھے اپنے ظلوم بیٹا یاد آ رہا ہے۔ اس نے آج تک کوئی گستاخی تو کیا، کبھی مجھ سے آنکھیں ملا کر بات ہیں کی...... ہائے عورت کتنی نادان ہوتی ہے۔ ماں بن کر بھی اپنے بیٹوں کا اصلی روپ ہیں دیکھ سکتی۔"

روشن نے اس کے دونوں ہاتھوں کو جھٹک کر کہا۔ "میں آپ کا واویلا سننے کے لے نہیں آیا ہوں...... مجھے چابی دیجیے۔"

"بھائی جان......!" اچانک ارمان کی آواز سنائی دی۔

روشن نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ ڈرائنگ روم کے دروازے پر کھڑا ہوا تھا۔

اس نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "امی کا ہاتھ چھوڑ دیجیے۔"

"تم کون ہوتے ہو ہمارے درمیان بولنے والے......؟" روشن نے چیخ کر کہا۔

"چلے جاؤ یہاں سے!"

"چلا جاؤں گا...... لیکن پہلے خود کو قانون کے حوالے کر دیجیے۔"

"قانون......!" عصمت نے چونک کر ارمان کو دیکھا۔

"جی ہاں امی!...... انہوں نے ہسپتال میں فائرنگ کی ہے۔ وہاں سے فرار ہوتے ت مجھ پر اور آرزو پر بھی گولیاں چلائی ہیں۔ ہم اندھیرے کی وجہ سے بچ گئے لیکن یہ لن کی زد سے نہیں بچ سکیں گے۔"

روشن ماں کے ہاتھوں کو چھوڑ کر غصہ میں اس کی طرف بڑھتا ہوا آیا۔

"ہوں...... تو تم مجھے قانون کے حوالے کرو گے؟"

"آپ کی بہتری اسی میں ہے۔ ورنہ آپ فرار ہو گئے تو یہ کیس آپ کے خلاف بگڑ جائے گا۔"

روشن نے جواب دینے کی بجائے ایک ہاتھ رسید کر دیا۔

ارمان لڑکھڑاتا ہوا فلاور اسٹینڈ سے ٹکرا گیا۔

"میں اپنی بہتری خود سمجھ لوں گا۔ تم اپنی بہتری چاہتے ہو تو یہاں سے چلے جاؤ۔"

ارمان نے التجائیہ انداز میں کہا۔ "آپ مجھے جان سے مار دیں۔ بھائی جان!...... لیکن میں اف نہیں کروں گا۔ کیونکہ آپ لوگوں کے مجھ پر بہت سے احسانات ہیں۔"

روشن نے اسے گریبان سے پکڑ کر کہا۔ "تم سیدھی طرح یہاں سے نہیں جاؤ گے...... پہلے میں تم ہی سے نمٹ لوں۔"

یہ کہہ کر وہ اسے طمانچے اور گھونسے مارنے لگا۔

"میں آپ پر ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا...... لیکن آپ کو اپنے ساتھ تھانے ضرور لے جاؤں گا۔"

عصمت نے آگے بڑھ کر روشن کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"ٹھہرو...... اب اگر تم نے ارمان پر ہاتھ اٹھایا تو میں تمہیں کبھی بیٹا کہہ کر نہیں پکاروں گی...... مجھے بتاؤ کہ تم نے ارمان اور آرزو پر گولی کیوں چلائی؟"

"اب بھی چلا سکتا ہوں لیکن افسوس کہ گولیاں ختم ہو گئیں۔ ورنہ یہ ابھی نظر نہیں آتا...... آپ اس کی زندگی چاہتی ہیں تو اسے سمجھایئے کہ یہاں سے چلا جائے۔"

ارمان نے روشن سے مخاطب ہو کر کہا۔ "امی ہم دونوں میں سے کسی کو بھی نہیں سمجھا سکیں گی۔ اس لیے کہ میں آپ کو کسی بھی صورت میں فرار ہونے کا موقعہ نہیں دوں گا اور آپ اس لیے سمجھنا نہیں چاہیں گے کہ آپ سے ایک بہت بڑا جرم سرزد ہو چکا ہے...... میں نے حالات سے اندازہ لگایا ہے کہ آپ ہی نے شاہدہ کو اس کوٹھی میں ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی اور شاید آپ یہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ آپریشن کے ذریعے بچ جائے۔"

"ہاں...... میں نہیں چاہتا ہوں کہ وہ زندہ رہے۔ وہی میری ساری تباہی کی ہے۔ اسی کی وجہ سے سب کو یہ پتہ چل جاتا کہ تم خطاکار نہیں ہو۔ تمام سازشیں میں ہی کی ہیں۔"

"اچھا...... تو یہ بات ہے......" عصمت نے کہا...... "اور تم میرے معصوم بیٹے

رنے پر تلے ہوئے ہو...... چھوڑ دو اسے۔"

اس نے روشن کے ہاتھوں سے ارمان کا گریبان چھڑانا چاہا لیکن روشن نے اسے ے دھکیل دیا۔ عصمت لڑکھڑاتی ہوئی پیچھے کی طرف گئی اور فرش پر گر پڑی۔

بوڑھی ماں کو گرتے دیکھ کر ارمان ایک جھٹکے سے اپنا گریبان چھڑایا اور "امی" کہہ لر دوڑتا ہوا ماں کے قریب آ کر جھک گیا۔ عصمت چوٹ لگنے کی وجہ سے کراہ رہی تھی۔ رمان اسے سہارا دے کر اٹھانے لگا۔

اسی وقت روشن نے پیتل کا گلدان اٹھا کر ارمان کے سر پر دے مارا...... ارمان سر پکڑ کر رہ گیا۔ اس کی آنکھوں تلے اندھیرا چھانے لگا۔ روشن نے دوسری بار حملہ کرنے کے لیے پھر ہاتھ اٹھایا۔

"نہیں......!" عصمت چیختی ہوئی ارمان سے لپٹ گئی۔

نتیجہ یہ ہوا کہ گلدان اس کے سر پر پڑ گیا۔ وہ کراہ کر پھر گر پڑی۔

ماں اور بیٹے' دونوں کے سر سے لہو جاری تھا۔ ایک اپنے حواس کھو بیٹھی تھی اور وسرا اپنے حواس پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا...... روشن نے موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ماں کے پلو سے چابی کا گچھا کھولا اور اسے لے کر ایک کمرے کی جانب چلا گیا۔

ارمان نے دھندلائی ہوئی آنکھوں سے ماں کی جانب دیکھا۔ وہ شاید بے ہوش ہو گئی تھی۔ اس نے ماں کے سر سے بہتی ہوئی لہو کی دھار کو پونچھا اور اپنے رومال سے پٹی باندھ ی۔ سامنے ہی تپائی پر گلاس اور چاندی سے بھرا ہوا جگ رکھا تھا۔

وہ لڑکھڑاتا ہوا اٹھا اور وہاں سے جگ لا کر ماں کے چہرے پر پانی کے چھینٹے دینے لگا۔

تھوڑی دیر میں وہ پھر کراہنے لگی اور آہستہ آہستہ ہوش میں آنے لگی۔ اسی وقت روشن کمرے سے نکل کر ڈرائینگ روم میں آ رہا تھا۔ ارمان نے لڑکھڑاتا ہوا اٹھا اور پھر اس کے راستے میں آ کر کھڑا ہو گیا۔

روشن کے قدم رک گئے۔ اس کے سامنے ارمان خون میں لتھڑا ہو چہرہ لیے دیوار بننے کی کوشش کر رہا تھا۔

"بھائی جان!...... میں نے آپ سے کہہ دیا ہے کہ آپ کو میرے ساتھ تھانے چلنا ہو گا۔"

روشن نے اسے حقارت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیوں اپنی جان کے دشمن بن گئے ہو۔ ہٹ جاؤ۔ میرے راستے سے۔"

عصمت نے آنکھیں کھول کر دونوں بیٹوں کی طرف دیکھا اور بڑی نقاہت سے کہا۔ "ارمان!...... تمہاری ماں پر ہاتھ اٹھانے والا نہ تمہارا بھائی ہو سکتا ہے اور نہ ہی میرا بیٹا...... تم اسے میرے قدموں پر لا کر گراؤ۔ ورنہ میں تمہیں بھی بیٹا نہیں کہوں گی۔"

"امی......!" ارمان نے مجبوری کا اظہار کرتے ہوئے کہا...... "آپ کا حکم سر آنکھوں پر...... لیکن میں نے جس گھر کا نمک کھایا ہے۔ اس گھر کے مالک پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتا۔"

روشن نے مضحکہ اڑانے کے انداز میں کہا۔ "کیا پدی اور کیا پدی کا شوربہ...... تم اور مجھ پر ہاتھ اٹھا سکو گے......!"

"ارمان!......" عصمت نے کانپتے ہوئے لہجے میں کہا۔

تم نے جس گھر کا نمک کھایا ہے۔ وہ روشن کا نہیں' میرے خاوند کا گھر ہے...... نمک حلالی کا اتنا ہی پاس ہے تو لاؤ...... آج اس نمک کا حق ادا کرو۔

اور نمک کیا چیز ہے بیٹے! میں نے تو تمہیں اپنا دودھ پلایا ہے۔ آج تک دودھ کی قیمت کوئی ادا نہ کر سکا لیکن آج میں تم سے اس کی قیمت طلب کرتی ہوں۔ اس نافرمان لڑکے کو میرے قدموں پر لاؤ اور اسے بتاؤ کہ ماں کے سامنے کس طرح سر کو جھکایا جاتا ہے۔ ورنہ یاد رکھو' میں اپنا دودھ نہیں بخشوں گی۔"

عصمت کی بات سن کر روشن نے ایک زور دار قہقہہ لگایا...... لیکن یہ قہقہہ ادھورا ہی رہ گیا۔ ارمان نے ایک الٹا ہاتھ رسید کیا تھا۔ وہ الٹ کر صوفہ کی دوسری جانب چلا گیا۔

ارمان نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "امی نے جب دودھ کا واسطہ دے ہی دیا ہے...... تو آیئے! آج دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے۔"

روشن کے اٹھتے اٹھتے اس نے دوسرا ہاتھ جما دیا۔ وہ لڑکھڑا کر دو چار قدم پیچھے چلا گیا۔

"یاد کیجئے بھائی جان! میں نے امی کو اسی لیے چھوڑا تھا کہ آپ انہیں خوش رکھیں گے۔ امی کی خوشیوں کی خاطر میں نے خود کو ان کی نظروں میں گرا دیا لیکن آج میں ثابت

کر دوں گا کہ لے پالک بیٹے بھی وفادار ہوتے ہیں۔ اگر میں نے ایسا نہ کیا تو زبان کے رشتے سے بیٹا کہنے والی مائیں اپنے بیٹوں پر بھروسہ کرنا چھوڑ دیں گی۔"

روشن نے اسے باتوں میں مصروف دیکھ کر اس پر چھلانگ لگائی لیکن ارمان ایک طرف ہٹ گیا...... نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اوندھے منہ فرش پر گر پڑا...... عصمت سے چند گز کے فاصلے پر......

اس نے دوبارہ اٹھنے کی کوشش کی لیکن ارمان نے اس کے منہ پر ایک زور دار ٹھوکر ماری وہ چیختا ہوا دوسری طرف الٹ گیا۔ اس کی باچھوں سے خون رسنے لگا تھا۔

"چلئے...... اسی طرح رینگتے ہوئے امی کے قدموں میں سر رکھ دیجئے۔ ورنہ میں آپ کے خون کی لکیریں بناتا ہوا وہاں تک لے جاؤں گا۔"

روشن نے رینگنے کی بجائے اٹھنے کی کوشش کی۔ ارمان نے دوسری ٹھوکر اس کی پسلی میں مار دی۔ وہ پھر کراہتے ہوئے الٹ گیا۔

"لوگ کہتے ہیں کہ ماں کے قدموں میں جنت ہوتی ہیں لیکن آج آپ کو پتہ چل جائے گا کہ اس جنت تک پہنچنے کے لیے بعض اوقات لات اور جوتے بھی کھانے پڑتے ہیں۔"

روشن اپنی پسلی پکڑ کر کراہتے ہوئے رینگنے لگا اور ماں کی طرف بڑھنے لگا۔

عصمت اب تک فرش پر بیٹھی ہوئی خاموشی سے یہ تماشہ دیکھ رہی تھی۔ روشن کو اپنے قدموں کی طرف بڑھتے دیکھ کر اس کی ممتا پھر تڑپنے لگی۔ وہ لاکھ نافرمان سہی لیکن خون میں لتھڑا ہوا اس سے معافی مانگنے آ رہا تھا۔

وہ تڑپ کر آگے بڑھی کہ اسے گلے لگا لیا لیکن پھر رک گئی اور گھبرا کر دروازے کی جانب دیکھنے لگی۔ افضل' پولیس انسپکٹر اور دو سپاہیوں کے ساتھ وہاں پہنچ گیا تھا۔

اس نے روشن کو دیکھتے ہی انسپکٹر سے کہا۔ "وہ ہے آپ کا مجرم...... آپ اسے حراست میں لے لیں۔"

"نہیں......! عصمت چیخ کر روشن سے لپٹ گئی۔

"مجھے افسوس ہے عصمت!......" افضل نے کہا...... "تمہارے لاڈلے نے میری بیٹی پر گولیاں چلائی ہیں۔ قانون شاید اسے چند سالوں کی سزا دے کر معاف کر دے لیکن میں

زندگی بھر اسے معاف نہیں کروں گا۔"

انسپکٹر کے حکم پر ایک سپاہی نے آگے بڑھ کر روشن کے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈال دی۔

عصمت آنکھیں پھیلائے بے بسی سے تکتی رہ گئی۔ بیٹا اپنی غلط کاریوں کی سزا بھگتنے جا رہا تھا۔ وہ کس منہ سے اس کی حمایت کرتی؟ انصاف کا تقاضا یہی تھا کہ وہ صبر کر کے رہ جائے۔

روشن نے دو سپاہیوں کے درمیان جاتے ہوئے پلٹ کر دیکھا۔

عصمت نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "اسی دن کے لیے ماں باپ اپنے بچوں پر کڑی نظر رکھتے ہیں۔...... اسی دن کے لیے میں تم سے ایک ایک پیسے کا حساب لیا کرتی تھی کہ تم کسی غلط راستہ پر نہ پڑ جاؤ۔ لیکن تم بزرگوں کو نادان سمجھ کر دھوکا دیتے رہے...... میرے بیٹے!...... جوان اولاد کو بوڑھوں کی نصیحت نہیں سمجھاتی' جوانی کی ٹھوکریں ہی سمجھاتی ہیں۔

یہ کہہ کر اس نے دونوں ہاتھوں سے منہ کو چھپا لیا اور سسک سسک کر رونے لگی۔

چاند نکل آیا تھا۔

اور چاند کالے بادلوں کے جوڑے میں ایک پھول کی طرح خوبصورت اور روشن نظر آ رہا تھا۔

آرزو نے اپنی گندھی ہوئی چوٹی کو لپیٹ کر ایک جوڑا بنا لیا۔ وہ ہسپتال کے ایک کمرے میں تھی اور دروازے پر کھڑی ہوئی مین گیٹ کی جانب بار بار دیکھ رہی تھی۔

اسے ارمان کا انتظار تھا۔

ثامی نے اسے بتایا تھا کہ وہ تھانے میں اپنا بیان دینے کے لیے گیا ہے۔ واپسی میں وہ ضرور ہسپتال آئے گا۔

کیا بیان دینے میں اتنی دیر لگتی ہے؟...... وہ مضطرب ہو کر سوچ رہی تھی۔ ارمان کئی بار اس کے قریب آ کر بچھڑ گیا۔ اس لیے نت نئے وسوسے اس کے دل میں پیدا ہو رہے تھے۔

اس نے ثامی سے کہا: "تم یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو؟ ذرا تھانے میں جا کر دیکھو۔ وہ اب تک کیوں نہیں آئے۔"

"مجھ جیسا شریف آدمی تھانے میں جا کر کیا کرے گا؟" ثامی نے کہا۔

"اسی لیے ارمان نے کہا ہے کہ میں آپ کے قریب رہوں تاکہ تنہائی میں آپ کو ڈر نہ لگے۔"

"جس کا ڈر تھا' وہ تو پکڑا گیا ہے۔ اب تم باتیں نہ بناؤ...... جاؤ یہاں سے......!"

"کیا مصیبت ہے......!" اس نے کہا...... "وہاں جاؤں تو وہ آپ کے پاس بھیج دیتا ہے۔ یہاں آؤں تو آپ مجھے بیٹھنے بھی نہیں دیتیں...... رات اتنی زیادہ ہو گئی ہے کہ گلی

کوچے کے کتے مجھے مشکوک نظروں سے دیکھ کر غرانے لگتے ہیں۔"

"تم مرد ہو کر کتے سے ڈرتے ہو؟" آرزو نے پوچھا۔

"بھابھی پلیز...... میری مردانگی کو مت للکاریئے...... ایک بار پرنسپل کی کوٹھی میں کتے سے سابقہ پڑ چکا ہے۔"

"ہم...... تو تم نہیں جاؤ گے؟"

"اگر اور پندرہ منٹ میں وہ نہیں آیا تو میں جان ہتھیلی پر رکھ کر جاؤں گا۔"

اتنے میں نرس نے آکر آرزو سے کہا۔ "ڈاکٹر...... انجکشن تیار ہے۔"

آرزو اس کے ساتھ چلی گئی۔ شاہدہ ایک بیڈ پر آنکھیں بند کیے پڑی ہوئی تھی۔ اس نے آہٹ سن کر آنکھیں کھول دیں۔ آرزو اسے انجکشن دینے آئی تھی۔ شاہدہ کے ہونٹوں پر ایک پیار سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"آرزو......!" اس نے کہا...... "تم نے مجھے نئی زندگی دی ہے...... میں کس منہ سے تمہارا شکریہ ادا کروں۔"

"شکریہ تو مجھے ادا کرنا چاہیے......" اس نے انجکشن لگاتے ہوئے کہا...... "تم نے ہمارے درمیان تمام غلط فہمیوں کو دور کر دیا ہے۔"

یہ "ہمارے" کا کیا مطلب ہوا؟......" شاہدہ نے انجان بن کر پوچھا۔

"یعنی میرے اور ان کے درمیان جو غلط......"

شاہدہ نے مسکرا کر پھر بات کاٹ دی۔ "یہ ان کا کیا مطلب ہوا؟"

آرزو سرنج ہاتھ میں لیے اس کی طرف پلٹ گئی۔ اس کے چہرے پر ایک شرمیلا سا تبسم پھیل گیا۔

شاہدہ نے کہا۔ "ذرا ایک بار اپنے (ان) کا نام میرے سامنے لو...... تاکہ مجھے یقین ہو جائے کہ اب تمہارے دل میں ان کے لیے نفرت نہیں ہے۔ میں بھی مطمئن ہو جاؤں کہ میری محنت بے کار نہیں گئی ہے۔"

آرزو نے پلٹ کر اسے نہیں دیکھا کہ وہ یہ باتیں کتنی سنجیدگی سے کہہ رہی ہے۔ اپنے دل میں چھپے ہوئے کتنے ہی جذبوں کو کچل کر یہ خواہش کر رہی ہے کہ اس کی زبان پر ارمان کا نام آئے...... اپنی زبان سے جو نام مٹ گیا تھا۔ اس نام کو وہ دوسرے کی زبان سے

سننے کی تمنا کر رہی تھی۔

آرزو نے آہستہ آہستہ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "شاہدہ!...... محبت جب زندگی بھر کا سودا طے کر لیتی ہے اور محبوب کو شریک حیات بنانے کا عہد کر لیتی ہے تو پھر احتراماً محبوب کا نام لڑکی کی زبان پر نہیں آتا۔

میں ان کا نام کیسے لوں؟...... بس یوں سمجھ لو کہ ہر لڑکی کی زندگی میں ایک ارمان ہوتا ہے...... یہ ایک ارمان پورا ہو جائے تو دل کے سارے ارمان نکل جاتے ہیں۔"

یہ کہہ کر وہ کمرے سے چلی گئی۔

لیکن شاہدہ کی آنکھیں اچانک بھیگ گئیں...... "ہر لڑکی کی زندگی میں ایک ارمان ہوتا ہے۔" ...... اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دو موٹی موٹی بوندیں نکلیں اور رخساروں کی طرف ڈھلک گئیں۔

ارمان واپس آ گیا تھا۔

آرزو کمرے میں قدم رکھتے ہی ٹھٹھک کر وہیں کھڑی رہ گئی۔ غلط فہمیاں دور ہونے کے بعد وہ آپریشن روم کے اندھیرے میں ایک دوسرے سے ملے تھے۔ فائرنگ کے دوران کسی کو کچھ کہنے، سننے کا موقعہ نہیں ملا تھا۔ لیکن اب روشنی میں ایک دوسرے کا سامنا ہوتے ہی انہوں نے ندامت سے سر جھکا لیا۔ دونوں کو اپنی غلطیوں کا احساس تھا......

آرزو اس سے بدظن ہو کر لاہور چلی آئی تھی اور ارمان اسے اور زیادہ غلط فہمی میں مبتلا کرنے کے لیے شاہدہ کے ساتھ محبت کا جھوٹا ناٹک کھیلتا رہا تھا۔

پھر وہ ایک دوسرے سے گلے شکوے کیا کرتے؟...... ہاں ایک دوسرے کے گلے لگ سکتے تھے...... لیکن وہاں ٹامی بیٹھا ہوا تھا۔

ارمان نے ٹامی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "ٹامی!...... تم نے ہمارے لیے بہت زیادہ بھاگ دوڑ کی ہے...... اب تمہیں آرام کرنا چاہیے۔ رات زیادہ ہو گئی ہے۔"

ٹامی نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔ "ہاں!...... میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ رات زیادہ ہو گئی ہے، چلو! چل کر آرام کریں۔"

"تم جاؤ...... میں تھوڑی دیر بعد آؤں گا۔"

"ارے واہ......!" ٹامی نے کہا...... "مجھے اکیلا بھیج کر کتوں کی دعوت کرنا چاہتے

ہو...... نہیں، نہیں، میں اکیلا نہیں جا سکتا۔"

ارمان اسے بے بسی سے دیکھ کر رہ گیا۔

آرزو بھی سمجھ رہی تھی کہ وہ اتنی آسانی سے نہیں ٹلے گا۔

اس نے کہا۔ "ثامی!...... تم مریضوں کی تیمارداری کر سکتے ہو؟"

"آہا...... کیا بات کہی آپ نے بھی......!" ثامی نے چہک کر کہا۔

"بچپن میں مجھے ڈاکٹر بننے کا بہت شوق تھا۔"

آرزو نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تو پھر جاؤ۔ شاہدہ اکیلی ہے۔ ذرا اس کا خیال رکھو۔"

"آپ بھی خوب ہیں......" اس نے جواب دیا۔

"میں ڈاکٹر بننا چاہتا تھا اور آپ مجھے نرس بنا کر بھیج رہی ہیں۔"

"آؤ...... میں تمہیں ڈاکٹر بناتا ہوں......" ارمان نے جھنجھلا کر کہا۔

"چلو اٹھو۔"

"کہاں......؟" اس نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

آرزو نے بڑے اضطراب سے ارمان کی جانب دیکھا۔

"کیا وہ جا رہا ہے؟"

ارمان برآمدے میں پہنچ کر اچانک رک گیا۔

"ارے...... میں اپنا کوٹ بھول گیا ہوں۔ تم ٹھہرو میں ابھی لے کر آیا۔"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے پلٹ گیا۔

ثامی نے تعجب سے اپنے جسم کی طرف دیکھتے ہوئے ارمان کو پکارا۔ "اوہ بھائی...... تمہارا کوٹ تو میں نے پہن رکھا ہے۔"

لیکن اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی ارمان نے کمرے میں پہنچ کر اندر سے دروازہ بند کر لیا۔

آرزو نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "یہ کیا...... ثامی کیا سوچے گا؟"

"سوچے گا کیا...... وہ ایک نمبر کا بیوقوف ہے۔"

"ہاں، ہاں!"...... ثامی نے کھڑکی کے پاس آ کر کہا۔

"میں بیوقوف ہوں لیکن تمہاری طرح طوطا چشم نہیں ہوں۔ آدھی رات کو دوست کا ساتھ چھوڑ رہے ہو۔"

ارمان نے مسکراتے ہوئے کھڑکی کے قریب آ کر اسے بھی بند کر دیا۔

آرزو نے ثامی پر ترس کھاتے ہوئے کہا۔ "یہ زیادتی ہے...... اسے بلا لو۔ ورنہ ناراض ہو جائے گا۔"

"وہ مجھے دل کی گہرائیوں سے چاہتا ہے۔ اس لیے مجھ سے ناراض نہیں
ہاں، تمہاری چاہت نے اب یہ خدشہ پیدا کر دیا ہے کہ کہیں پھر سے تم
جاؤ۔" ڑانا شروع کر دیا

آرزو نے سر جھکا کر کہا۔ "مجھے شرمندہ نہ کرو...... یہ سچ ان کے جوڑے کے
میں آ کر میں تم سے مایوس ہو گئی تھی۔ لیکن مجھے مایوسی کی
نے بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اور ان کی طرف اچھال دیا۔

ارمان نے آہستہ آہستہ اس کے قریب آ
مجبور تھا۔ امی کی خوشیوں کی خاطر تم سے دور ہو ہیں آپ کی محبت زیادہ ہے یا میرے

"تو پھر دور ہو جایئے!......" آرزو
میرے پاس؟" بہت اچھے ہو ثامی......" اس نے چیخ کر

ارمان نے اس کے قریب جھکتے
گیا ہے۔ ناراضگی کی پھر ابتدا ہو رہی ہے۔"

اس نے آرزو کے شانہ پر ہاتھ...... ثامی نے بھی چیخ کر کہا...... "اگر تم نے مجھے
نے مجھے دور کر دیا تھا لیکن یہ تو د
خاموشی سے چوری چھپے آ کر تمہیں ب کھٹکنے لگا۔ شاید چوکیدار اس کی ٹانگیں پکڑے
نہیں ملتا تھا۔ یقین نہ ہو تو اس اج
میں مہکنے لگا تھا۔" ہو گیا تو ارمان نے اطمینان کی سانس لیتے ہوئے

آرزو نے گہری سانس
ہو...... اس پھول نے اسے یقین بیوقوف...... لیکن کام کا آدمی ہے۔ اس نے پھول لا کر
وہ مسکرانے لگی۔ "ا یں تمہارے جوڑے میں پھول ٹانک دوں۔"

مضبوطی سے تھام لیا...... وہ کچھ اور قریب آیا۔ لیکن پھر رک گیا...... برآمدے میں کسی کے دوڑنے کی آواز آ رہی تھی۔

وہ ٹامی ہی تھا۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ارمان!...... جلدی سے دروازہ کھولو۔ یہ کم بخت چوکیدار مجھے مارنے کے لیے پیچھے پڑ گیا ہے۔"

ارمان نے جھنجلا کر کہا۔ "بکواس مت کرو۔ یہاں سے جاؤ۔"

آ ر رے باپ رے!......" ٹامی کی آواز آئی۔

رکھو۔" "

"آپ بھی خوب ہوا دوسری طرف چلا گیا۔ اس کی مداخلت سے ارمان کا اچھا خاصا

"میں ڈاکٹر بننا چاہتا تھا۔

"آؤ...... میں تمہیں ڈاکٹر، جانب سے منہ پھیر کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"چلو اٹھو۔" ۔ئے کہا۔ "یہ ٹامی تو بالکل ڈفر ہے۔ کسی کے جذبات

"کہاں......؟" اس نے اٹھتے ہو۔

آرزو نے بڑے اضطراب سے ارمان ب ہاتھ بڑھایا لیکن وہ کترا کر ایک طرف چلی

"کیا وہ جا رہا ہے؟"

ارمان برآمدے میں پہنچ کر اچانک رک گیا۔

"ارے...... میں اپنا کوٹ بھول گیا ہوں۔ تم) دیکھ بھال کے لیے نرس کافی ہے۔ تم

یہ کہہ کر وہ تیزی سے پلٹ گیا۔ لو پورا کرنا رہ گیا ہے۔ یہ بازو تمہارے

ٹامی نے تعجب سے اپنے جسم کی طرف دیکھتے ہب بھی میں تمہارے قریب آنا چاہتا

تمہارا کوٹ تو میں نے پہن رکھا ہے۔" دیکھو نا کہ ٹامی خواہ مخواہ رکاوٹ بن

لیکن اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی ارمان

دروازہ بند کر لیا۔ اسے اپنے قریب لے آیا۔ آرزو

آرزو نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "یہ کیا...... ٹامی کیا سوچ کہہ دیا۔

"سوچے گا کیا...... وہ ایک نمبر کا بیوقوف ہے۔" ی آواز آئی۔

"ہاں، ہاں!"...... ٹامی نے کھڑکی کے پاس آ کر کہا۔ ، کر ادھر ادھر دیکھا اور پھر وہ

یران رہ گئے۔

ٹامی روشندان سے لٹک رہا تھا۔ اس کا آدھا دھڑ کمرے کے اندر تھا اور آدھا روشندان کے باہر...... یعنی وہ سر کے بل نیچے گرنے ہی والا تھا۔

"یہ کیا بیہودگی ہے؟......" ارمان نے اس کی طرف اپنے ہاتھوں کو بڑھایا۔

"یہ بیہودگی نہیں ہے، چوکیدار ہے۔ اس نے میری ٹانگوں کو پکڑ رکھا ہے، کم بخت چھا ہی نہیں چھوڑتا ہے۔"

"وہ تمہارا پیچھا کیوں کر رہا ہے؟"

"میں باغیچہ سے پھول توڑ رہا تھا۔ اس نے چور سمجھ کر مجھے دوڑانا شروع کر دیا ہے۔ تم نے تو بھابی کو صرف دل دیا ہے۔ میں جان ہتھیلی پر رکھ کر ان کے جوڑے کے ے پھول لایا ہوں یہ دیکھو......"

اس نے گریبان میں ہاتھ ڈال کر ایک پھول کو نکالا اور ان کی طرف اچھال دیا۔ مان نے پھول کیچ کر لیا۔

"انصاف سے کہنا بھابی! کہ ارمان کے دل میں آپ کی محبت زیادہ ہے یا میرے میں......"

آرزو نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم بہت اچھے ہو ٹامی......" اس نے چیخ کر کیدار سے کہا۔

"چوکیدار اسے چھوڑ دو، یہ ہمارا آدمی ہے۔"

"نہیں، نہیں، مجھے چھوڑنا نہیں......" ٹامی نے بھی چیخ کر کہا...... "اگر تم نے مجھے ڑ دیا تو میں اوندھے منہ گر پڑوں گا۔"

پھر وہ آہستہ آہستہ پیچھے کی جانب کھسکنے لگا۔ شاید چوکیدار اس کی ٹانگیں پکڑے ے اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔

جب وہ روشندان سے اوجھل ہو گیا تو ارمان نے اطمینان کی سانس لیتے ہوئے ا کو دیکھا۔

اور مسکرا کر کہا۔ "وہ ہے بیوقوف...... لیکن کام کا آدمی ہے۔ اس نے پھول لا کر میرا وعدہ یاد دلایا ہے...... آؤ، میں تمہارے جوڑے میں پھول ٹانک دوں۔"

وہ خود ہی اس کے قریب آیا۔ آرزو نے اپنی پیشانی اس کے سینہ پر ٹیک دی۔ جوڑا ابھر کر نگاہوں کے سامنے آگیا۔

پھول سے جوڑے تک کا فاصلہ طے ہو رہا تھا...... کیا آج یہ فاصلہ طے ہو جائے گا؟

"آہاہاہا......" روشندان سے ثامی کی آواز آئی۔

"کاش کہ اس وقت میرے پاس کیمرہ ہوتا۔"

آرزو گھبرا کر الگ ہو گئی۔

ارمان نے ثامی کو گھونسہ دکھاتے ہوئے کہا۔ "تم اس طرح باز نہیں آؤ گے......"

پھر اس نے آگے بڑھ کر سوئچ آف کر دیا...... کمرے میں گہری تاریکی چھا گئی۔ کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

ہاں۔ اس تاریکی میں سانسوں کی ہلچل کے درمیان ایک پھول ٹک رہا تھا۔

ثامی نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کی کوشش کی۔

پھر شکست خوردہ انداز میں کہا۔ "آہ۔"

☆======☆======☆